نقوشِ حیات

فخر المحد ثین

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

تالیف

خلیل الرحمٰن قاسمی برنی

ابن حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلند شہری
استاذ دار العلوم دیوبند

تفصیلات

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

نام کتاب : نقوش حیات

فخر المحدثین حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ

مرتب : مولانا مفتی خلیل الرحمٰن صاحب برنی بلند شہری

امام وخطیب مسجد الفاروق ولیمس ٹاؤن بنگلور

تعداد : ۱۵۰۰

قیمت : ۱۰۰/۰۰/روپیہ

کمپیوزنگ : ابو عبد اللہ عبد الجلیل خان قاسمی بلگرامی ہردوئی

مرحبا کمپیوٹر کتابت سینٹر، تمسند ر، کنکا پورہ تعلق، بنگلور

PH:08892698077

طباعت :

ناشر :

انتساب

☆ **از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے نام:**

جس کے اکابرین اور فرزندوں نے خصوصاً برصغیر اور عموماً عالم اسلام میں اپنی دینی، علمی خدمات اور مذہبی قیادت کا اہم فریضہ انجام دیا۔

☆ **اپنے محبوب اور مشفق اساتذہ کے نام:**

جن کی توجہات عالیہ اور خصوصی محنتوں سے ہم جیسے سینکڑوں افراد میں لکھنے پڑھنے کا جذبہ پیدا ہوا۔

☆ **والدمحترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب کے نام:**

جو احقر کے صرف مشفق باپ ہی نہیں بلکہ محسن ترین استاذ و مربی بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آں موصوف کا سایۂ عاطفت وشفقت تادیر صحت وعافیت کے ساتھ قائم رکھے اور آپ کی عنایتوں کا بہتر سے بہتر بدلہ دارین میں عطا فرمائے۔

اجمالی فہرست

حسن ترتیب

تقریظات

پہلا باب

خاندان ،وطن اور ماحول

بلند شہر کی چند نامور علمی ہستیاں

صاحب سوانح حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

دوسرا باب

تعلیم و تربیت

منبع العلوم سے فیض حاصل کرنے والے چند اساطین علم و فضل کا تعارف

تیسرا باب

دار العلوم دیوبند میں تعلیم اور دار العلومیں آپ کے اساتذہ

دار العلوم دیو بند میں آپ کے اساتذہ

چوتھا باب

حضرت شیخ الحدیث کادور تدریس اور آپ کی اسانید عالیہ

اسانید عالیہ

پانچواں باب

سلوک وتصوف

راہ تصوف میں بیعت اوراس کا شرعی ثبوت

چھٹا باب

آپ کے چند مشہور اور نامور تلامذہ

ساتواں باب

اوصاف وکمالات اور امتیازات وخصوصیات

آٹھواں باب

زندگی کے آخری ایام

وفات، تدفین، قطعات تاریخ وفات، خراج عقیدت پیش کرنے والے اشعار اور تعزیتی تحریریں

نواں باب

ارشادات وملفوظات

تعاقب............ ۳۲۵

دسواں باب

تأثراتی مضامین

پیش لفظ

استاذ الاساتذہ فخر المحد ثین حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحبؒ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیو بند جیسی جامع فضائل وکمالات شخصیت کی سوانح حیات لکھنے کا حق وہ ہی صاحب قلم ادا کرسکتا ہے جو خود جامع علوم وفنون ہو اور وہ اپنے علم وفضل کی روشنی میں حضرت شیخ الحدیث کے مقام ومرتبہ کی تعیین کرسکتا ہو اور آپ کے اوصاف وکمالات خصوصیات وامتیازات کی عظمت ورفعت کی صحیح اور حقیقی نشاندہی کرسکتا ہو۔

اس درآبدار اور جوہر فرید کی قدر شناسی کے لئے ایک ایسے جوہری کی ضرورت تھی جو اس کی حقیقی قدر وقیمت کو دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کرسکتا ہو۔لیکن چند تاثراتی مضامین کے علاوہ جو آپ کی رحلت کے فوراً بعد اہل علم حضرات کے قلم سے صادر ہوکر مختلف مجلّات وجرائد میں شائع ہوئے تھے، کوئی باقاعدہ ایسی تحریر (جس سے آپ کی شخصیت کے تمام روشن پہلو نہ سہی چند ہی نگاہوں کے سامنے آجاتے) منظر عام پر نہ آسکی۔ جب انتظار کی مدت دراز ہوئی تو اس حقیر نے محض اللہ کے فضل وتوفیق اور اپنی طالب علمانہ کوشش سے حضرتؒ کی حیات مقدس کی چند جھلکیاں اور آپؒ کی سیرت طیبہ کے چند مبارک اور روشن پہلوؤں کو منظر عام پر لانے کی جرأت کی اور سوانح حیات حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ بنام ''نقوش حیات'' آپ حضرات کے سامنے پیش کردی۔

گر قبول افتد زہے عز وشرف

راقم الحروف کو حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خانصاب سے بچپن ہی سے عقیدت ومحبت تھی۔ ۹/ یا ۱۰/ سال کی عمر تھی، اسی وقت سے والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب کے توسط سے آپ کی زیارت وملاقات کا برابر موقع ملتا رہا۔اس عرصہ میں آپ کو بہت قریب سے دیکھا، پرکھا اور برتا، جس سے آپ کی عقیدت ومحبت دل میں راسخ ہوتی چلی گئی۔ آپ کی دل آویز اور حسین شخصیت میں پنہاں ''اوصاف وکمالات'' آپ کے ''خاندانی احوال''، ''تعلیم وتربیت'' اور ''زمانۂ تدریس''، ''آپ کے چند نامور اور مشہور تلامذہ'' کا تعارف ''ارشادو ملفوظات'' اور کئی اہل علم کے ''تأثراتی مضامین'' پر مشتمل یہ سوانح درحقیقت عقیدت ومحبت اور رشتۂ تلمذ کے پاکیزہ جذبات کا اظہار ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سوانح اس عظیم المرتبت شخصیت کی خدمت میں ایک حقیر سانذرانۂ عقیدت ہے۔جس کے احسانات سے جماعت دیو بند کا ہر فرد زیر بار ہے اور جس نے نصف صدی سے زیادہ تک اپنے علمی سمندر سے امت کے ایک بڑے طبقے کو سیراب کیا۔

والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلندشہری استاذ دارالعلوم دیو بند کی مکمل رہنمائی اور تعاون سے یہ تحریر آپ حضرات کے ہاتھوں میں پہنچ سکی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ والد محترم کا سایہ تادیر قائم ودائم رکھے اور ان کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔

نیز اس موقع پر اپنے رفیق درس وحقیقی غمخوار محترم جناب مفتی عبدالجلیل خان صاحب قاسمی ہردوئی کا بھی تہہ دل سے شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مکمل تندہی وجانفشانی سے کتابت کے تمام مراحل کو بحسن وخوبی انجام دیا اور بہت سے مفید مشوروں سے بھی نوازا۔اللہ موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے ۔(آمین)

خلیل الرحمٰن قاسمی، برنی

مقیم حال بنگلور

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

کلمات تبریک

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم

استاذ حدیث و مہتمم دار العلوم دیوبند

اس ناکارہ کے استاذ گرامی قدر، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب بلندشہری صدر المدرسین وشیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی مفصل سوانح حیات مرتبہ جناب مولانا خلیل الرحمٰن صاحب قاسمی برنی کا مکمل مسودہ اس وقت میرے سامنے ہے جس کی مکمل فہرست اور جستہ جستہ مضامین کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ مرتب نے سوانح کی ترتیب میں بے پناہ محنت صرف کی ہے۔ایک مکمل سوانح حیات کے لئے جتنے عنوانات کی ضرورت ہوتی ہے؛ ان سب کو موضوع تحریر بنایا ہے۔جس سے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سے وفات تک، زندگی کے تمام مراحل، خدمات، خصوصیات اور علمی بقیات کا تفصیلی ذکر کتاب میں آ گیا ہے، ساتھ ہی بلندشہر کے نامور حضرات، حضرت مولانا کے اساتذۂ کرام اور چند معروف تلامذہ کے حالات بھی شامل سوانح ہیں۔مجموعی حیثیت سے یہ کتاب سوانح نگاری کی ایک کامیاب کوشش ہے اور امید ہے کہ اہل تعلق اور اہل ذوق کے لئے خاص دلچسپی کا سامان فراہم کرے گی۔مرتب سوانح کو مبارک باد دیتے ہوئے بندہ دست بدعا ہے کہ ان کی یہ خدمت شرف قبولیت سے نوازی جائے، اور اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے۔

والسلام

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ

مہتمم دار العلوم دیوبند ۳۳/۸/۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

الحمد للّٰہ، وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی (النیل ۵۹)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں، اور اس کے ان بندوں پر سلام نازل ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے یعنی مقام حمد (مرتبۂ الوہیت) اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے، کوئی اور ہستی اس مقام کے لائق نہیں، البتہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کے لئے منزل سلام ہے اور دارین میں سلامتی سے ہمکنار ہیں، یہ بندے انبیاء، علماء اور اولیاء ہیں، یہ سب چنیدہ بندے ہیں، ان پر سلام نازل ہو، وہ نہ خدا ہیں اور نہ خدائی میں شریک وسہیم!

میرے استاذ محترم حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب (شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند) قدس سرہٗ انہیں منتخب اور برگزیدہ شخصیات میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو طویل خدمت دین کا موقع نصیب فرمایا تھا، عرصۂ دراز تک وہ بخاری شریف کا کامیاب درس دیتے رہے، اللہ تعالیٰ ان کو ان کی خدمات کا اجر جزیل عطا فرمائے، اور جنت الفردوس کے بلند مقامات سے سرفراز فرمائے (آمین)

ضرورت تھی کی ان کی کوئی سوانح حیات مرتب کی جائے، تاکہ ان کا ذکر خیر باقی رہے، مجھے بہت خوشی ہوئی جب میرے سامنے جناب مولانا خلیل الرحمٰن قاسمی برنی (بلندشہری) استاذ حدیث جامعہ ندوۃ الابرار بنگلور کی مرتب کردہ ضخیم ''سوانح حیات حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمہ اللہ'' آئی ۔سوانح نگار حضرت قدس سرہٗ کے ہم وطن ہیں، اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلندشہری زید مجدہم (استاذ دار العلوم دیوبند) حضرت قدس سرہٗ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، عصر کے بعد حضرت کی مجلس میں ان کا آنا جانا رہتا تھا، وہ بے تکلف بھی تھے، ہر طرح کے سوالات کرتے تھے، سوانح نگار نے اپنے والد ماجد کی رہنمائی میں اور ان کی قلمی یادداشتوں سے مدد لیکر اور دیگر ذرائع سے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں یہ سوانح مرتب کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں، ان کی محنت کو قبول فرمائیں اور اس کتاب کو اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کے ذکر خیر کے بقاء کا ذریعہ بنائیں (آمین)

کتبہٗ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دار العلوم دیوبند

۲۴ رشعبان ۱۴۳۳ھ

باسمہ تعالیٰ

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علمائے ہند

احمدہٗ واصلی علی رسولہ الکریم

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اس فقیر کے بھی استاذ تھے، میں نے موصوف سے حدیث تو نہیں پڑھی لیکن میبذی، مقامات، شرح عقائد اور مسامرہ کتابیں پڑھی ہیں، حضرت مولانا کو مختلف علوم وفنون کی کتابوں کو پڑھانے پر قابو تھا اور نہایت صاف ستھری زبان میں اختصار کے ساتھ عبارت کو حل کرنے اور مطالب کو واضح کر دینے پر مہارت تھی۔ اسی لئے ان کی ہر کتاب وقت پر معمول کے مطابق درس دیتے ہوئے پوری ہو جاتی تھی۔

مولانا مرحوم کی دوسری صفت اور امتیازی صفت طلبۂ عزیز کے ساتھ مہربانی اور لطف وکرم والا معاملہ تھا، اسی لئے سرکش سے سرکش طالب علم بھی ان کے یہاں آکر نہایت متواضع بن جاتا تھا۔

حضرت مولانا کی زندگی کے یہ دونوں گوشے ہر مدرس کے لئے مشعل راہ ہیں کیونکہ اس زمانے میں یہ دونوں صفات کم یاب ہیں اس لئے ان کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

راقم الحروف مولوی خلیل الرحمٰن صاحب برنی کو مبارکباد پیش کرتا ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب مرحوم کی زندگی کے مختلف گوشوں پر کتاب پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس پیش کش کو شرف قبولیت سے نوازے! اور مفید فرمائے! آمین ثم آمین۔

(حضرت مولانا) ارشد مدنی (صاحب دامت برکاتہم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استاذ العلماء حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

الحمد للّٰہ و کفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی ،أمابعد:

عزیز محترم جناب مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ (خلف الصدق جناب مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلند شہری، استاذ دار العلوم دیوبند) نے استاذ عالی مقام حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمہ اللہ کی حیات وخدمات پر مفصل سوانح مرتب کی ہے۔

عزیز موصوف نے مضمون کو دس ابواب پر تقسیم کیا ہے، جن میں خاندان، تعلیم وتربیت، دار العلوم کے اساتذہ، اسانید، دور تدریس، سلوک وتصوف، نامور تلامذہ، اوصاف وکمالات، زندگی کے آخری ایام، ارشادات وملفوظات، اہل علم کے تأثرات جیسے اہم عنوانات شامل ہیں۔

عزیز موصوف نے موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ ماشاء اللہ اپنی کوشش میں کامیاب ہیں، گویا انہوں نے حضرت موصوف کے تمام تلامذہ کی طرف سے یہ فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ **فجزا ھم اللّٰہ خیر الجزاء**

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی سعی جمیل کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا کرے! اور مزید علمی خدمات کی توفیق دے۔ آمین **والحمد للّٰہ اولاً وآخراً**

ریاست علی غفرلہٗ

خادم تدریس دار العلوم دیوبند ۱۶؍شعبان ۱۴۳۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی دامت برکاتہم

استاذ ادب و نائب مہتمم دار العلوم دیوبند

نحمدهٗ ونصلي على رسوله الكريم ،أما بعد:

عزیز مکرم جناب مولانا قاری خلیل الرحمٰن قاسمی برنی حفظہ اللہ نے استاذ محترم استاذ الاساتذہ، فخر العلماء حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب (قدس سرہٗ) شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند کی سوانح حیات پر ایک مجموعہ تیار کیا، جس کا مسودہ میرے ہاتھوں میں ہے، بندے نے جگہ جگہ نظر ڈالی، دیکھ کر اندازہ ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث کے اوصاف وکمالات، خصوصیات وامتیازات، آپ کی جامعیت علوم وفنون اور مادر علمی میں ہمہ گیریت کو مؤلف نے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ یوں تو جس عظیم شخصیت نے نصف صدی سے زائد عرصے تک از ہر ہند دار العلوم دیوبند میں رہ کر ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کیا ہو، علمی وتحقیقی گوہر لٹائے ہوں، اور جس نے برسہا برس طالبان علوم نبوت کو شراب محمدی سے مست کیا ہو، اسی کے ساتھ ساتھ جس کی انتظامی صلاحیتوں کے جوہر نمایاں ہوں، ایسی جامع شخصیت پر لکھنے کے لئے کہ جو علم کا بحر بے کراں ہو، دفاتر کے دفاتر چاہئیں؛ تاہم یہ کتاب لکھ کر مؤلف سلمہٗ نے حضرت کے متعلقین، منتسبین اور متعلمین کی طرف سے ایک حد تک قرضہ چکانے کی کامیاب کوشش کی ہے، اس طرح کی شخصیات کے احوال واوصاف ملت کے لئے نمونہ ہوتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزم مرتب کی اس سعی کو مشکور ومقبول فرمائے! لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اور ہم سب کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے والا بنائے، نیز مؤلف کی عمر اور عمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین!

خیر خواہ

عبدالخالق سنبھلی

خادم دار العلوم دیوبند

۱۴۳۳/۸/۸ھ بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

خلیفہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب ؒ

بانی و مہتمم جامعہ مسیح العلوم بنگلور، کرناٹک

دنیا ایک مسافر خانہ ہے، جہاں روز روز انسانوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری ہے اور ہزاروں سال سے جاری ہے اور اس انسانوں کے انبوہ میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بھی آئے، اولیائے کرام بھی آئے، شاہان وسلاطین کی آمد بھی ہوئی، اہل عقل و دانش بھی وارد ہوئے، اچھے بھی آئے اور برے بھی اور پھر اپنے اپنے اوقات گذار کر اس دار فانی سے دار البقاء کی جانب کوچ کر گئے۔

مگر ان آنے اور جانے والوں میں سے بعض ہستیاں اپنے پیچھے دوسروں کے لئے بہت کچھ چھوڑ کر بھی جاتی ہیں، جو بعد میں آنے والوں کے لئے سرمایۂ اعزاز وافتخار اور سامان راحت وعظمت قرار پاتا ہے، پھر ان میں سے بھی بعض شخصیات انقلاب آفرین اور عہد ساز شخصیت کی مالک ہوتی ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ علم وعمل اور رشد وہدایت کی شاہراہیں سجاتے ہیں، وہ حضرات مردم سازی اور مردم گری کے ہنر کے حامل لوگوں کے قلوب کو جلا بخشنے کی صلاحیت سے لبریز، اصلاح قلوب وتزکیۂ نفوس کی قابلیت سے آراستہ ہوتے ہیں۔

انہیں عظیم ہستیوں میں سے ایک فخر المحدثین حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب علیہ الرحمہ، شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند بھی ہیں، جو اپنی ظاہری وباطنی علوم میں گہرائی وگیرائی اور گوناگوں صفات عالیہ اور اخلاق فاضلہ کی وجہ سے اہل علم کے مابین ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت والا علیہ الرحمہ کی اپنی خصوصیات وامتیازات کی وجہ سے ضرورت تھی کہ آپ کی سوانح حیات کے مختلف گوشوں اور متعدد روشن پہلوؤں پر کوئی صاحب قلم روشنی ڈالے اور لوگوں کے لئے مشعل راہ فراہم کرے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے! حضرت کے شاگرد خاص محترم مولانا قاری خلیل الرحمٰن صاحب کو کہ انہوں نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا اور شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے حضرت والا کی سوانح حیات کے اہم گوشوں کو تحقیق کے ساتھ مرتب کر کے پیش فرمایا ہے۔

احقر نے بنظر استفادہ اس کے مسودہ کو مختلف مقامات سے دیکھا اور پڑھا۔ ماشاء اللہ سہل وعلمی اسلوب میں موضوع کے متعلق سیر حاصل کلام کر کے ایک مکمل نقشۂ حیات ومرقعۂ زندگی پیش کر دیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے مفید اور نفع بخش ثمرات مرتب فرمائے اور قبولیت سے نوازے!

فقط

(حضرت مولانا مفتی) محمد شعیب اللہ خان (صاحب دامت برکاتہم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذ ادب وفقہ دارالعلوم دیوبند

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ،أمابعد:

استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا نصیراحمد خان صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا مبسوط تذکرہ سامنے ہے،اور دل خوشی ومسرت کے ساتھ رب ذوالجلال کی بارگاہ میں حمد وتشکر کے جذبات سے لبریز اور مرتب کتاب عزیز گرامی، فاضل نوجواں،مولانا مفتی خلیل الرحمٰن صاحب بلندشہری زادہ اللہ علماً وعملاً کے لئے دعامیں مصروف ہے کہ انہوں نے حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کے تلامذہ کی جانب سے یہ فرض کفایہ ادا کرکے اپنے آپ کو ہم سب کے شکریہ کا مستحق بنالیا۔

حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدہٗ ،مادرعلمی کے ان اساتذہ میں سے ہیں جو اپنی طویل ترین تدریسی خدمت اور اعلیٰ انتظامی خدمات کی بناپر تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔حضرت نے غالباً تریسٹھ سال خدمت تدریس انجام دی،جس کی برکت سے کئی کئی نسلوں نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک خاندان کی تین نسلوں کوحضرت سے پڑھنے کا موقع ملا۔خودراقم سطور کوحضرت سے بخاری شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا جبکہ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا سعیداحمد صاحب سہسپوری قدس سرہٗ نے حضرتؒ سے نورالانوار وغیرہ متوسط کتب پڑھی تھیں۔

اس طویل تدریسی خدمت کے ساتھ عرصۂ دراز تک نیابت اہتمام کی مسند کوحضرتؒ کی ذات سے زینت حاصل رہی،اور آخر کے سولہ سترہ سال حضرت صدارت تدریس کے منصب پر فائز رہے؛ جو دارالعلوم کا سب سے بلند اور محترم علمی منصب ہے اور ساتھ ہی تدریس کی معراج، بخاری شریف کا سبق حضرت سے تیس سال متعلق رہا؛ جو بجائے خود ان کی
مقبولیت عنداللہ کا شاہد عدل ہے۔گویا پندرہ بیس سال ہزاروں علماء کی سندحدیث کا سب سے ممتاز اور اولین نام" **حضرت مولانا نصیراحمد خان صاحب**"نوراللہ مرقدہٗ ہے۔

ایسی بافیض شخصیت کے احوال وسوانح کی ترتیب صرف ان کا حق ہی نہیں بلکہ تمام تلامذہ کی ضرورت بھی ہے اور اگلی نسلوں کے لئے سامان ہدایت بھی۔اس لئے بلاشبہ عزیزم مولانا مفتی خلیل الرحمٰن صاحب اپنے اس کام کی بناپر حضرت کے تمام ہی تلامذہ ومحبین کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

عزیز موصوف ہمارے نہایت محترم ومؤقر دوست حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلندشہری مدظلہٗ استاذ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے اور قاری صاحب کے حسن تربیت کا عکس جمیل ہیں۔ماشاءاللہ صاحب استعداد فاضل ہیں اور بنگلورشہر میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔خود ہمارے قاری صاحب حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کے ہم وطن اوران کی مجالس کے حاضر باش اوران کے معتمد رہے ہیں۔اس لئے اس تذکرہ کی ترتیب میں عزیز موصوف کوان کی تحریک وترغیب اور رہنمائی سے بھرپور مدد ملی ہے،اس لئے وہ بھی مستحق تشکر ہیں۔اللہ رب العزت حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کی خدمات کوقبول فرما کرہم سب تلامذہ کی جانب سے جزائے خیر عطافرمائیں!اور عزیز مرتبِ کتاب زید مجدہٗ کومزید علمی خدمات کی توفیق سے نوازیں! آمین!

والسلام: محمد سلمان عفااللہ عنہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند ۲۶/شعبان ۱۴۳۳ھ ۱۷/جولائی ۲۰۱۲ء منگل

پہلا باب

خاندان، وطن اور ماحول

☆☆☆☆☆

حضرت الاستاذ، شیخ ''نصیر احمد'' خان صاحب کا وطن موضع ''بسی'' ہے جو ضلع بلند شہر میں دریائے گنگا کے کنارے آباد، بارہ بستیوں میں سے ایک اہم بستی ہے، ان بارہ بستیوں میں بسنے والے زیادہ تر پٹھان ہیں جو مغلوں کے عہد حکومت میں یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔

حضرت مولانا کا تعلق افغانستان کے مشہور قبیلہ ''بازید خیل'' سے ہے، آپ کے اجداد میں سے شہباز خان سب سے پہلے ہندوستان آئے اور انہوں نے موضع ''بسی''، ضلع بلند شہر کو اپنا وطن بنایا، آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح سے ہے:-

حضرت مولانا نصیر احمد خان بن عبدالشکور خان بن حقداد خان بن بنیاد خان بن سردار خان بن عمر خان بن غیاث خان بن شہباز خان بن سلیم خان بن دیوان دولت خان بن شیخ داؤد خان بن شیخ عیسٰی خان بازید خیل داؤدزئی۔

خطۂ بلند شہر

بلند شہر کا نام پہلے ''برنپور'' تھا، راجہ برن نے اس شہر کو آباد کیا تھا اس لئے اسی راجہ کے نام پر اس کو برنپور کہا جاتا تھا، جس وقت غزنی کے بادشاہ سلطان محمود غزنوی ہندوستان پر بار بار حملہ آور ہورہے تھے اس وقت ''برن پور'' راجہ ہروت کا مرکز حکومت تھا، اس راجہ نے چونکہ پنجاب کے راجہ ''جے پال'' کی محمود کے خلاف مدد کی تھی اس لئے سلطان محمود غزنوی کو اس پر کافی غصہ تھا؛ چنانچہ سلطان محمود غزنوی نے دہلی کی تسخیر کے بعد ''برن پور'' کا رخ کیا، برنپور کے حکمران راجہ ہروت نے مقابلہ کی تاب نہ لاکر سلطان کو صلح کا پیغام دیا، اور خراج میں کئی ہاتھی اور بہت سا مال محمود غزنوی کی خدمت میں پیش کیا، محمود غزنوی نے بخوشی اس کو قبول کیا۔ یہ واقعہ ۱۰۱۰ء کے آس پاس کا ہے، اس واقعہ کے بعد یہاں اسلام کی روشنی پھیلنی شروع ہوگئی، اور یہاں کی ہندو آبادی کا ایک حصہ دامن اسلام سے وابستہ ہوگیا۔

واضح رہے کہ یہاں اسلام کی روشنی پھیلانے والے زیادہ تر وہ با اخلاق صاحب کردار دُعاۃ و اہل اللہ تھے، جن کے ہندوستان آنے کا مقصد صرف مخلوق کی رہنمائی اور اشاعتِ اسلام ہوتا تھا، کتنے ہی لوگ ان کے عظیم اخلاق، اجلے کردار اور ستھرے معاملات کو دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے، یہ دعاۃ اسلام اور اہل اللہ بے غرض اور بے لوث ہوکر انبیاء اور صحابہ کے طریقے کے مطابق تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے تھے، جس کے نتیجے میں بعض مرتبہ ہزاروں ہزار لوگ بیک وقت اسلام قبول کرتے تھے۔

جنگ آزادی میں بلند شہر کا کردار

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تحریک میں دوآبہ کے علاقہ کا بڑا حصہ ہے، شاملی، تھانہ بھون، سہارنپور، میرٹھ کی طرح بلند شہر میں بھی انگریز کے خلاف تحریک حریت کی جنگ چھڑی، بے شمار لوگ جنگ میں کام آئے۔ جس ہمت و جواں مردی اور استقلال سے یہاں جنگ لڑی گئی دوسرے علاقوں میں اس کی

مثال نہیں ملتی۔ بلندشہر میں ''کالے آم'' نام سے اب بھی ایک جگہ ہے، بہت لوگوں کو معلوم ہے کہ یہاں انگریزوں اور مجاہدین حریت کے درمیان بڑی خون ریز جنگ ہوئی، اس جنگ میں انگریز اپنی فوجی طاقت اور تنظیم کے بہتر ہونے کی وجہ سے کامیاب ہوگئے۔

اس جنگ کے اصل ہیرو ''نواب ولیدت خان'' تھے، جن کے والد اور دادا ''شاہ عالم'' بادشاہ کے زمانے سے اسی علاقے ''بلندشہر'' کے حاکم تھے۔ ''نواب ولیدت خان'' نے بلندشہر سے پانچ میل اتر، پچھم کی جانب کالی ندی کے کنارے ایک قلعہ ''مالاگڑھ'' کے نام سے تعمیر کیا، یہ قلعہ فن تعمیر کا نادر نمونہ تھا۔ دفاعی لحاظ سے بڑا مستحکم اور مضبوط تھا، کئی دفعہ مرہٹوں نے ''نواب ولیدت خان'' کے علاقے پر حملہ کیا مگر ہر دفعہ نواب صاحب نے ان کی خوب گوش مالی کی اور ان کو اپنے علاقے میں پاؤں رکھنے کا موقع نہ دیا۔

نواب ولیدت خان صاحب کی بھانجی ''بہادرشاہ ظفر'' کے شہزادے سے منسوب تھی، اس معنی میں بہادرشاہ ''نواب ولیدت صاحب'' کے قریبی رشتہ دار تھے ۱۸۵۷ء کو جب مغل بادشاہوں کو صحیح معنی میں بادشاہ بنایا گیا تو نواب ولیدت صاحب ان کو مبارک باد دینے کے لئے دہلی گئے، بادشاہ دہلی نے ''نواب ولیدت صاحب'' کی صلاحیت اور بہادری کا لحاظ کر کے نواب صاحب کو علاقۂ دوآبہ کی سند صوبہ داری مرحمت کی، یہ واقعہ ۲۶ مئی ۱۸۵۷ء کا ہے۔

نواب صاحب نے اپنے قلعہ میں آ کر اپنی صوبہ داری کا اعلان کر دیا، جس کے بعد نواب کے پرچم تلے گوجروں کی ایک بڑی جماعت گوجروں کے رئیس ایمن پدھان کی سرکردگی میں جمع ہوگئی، اس کے علاوہ کئی مسلمان بڑے جاگیردار اپنے اپنے لشکر اور مال واسلحہ کے ساتھ ''نواب ولیدت خان'' کے پرچم تلے جمع ہوگئے۔ ان رئیسوں میں پٹھانوں کی بارہ بستیوں کے ''سردار عبدالطیف خان''، رئیس خان پور، ''نواب مصطفے خان شیفتہ'' حاجی ''یاداللہ'' خان تھانے دار قصبہ گلاؤٹھی، غلام حیدر خان، مہدی بخش خان تھے۔ نواب ولیدت خان کے پاس دس ہزار سوار، پندرہ ہزار پیادہ تھے۔ کافی عرصہ تک جنگ ہوتی رہی، کئی خونریز معرکے ہوئے، جس میں انگریزوں کو کافی نقصان ہوا، مگر تقدیر کا فیصلہ غالب آیا، سب تدبیریں ناکام ہوگئیں اور دہلی پر دوبارہ انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ ظالم پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ ابھرا، اور ظلم کی ہر وہ نوع، جس کا تصور کیا جا سکتا ہے، وہ مظلوم ہندوستانیوں کے لئے وجود میں لایا۔ چنانچہ توپ تھی اور ہندوستانیوں کے جسم تھے، پھانسی تھی اور ہندوستانیوں کی گردنیں، آگ تھی اور ہندوستانیوں کی بستیاں تھیں، بندوقیں تھیں اور ہندوستانیوں کے سینے، کالا پانی کی جیل اور تنگ وتاریک کوٹھریاں تھیں اور مجبور ومقہور عوام، جبر وقہر والے حاکم تھے اور بے کس وکمزور ہندوستانی۔ چن چن کر اور تلاش کر کر کے ان لوگوں کو تختہ دار پر چڑھا دیا، جنہوں نے ذرا بھی اشارہ سے یا کنایہ سے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں حصہ لیا تھا، چنانچہ ''نواب ولیدت خان'' کے قلعہ ''مالاگڑھ'' پر بھی حملہ کیا اور توپوں کی گولہ باری سے پورے قلعہ کو مسمار کر دیا۔ جن لوگوں نے نواب صاحب کا ساتھ دیا تھا، ان کو چن چن کر تختۂ دار پر چڑھایا۔ اس واقعہ میں قربان ہونے والے زیادہ تر لوگ خورجہ بلندشہر اور دنکور کے تھے، ہر روز بلندشہر کے ''کالے آم'' پر پھانسی دی جاتی تھی اور لاشیں لٹکا کر چھوڑ دی جاتی تھیں۔

''بلندشہر'' کے نواح کی گوجر قوم بھی جنہوں نے 'نواب ولیدت خان' کا انگریزوں کے خلاف ساتھ دیا تھا، انگریز کے عتاب کا شکار ہوئی، انگریز اس قوم کے خلاف بڑا غضبناک تھا کیونکہ اس قوم نے اس جنگ آزادی میں انگریزوں کے دانت کھٹے کر دئے تھے۔ ''ایمن پدھان'' ان کا رئیس تھا جو بہت بہادر اور جری تھا اس نے اپنی پوری قوم کو جنگ آزادی میں جھونک دیا تھا۔ انگریز نے قلعہ ''مالاگڑھ'' کو سر کرنے کے بعد اس قوم کا پیچھا کیا اور من حیث القوم اس پوری قوم کو ختم کرنے کی کوشش کی، گاؤں کے گاؤں جلائے، جائدادیں نیلام کیں اور جس کو جہاں پایا قتل کیا

جنگ آزادی میں بارہ بستی کا کردار

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ''بارہ بستی'' کے پٹھانوں نے بھی خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، پٹھانوں کی ان بستیوں کے سب سے بڑے رئیس ''نواب عبدالطیف خان صاحب'' تھے۔ ان کی ریاست ڈیڑھ سو دیہات پر مشتمل تھی۔ کافی وضع دار اور بہادر آدمی تھے، ضلع بلندشہر کے بہت مضبوط اور قدیم

جاگیردار تھے۔مغل بادشاہوں کو بھی ان سے کافی توقعات تھیں،''نواب ولیدت خان صاحب'' نے انگریزوں کے خلاف جب ''طبلِ جنگ'' بجایا تو ''عبدالطیف خان صاحب'' بھی ''نواب ولیدت خان صاحب'' کے پرچم تلے میدان جنگ کود گئے،اور ملک کی آزادی کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔

''کالے آم'' پرلڑی جانے والی خوں ریز جنگ میں ضعف وپیری کے سبب خود تو شریک نہ ہو سکے،مگر اپنی طرف سے فوج واسلحہ اور سامان رسد کا مکمل انتظام کیا،اس کے علاوہ ہر محاذ پر ''نواب ولیدت خان صاحب'' کے دوش بدوش رہے،انگریز نے دہلی پر دوبارہ قابض ہونے کے بعد ان کو بھی ظلم وستم کی چکی میں پیسا،تمام جائیداد ضبط کی اور نواب صاحب کو گرفتار کر کے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا سنائی۔(ماخوذ از:علمائے دیوبند کا شاندار ماضی ص:۳۱۷ج ۴)

بلند شہر کی چند نامورعلمی ہستیاں

علامہ پروفیسر الیاس برنی صاحبؒ:

الحاج مولانا محمد الیاس چشتی قادری نقشبندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ رشعبان المعظم ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹ راپریل ۱۸۸۹ء اپنے نانہالی مقام خورجہ ضلع بلندشہر میں پیدا ہوئے،آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے،اس لئے اللہ نے دین کے لئے فاروقی غیرت وحمیت سے بھی نوازا تھا،اللہ کی محبت،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اتباع،دین کی سربلندی کا جذبہ آپ کی طبیعت کا جزء لاینفک تھا،والد صاحب کا نام حضرت حافظ محمد ابراہیم برنی تھا۔آپ کے والد صاحب فطرتاً متدین اور نیک تھے اسلئے ان کی تربیت پر خاص توجہ دی،ان کو شروع ہی سے دینی واصلاحی سانچے میں ڈھالا۔الیاس برنی صاحبؒ کی تعلیم خورجہ اور علی گڑھ میں ہوئی۔

۱۹۱۷ء میں جب عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں دار الترجمہ قائم ہوا تو بطور خاص علی گڑھ سے آپ کو بلایا گیا۔آپ کو بلانے والے حیدرآباد کے ارباب حکومت تھے۔حیدرآباد میں آپ کو ناظم دار الترجمہ بنا دیا،پھر اسی یونیوسٹی میں شعبۂ معاشیات کے پروفیسر اور صدر رہے،چند دنوں بعد جامعہ کا رجسٹرار بنا دیا گیا،اور آخر میں ناظم دائرۃ المعارف اور خصوصی افسر مقرر کئے گئے۔دیانتداری،پاکیزگی اور ادب ووقار سے آپ کی زندگی عبارت تھی۔

علامہ الیاس برنیؒ،صاحبِ قلم تھے،مختلف علوم وفنون پر پچاس گراں قدر تصانیف آپ کے قلم گوہر بار سے صادر ہوئیں جن میں سے سات تصانیف صرف ردقادیانیت پر ہیں آپ کی تصانیف میں سب سے مشہور اور تحقیقی کتاب ''قادیانیت کا علمی محاسبہ'' ہے آج تک قادیانی اس کے کسی حوالے کو بھی چیلنج نہیں کر سکے۔یہ کتاب اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں کے لئے مرجع وماخذ کی حیثیت رکھتی ہے،اس کتاب نے اپنے موضوع کے تمام گوشوں کا احاطہ کرلیا ہے بعض علماء کی رائے کے مطابق یہ کتاب ردقادیانیت پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے،یہ کتاب چونکہ مصنفؒ کی زندگی میں طبع ہوکر منظر عام پر آگئی تھی اس لئے باقی رہی اور مشہور بھی ہوئی مگر آپ کی باقی تصانیف آپکی وفات کے بعد خاص سازش کے تحت تلف کر دی گئیں،نیز آپ کے کتب خانے کو بھی سازش کے تحت خرد برد کر دیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ کی کتاب ''قادیانیت کا علمی محاسبہ'' اس وقت منظر عام پر آئی جب امت کو اس کی بے حد ضرورت تھی۔قادیانی گروہ انگریزوں کی سرپرستی میں دین محمدی ﷺ کو کھوکھلا کرنے اور امت محمدیہ کو اسلام سے منحرف کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھا،مسلمانوں کا بعض علمی طبقہ اس وقت پریشان تھا کہ اس فتنہ کا سدباب کیونکر ممکن ہے۔علامہ الیاس برنی صاحب نے ''قادیانیت کا علمی محاسبہ'' لکھ کر اس فتنے کی سرکوبی کے لئے ان کو ایک راہ دی۔اللہ پوری امت کی طرف سے علامہ الیاس صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

۲۶ رجنوری ۱۹۵۹ء میں آپ کی وفات ہوئی،بعض حضرات کی رائے کے مطابق آپ کی وفات خورجہ ضلع بلندشہر میں ہوئی مگر خورجہ کے رہنے والے بعض وہ حضرات جو آپ کو جاننے والے ہیں ان کے بقول آپ کی وفات خورجہ میں نہیں ہوئی،بلکہ حیدرآباد میں ہوئی ہے،البتہ ان کے خاندان کے

کچھ لوگوں کے مزارات خورجہ میں ضرور ہیں، خورجہ میں ان کی جائداد بھی تھی اور معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خورجہ ضلع بلند شہر کا بڑا مدرسہ انہیں کی جائداد میں بنا ہوا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتمّ۔

بقیۃ السلف حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری قدس سرہ:

آپ کے والد محترم کا نام صوفی محمد صدیق تھا جو بہت نیک وضعدار اور انتہائی مخلص بھولے بھالے اور نیک طبیعت انسان تھے، آپ کی پیدائش غالباً ۱۳۴۳ھ میں وطن مالوف موضع ''بسی''، ضلع بلند شہر میں ہوئی۔ کچھ بڑے ہوئے تو سب سے پہلے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ قرآن مجید میں آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا صدیق صاحب پنجابی ثم سنبھلی تھے، ان کے پاس آپ نے مکمل قرآن پاک حفظ کیا، پھر انہیں سے تکمیل حفظ کے بعد فارسی اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں کافیہ تک پڑھیں، اس کے بعد آپ نے ''مدرسہ امدادیہ مرادآباد'' میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے مکمل دوسال تعلیم حاصل کی۔ ان دوسالوں میں شرح وقایہ، قدوری، کنز الدقائق، اصول الشاشی، شرح تہذیب، نورالانوار، نفحۃ الیمن، شرح جامی، اور قطبی پڑھیں، ساتھ میں قاری عبدالباسط بگراسوی سے ابتدائی قرأت کی کتابیں اور مشق وحدر وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، اس مدرسہ میں آپ نے ۱۳۵۶ھ میں داخلہ لیا تھا اور ۱۳۵۷ھ کے آخر تک اسی مدرسہ میں مکمل محنت اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم میں مشغول رہے، بعد ازاں شوال ۱۳۵۸ھ میں ''مدرسہ خلافت جامع مسجد علی گڑھ'' میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے ''مختصر المعانی، سراجی، ہدایہ اولین، حسامی، سلم العلوم، شرح عقائد نسفی اور میبذی ومقامات'' پڑھیں۔

مظاہر العلوم میں داخلہ:

۱۳۶۰ھ میں آپ مظاہر علوم سہارن پور میں داخل ہوئے، یہاں چونکہ بڑے بڑے اساطین علم تھے، اس لئے آپ کو اپنی علمی تشنگی بجھانے کا خوب موقع ملا، مظاہر علوم میں داخلہ والے سال جو کتابیں پڑھیں، ان میں ''ہدایہ ثالث، دیوان متنبّی، حماسہ، توضیح وتلویح اور ملاحسن'' ہیں، مظاہر العلوم میں آپ نے اپنے تین سالہ قیام میں باقاعدہ فنون قراءت کی تکمیل کی، قرأت میں آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد سلیمان صاحب تھے، کتب قرأت میں ''المقدمۃ الجزریہ اور شاطبیہ'' وغیرہ پڑھیں، قرأت میں آپ کی دلچسپی کے باعث استاذ محترم حضرت مولانا قاری سید سلیمان صاحب کی بھی خصوصی توجہ آپ پر رہی، آپ کو مدرسہ کی طرف سے سند سے نوازا گیا، وہیں استاذ محترم نے بھی اپنی خصوصی سند مرحمت فرمائی

۱۳۶۱ھ میں ''مظاہر علوم سہارن پور'' میں رہتے ہوئے ''ملاحسن، ہدایہ ثالث، دیوان متنبّی، کے ساتھ ترجمۃ القرآن، ملا جلال، میر زاہد، عروض المفتاح، اور مسلم الثبوت'' وغیرہ پڑھیں۔ پھر ۱۳۶۲ھ ''جلالین، حمد اللہ، مقدمہ شیخ عبد الحق، شرح نخبۃ الفکر، سراجی'' پڑھ کر ۱۳۶۳ھ میں دورہ پڑھا، دورۂ حدیث میں بخاری، ابوداؤد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ سے اور بخاری جلد ثانی حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب سے جبکہ مسلم شریف حضرت مولانا منظور خان صاحب سے۔ ترمذی، شمائل ترمذی اور طحاوی حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحبؒ سے پڑھیں۔ اسی طرح ''نسائی، ابن ماجہ اور مؤطا امام مالک'' کے اسباق بحر العلوم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب خلیفہ ومجاز حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ سے حاصل کئے۔ قدرت نے آپ کو فطری طور پر شرافت ونجابت سے نوازا تھا۔ زمانۂ طالبعلمی ہی سے آپ صلاح وصلاحیت اور حلم وسنجیدگی کے اعتبار سے مشہور تھے، علمی انہماک اور مطالعہ میں یکسوئی کے اعتبار سے بھی آپ کا شمار ممتاز طلبہ میں تھا، آپ کے خصوصی رفقائے درس میں حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ اور مولانا محمد ثانی حسنی صاحب جیسے اصحاب علم وفضل شامل تھے۔

۱۳۶۴ھ میں ارباب مظاہر نے آپ کو سند فراغت وفضیلت مرحمت فرمائی، حدیث کی خصوصی سند حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب اسی طرح حضرت مولانا حیات صاحب سنبھلی قدس اللہ اسرارھما کی طرف سے بھی حاصل ہوئی، بعد ازاں جب آپ پاکستان تشریف لے گئے تو حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ اور حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہما اللہ نے سند حدیث اور سند افتاء مرحمت فرمائی، پھر مسند العصر حضرت شیخ یاسین بن عیسیٰ المکی الشافعی سے بھی آپ کو اجازتِ حدیث حاصل ہوئی۔

افاضۂ باطنی:

زمانۂ طالب علمی میں ہی اضافۂ باطنی کے لئے طبیعت میں شدید تقاضا پیدا ہوا، چنانچہ مرشد کے انتخاب کے وقت بے تابانہ نگاہ استاذ محترم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ پر پڑی، دل کا تقاضا اور شدید تقاضا تھا کہ فیوض باطنی کے لئے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے وابستگی ہو جائے، اس کے لئے حضرت شیخ کے سامنے حال دل کہہ سنایا، حضرت شیخ نے مسترشد کے اخلاص کو دیکھتے ہوئے با قاعدہ بیعت اصلاح لیکر اپنے مبارک سلسلے میں داخل فرمایا۔ اس طرح راہ سلوک کے تمام مراحل حضرت شیخ الحدیث کے سامنے طے ہوتے رہے، افاضۂ باطنی اور اصلاح نفس کا یہ تعلق حضرت شیخ الحدیث صاحب سے حضرت شیخ کی وفات تک رہا، حضرت شیخ الحدیث کی وفات کے بعد صاحب زادہ محترم حضرت مولانا طلحہ صاحب نے آپ کو اجازتِ بیعت اور خلافت سے نوازا۔

فراغت کے بعد:

فراغت کے بعد اساتذہ کے حکم پر''مدرسہ' آٹارولی' بٹالہ ضلع گورداس پور''میں چھ ماہ تک خدمات انجام دیں پھر مدرسہ اسلامیہ کٹھور ضلع میرٹھ تشریف لے آئے اور اپنے فیوض وبرکات سے اس علاقے کو سیراب کیا۔ ایک عرصہ تک یہاں خدمات انجام دینے کے بعد''مدرسہ حافظ لاسلام فیروز پور جھرکہ ضلع گوڑگاؤں''میں ایک سال تک تدریس میں مشغول رہے، بعد ازاں دعوت وتبلیغ کی مبارک محنت کے سلسلہ میں کم وبیش ڈھائی سال بنگلہ والی مسجد مرکز حضرت نظام الدینؒ دہلی میں قیام پذیر رہے، اس دوران مکمل جانفشانی اور جدوجہد کے ساتھ دعوت وتبلیغ میں سرگرم رہے، دعوت وتبلیغ اور اس راہ کے رہنماؤں کی صحبت سے آپ میں امت کی فکر، دین کی حفاظت کی تڑپ اور ملت کا درد شدت کے ساتھ پیدا ہوا، یہی وجہ تھی کہ آپ آخر عمر تک داعیانہ کردار کے حامل رہے حتیٰ کہ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی بیشتر تحریریں اسی جذبے کے تحت وجود میں آئیں تو یہ بات سو فیصد درست ہوگی، اس سے بہت کم لوگوں کو انکار کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

شعبان ۱۳۷۳ھ میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے مشورہ سے آپ کلکتہ تشریف لے گئے۔ وہاں ۱۳۷۸ھ تک قیام رہا، اس درمیان مختلف النوع دینی خدمت انجام دینے کے ساتھ کئی جدید مدارس بھی قائم فرمائے، ان مدارس کا دینی فیض دور تک پہونچا اور کئی علاقوں پر دینی اثرات کے عمدہ نقوش انہیں مدارس کے ذریعے قائم ہوسکے۔

۱۳۷۸ھ میں آپ حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے، حج سے واپس ہوئے تو''مدرسہ حیات العلوم مراد آباد''میں بحیثیت نائب ناظم اور مدرس علیا کے عہدہ کے لئے منتخب ہوئے یہاں رہتے ہوئے آپ نے بیضاوی شریف، مسلم شریف ابوداؤد شریف، طحاوی شریف، موطا امام مالک، اور موطا امام محمد وغیرہ کتب تفسیر وحدیث کے اسباق پڑھائے۔ اس مدرسے کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا حیات اللہ صاحب (جو خود صاحب علم اور صاحب نسبت بزرگ تھے) کو آپ پر بہت اعتماد تھا، دونوں کے مزاجوں میں مناسبت اور محبت تھی، اسی کے ساتھ ایک دوسرے کے تئیں عقیدت واحترام کے جذبات سے بھی دونوں حضرات معمور تھے، اس مدرسے میں آپ کے درس کو امتیازی حیثیت حاصل تھی اس لئے آپ ذمہ داران مدرسہ اور طلبہ سب کے نزدیک انتہائی محترم اور قابل قدر تھے۔

پاکستان میں:

شوال ۱۳۸۴ھ میں آپ پاکستان تشریف لے گئے یہاں آپکو مفتیٔ اعظم پاکستان''حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ''نے خصوصی طور پر بلایا تھا، چونکہ مفتی صاحب قدس سرہٗ نے''دار العلوم کراچی''کے لئے آپ کو دعوت دی تھی اس لئے''دار العلوم کراچی''میں آپ خدمتِ حدیث اور خدمتِ افتاء پر ما مور ہوئے۔ درس وتدریس اور افتاء کے محنت طلب اور جاں گسل مشغلے کے ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی آپ نے اپنا رابطہ رکھا، دار العلوم کراچی رہتے ہو ئے بیشمار مضامین اور نادر تحریریں آپ کے قلمِ گوہر بار سے نکلیں، ان میں سے بعض تحریریں فرق باطلہ کے رد میں تھیں جب کہ بیشتر مضامین اور تحریریں اصلاحی

وارشادی عنوانات کی حامل رہیں۔

مدینہ منورہ میں :

عرصہ سے یہ تمنا آپ کے دل میں موجزن تھی کہ کسی طرح سے جوار رسولؐ میسر ہوجائے۔رب نے آپ کی اس تمنااوردیرینہ آرزوکوقبول کیا، چنانچہ اسی ذات واحد نے مدینہ جانے کے اسباب بھی مہیا فرمائے ،آپ اللہ کے حکم اور انتظام سے مکمل عزت وحرمت کے ساتھ مدینہ منورہ میں فروکش ہوئے ۔صانع حقیقی کی کاری گری رب حکیم کی حکمت (جو ہر حال میں بندوں کے لئے مفید ہوتی ہے) کا ظہوراس طرح ہوا کہ مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفا وعظمۃ میں پہونچ کر اپنے استاذ محترم اور مرشد حضرت شیخ الحدیث کی صحبت میسر آ گئی ،اس درمیان حضرت شیخ الحدیث کے حکم سے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں،کم وبیش چھبیس سال آپ مدینہ منورہ میں مقیم رہکر اپنی گراں قدر تحریراور فتاوں سے امت کی رہنمائی کرتے رہے،آپ کے مدینہ منورہ کے قیام سے سب سے زیادہ فائدہ برصغیر ہندوپاک کے حجاج کرام کو ہوا کہ وہ وہاں پہونچ کر دینی مسائل کے حل کے سلسلے میں آپ ہی سے رجوع کرتے تھے۔

وفات:

علم وعمل کا یہ آفتاب ۱۳؍رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ ۲۸؍نومبر ۲۰۰۱ء میں غروب ہوگیا۔(اناللہ وانا الیہ راجعون) مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں آپ مدفون ہیں۔

علمی وتصنیفی کارنامے :

قدرت نے آپ کوتصنیف وتالیف کا بڑا ستھرا ذوق نصیب فرمایا تھا، چنانچہ آپ جہاں بھی رہے اور جس حال میں بھی رہے لکھنے اور لکھانے کا سلسلہ کبھی نہیں چھوڑا،کم وبیش ایک سوتیرہ چھوٹی بڑی کتابیں آپ نے لکھیں،انداز تحریرسادہ،سلیس اور جاذب تھا،طرزادا میں بلا کی دلکشی تھی،زیادہ ترفرقۂ باطلہ کی تردیداور اس سے کہیں زیادہ اصلاح وارشاد کے عنوان کے تحت کتابیں تحریرفرمائیں،بعض کتابیں عربی میں بھی تحریرفرمائیں آپ کی خاص خاص کتابوں کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) شرح معانی الآثار (۲) تبهیج الراوی بتخریج احادیث الطحاوی (۳) زاد الطالبین من کلام رسول رب العالمین (٤) الفوائد السنیه فی شرح الاربعین النوویه (۵) تفسیر سورۂ فاتحه (٦) القادیانیة ماهی؟ یہ کتاب آپ نے حضرت مفتیٔ اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے حکم پر عربی زبان میں تحریرفرمائی (مقصد عالم عرب کواس فتنے سے باخبرکرنا تھا)

(۷) التحفة المرضیة فی شرح المقدمة الجزریة (۸) امت مسلمہ کی مائیں (۹) صاحبزادیاں (۱۰) اسلام کے لئے صحابۂ کرام کی جانبازی (۱۱) تذکرۂ اصحاب صفہ (۱۲) آخرت کے فکرمندوں کے پچاس قصے (۱۳) چھ باتیں (۱۴) مسنون دعائیں (۱۵) خدا کا ذکر (۱۶) اکرام المسلمین (۱۷) اخلاص نیت (۱۸) شرعی پردہ (۱۹) ہماری مصیبتوں کے اسباب اوران کا علاج (۲۰) فضائل علم (۲۱) اسلامی آداب قرآن وسنت کی روشنی میں (۲۲) فضائل امت محمدیہ (۲۳) تحفۂ خواتین، کثرت سے شائع ہونے والی کتابوں میں سے ہے (۲۴) حالات جہنم (۲۵) احوال برزخ (۲۶) میدان حشر (۲۷) خدا کی جنت (۲۸) حقوق والدین (۲۹) انعام الباری فی شرح البخاری (۳۰) مجموعۂ وصایا امام اعظمؒ اور پھر آپ کی شاہکار تصنیف تفسیر انوارالبیان آپ کی تصنیف کردہ یہ وہ کتابیں ہیں جو آپ کی زندگی میں بہت کثرت سے شائع ہوئیں اورآج بھی بڑی تعداد میں شائع ہورہی ہیں۔

علامہ ماہر القادری:

بلندشہر کے صاحب علم حضرات میں ماہرالقادری برنی کا تذکرہ کئے بغیر یہ باب ناقص رہیگا،علامہ ماہرالقادری عظیم ادیب،مشہور سخنور،قادرالکلام شاعر،بہترین نثرنگاراردوزبان کے مزاج دان اوررسالہ ''فاران'' کے ایڈیٹر تھے۔

موصوف کی ولادت ''کیسر،ضلع بلندشہر'' میں ۱۹۰۷ء میں ہوئی،زندگی کا ایک طویل عرصہ حیدرآباد میں گذرا،کچھ دنوں اخبار ''مدینہ'' بجنور کے ادارۂ

تحریر میں رہے پھر بجنور سے دہلی منتقل ہو گئے اور جمعیۃ علماء ہند کے اخبار ''الجمعیۃ'' سے وابستہ رہے، دینی تحریک ودعوت سے لگاؤ تھا، اخیر میں مولانا مودودی صاحب سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے اپنے رسالہ ''فاران'' پر جماعت اسلامی اور اس کے افکار کی گہری چھاپ پڑ گئی تھی۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے، سیرت پر ان کی کتاب ''دریتیم'' ایک بہت ہی خوبصورت کتاب ہے، جس کو پڑھنے سے چمن زار افکار میں موسم بہار کی ہوائیں سرسرانے لگتی ہیں ،اس کے علاوہ ''کاروان حجاز، نقشِ توحید، نغماتِ ماہر، محسوساتِ ماہر، فردوس، ذکر جمیل، سنت یا بدعت'' آپ کی مشہور کتابیں ہیں، آپ کی نظم بعنوان ''قرآن کی فریاد'' نے بہت شہرت حاصل کی۔

موصوف ہندو پاک کے علاوہ یورپ، امریکہ، افریقہ، عرب، عراق اور دوسرے ملکوں میں بحیثیت شاعر مدعو کئے گئے، اور ہر جگہ شعروادب کے اعلیٰ نمونے پیش کئے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے خوش الحانی کی نعمت سے بھی بہرہ مند کیا تھا۔ جو مشاعروں میں ان کی مقبولیت کو چار چاند لگا دیتی تھی۔ آپ صف اول کے شاعروں میں سے تھے۔ ان کی شاعری کا اصل معیار ان کے قبول عام کا اصل راز تھا۔ مولانا ایک عمدہ تبصرہ نگار کی حیثیت سے بھی خوب جانے گئے، کیونکہ مصنفین کی تخلیقات پر تبصرہ کرنے میں آپ نے بڑی دیدہ ریزی اور دیانت سے کام لیا تھا۔ ان سب کے علاوہ وہ ایک مخلص مسلمان اور عاشق رسول اور پرجوش حامیٔ دین تھے۔

۱۹۷۸ء میں جدہ میں ایک مشاعرہ میں تشریف لے گئے تھے، وہاں کسی شاعر کی زبانی اسلامی اقدار کا مذاق اڑانے والا ایک شعر کہا گیا جس پر ان کی دینی محبت اور غیرت کو جوش آیا۔ اسٹیج ہی پر اس شعر کے خلاف کلمۂ احتجاج بلند کرنے لگے اسی درمیان ان کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ۱۹۷۸ء جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ھ میں جدہ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب برنی نور اللہ مرقدہ:

نام و نسب اور ولادت :

اصل نام مشتاق احمد، والد کا نام حکیم بشیر احمد صاحب، ساکن املیا، ضلع بلندشہر، یوپی، ولادت: ۱۴/ربیع الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۲۷ء بروز دو شنبہ۔

آغاز تعلیم:

آپ کی تربیت اپنے آبائی گاؤں میں ہوئی، اور ہوشیار ہونے کے بعد نورانی قاعدہ سے آپ کی تعلیم کا آغاز ''املیا'' ہی میں ہوا، اس کے بعد تقریباً آٹھ سال کی عمر میں جون ۱۹۳۵ء کو آپ اپنے والدین کے ہمراہ ''جبل پور، مدھیہ پردیش'' تشریف لے گئے اور جاتے ہی درجہ ۳/ میں داخل ہو گئے اور اول نمبر سے پاس ہوئے، اس کے بعد درجہ چار پاس کیا۔

والد محترم آپ کو انگریزی تعلیم دلانا چاہتے تھے لیکن والدہ محترمہ کا اصرار اور آپ کا طبعی ذوق قرآن کریم حفظ کرنے کا تھا چنانچہ والد محترم نے آپ کے طبعی ذوق اور والدہ محترمہ کے اصرار کی رعایت کرتے ہوئے آپ کو حفظ کرانا شروع کرا دیا۔

جبل پور سے بلندشہر منتقلی:

پونے تیرہ پارہ جبل پور میں حفظ کرنے کے بعد آپ بلندشہر منتقل ہو گئے اور بقیہ قرآن حافظ عبدالرحمٰن صاحب کی خدمت میں رہ کر مکمل کیا۔ ۱۹۳۹ء بارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی۔

عربی وفارسی کی تعلیم کا آغاز :

حفظ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد آپ نے ''مدرسہ قاسمیہ، کالی مسجد، بلندشہر'' میں داخلہ لیا اور جناب مولانا حشمت علی صاحب سے فارسی کی تعلیم شروع کی اور مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف تک تمام ہی کتابیں آپنے مولانا سے پڑھیں اور اعلیٰ نمبرات حاصل کئے، آپ کا قیام مدرسہ قاسمیہ بلندشہر میں

۱۹۴۶ء تک رہا۔

دارالعلوم دیو بند میں داخلہ اور فراغت :

۱۹۴۶ء ہی میں ۲۰ ؍شوال ۱۳۶۵ھ کو آپ نے دارالعلوم میں داخلہ لیا، اور دوبارہ ''مشکوٰۃ شریف، ملاحسن، میبذی اورشرح عقائد'' وغیرہ کتب اور تجوید حفص کا کورس مکمل کیا اور اس کے بعد آئندہ سال ملک تقسیم ہوگیا اور راستوں کے مخدوش ہونے کی وجہ سے تین ماہ گھر پر ہی قیام رہا اور ۲۷ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ کو پھر دارالعلوم پہونچے، جس کی وجہ سے دورۂ حدیث کی اہم مباحث چھوٹ گئیں جس کی وجہ سے اساتذۂ کرام کے مشورہ سے دورۂ حدیث کے بجائے ''حماسہ، ہدایہ آخرین، بیضاوی شریف سورۂ بقرہ'' اسباق تجویز ہوئے اور قرأت سبعہ کا نصاب مکمل کیا پھر اس کے بعد شوال ۱۳۶۷ھ تا شعبان ۱۳۶۷ھ آپ نے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ ساتھ ہی قرأت سبعہ قرآن کریم کا اجراء مکمل کیا اور دورۂ حدیث کے بعد ایک سال طب کی کتابیں پڑھیں اور اس کے ساتھ ہی ''دیوان متنبّی، حسامی اور قرأت عشرہ'' پڑھی۔

خصوصی اساتذۂ کرام:

دارالعلوم میں رہ کر علوم نبوت کے جن درخشندہ ستاروں سے آپ نے اکتساب فیض کیا، ان میں سرفہرست شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی ہے اور دوسری عظیم شخصیت شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ کی ذات گرامی ہے ۔اس کے علاوہ مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ، مولانا بشیر احمد خان صاحب بلندشہریؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ، مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندیؒ، مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ، مولانا شریف احمد صاحبؒ، مولانا عبد الخالق صاحب ملتانیؒ مولانا معراج الحق صاحب صدیقی دیوبندیؒ، میاں جی اختر حسین صاحبؒ، حکیم محمد عمر صاحبؒ بھی آپ کے اساتذۂ کرام میں سے ہیں۔

خصوصی رفقائے درس:

آپ کے رفقائے درس میں سب سے اہم شخصیت ''امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ '' صدر جمعیۃ علمائے ہند کی ذات گرامی ہے، اس کے علاوہ ''حضرت مولانا ناظر حسین صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ خادم الاسلام ہاپوڑ ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مہتمم جامعہ عربیہ اشرف العلوم رشیدی، گنگوہ، ضلع سہارنپور، محدث جلیل حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی استاذ تخصص فی الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، مولانا محمد عثمان غنی صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم قدیم سہارنپور، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بستوی مقیم حال مدینہ منورہ'' جیسی نابغۂ روزگار شخصیات آپ کے درس میں شامل تھیں۔

درس وتدریس کا آغاز :

فراغت کے بعد چار ماہ کا وقت آپ نے تبلیغی جماعت میں لگایا، اس کے بعد اکابرین دارالعلوم کے مشورہ سے حضرت مولانا سید حمید الدین صاحبؒ کی طلب پر ''مدرسہ منبع العلوم جامع مسجد گلاؤٹھی ضلع بلندشہر'' میں عربی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوگیا اور ڈیڑھ سال تک مختلف علوم وفنون کی کتب آپ کے زیر تدریس رہیں۔ ''مدرسہ منبع العلوم'' میں آپ کا قیام ۳۰ ؍شوال ۱۳۷۱ھ تک رہا۔

جامعہ اسلامیہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں تقرر:

یکم ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۴ ؍جولائی ۱۹۵۲ء کو آپ خادم الاسلام تشریف لے آئے آپ روز اول ہی سے جامعہ کے کامیاب مدرس، ناظم تعلیمات اور صدر المدرسین رہے ۱۹۷۶ء میں جب آپ کے جامعہ میں دورۂ حدیث کا آغاز ہوا تو آپ ہی کو شیخ الحدیث منتخب کیا گیا اور بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق کیا گیا۔ عرصۂ دراز تک آپ بخاری شریف کی دونوں جلدوں کا درس دیتے رہے اخیر عمر میں بوجہ علالت طبع بخاری جلد ثانی کا درس مولانا

قاری اصغر صاحب سے متعلق کیا گیا اور زندگی کے آخری لمحات میں قاری محمد اصغر صاحب ہی دونوں جلدیں پڑھانے لگے، قاری صاحب کے دور میں ''جا معہ خادم الاسلام ہاپوڑ'' کو تعلیمی و تعمیری ہمہ جہت ترقی حاصل ہوئی۔

مہتمم جامعہ مولانا ناظر حسین صاحب اور قاری صاحب دونوں ہی بزرگ یکجان و دو قالب ہو کر جامعہ کی ترقی کے واسطے برابر کوشاں رہے۔ آپ مالیہ کی فراہمی اور جامعہ کے تعارف کے لئے ملک کے طول و عرض میں کثرت سے اسفار فرماتے، پاکستان، برطانیہ اور ریاض کے دعوتی اسفار بھی فرمائے ،آپ کے ممتاز تلامذہ کی طویل فہرست ہے جس کو صفحہ قرطاس پر لانا دشوار اور باعث طوالت ہے، آپ کے تلامذہ ممتاز عربی درس گاہوں میں دین متین کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں جو بلا شبہ آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہے، آپ نے اپنی حیات مستعار کی نصف صدی جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی خدمت درس وتدریس، دعوت و تبلیغ، وعظ و نصیحت میں صرف فرمادی۔ آپ کو آپ کے معاصر ''مجسمۂ جلسہ'' کہا کرتے تھے، آپ کا حافظہ کمال کا تھا، درسی و غیر درسی کتا بوں پر آپ کو عبور تھا۔ قرآن کریم سے آپ کو خصوصی تعلق اور شغف تھا، روزانہ بلا ناغہ قرآن کریم کی تلاوت کے عادی تھے، آپ بہت اچھے شاعر تھے، فی البدیہہ اشعار کہنے میں آپ کو کمال حاصل تھا، تاریخ ولادت، اور تاریخ وفات کو اشعار میں نظم کرنے میں آپ کو خصوصی درک حاصل تھا۔ ع

خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

ملی اور سماجی خدمات :

(۱) آپ متعدد دینی درسگاہوں اور مدارس دینیہ کے سرپرست اور رکن شوریٰ تھے۔

(۲) صد سالہ اجلاس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں حالات ناگفتہ بہ ہوئے جس کے نتیجہ میں ''مؤتمر ابنائے دارالعلوم دیوبند'' کا قیام عمل میں آیا ،آپ کو اس مؤتمر کا نائب صدر منتخب کیا گیا۔

(۳) ۱۹۶۳ء میں مولانا ناظر حسین صاحب نے مظلوم و ستم رسیدہ عورتوں کی ''گلوخلاصی'' کے لئے عدالت شرعیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم فر مایا۔ پھر ۱۹۶۵ء میں جمعیۃ علمائے ہند کی ہدایت پر اس ادارہ کا نام ''شرعی پنچایت'' پھر ۱۹۸۶ء میں ''امارت شرعیہ ہند'' کے قیام کے بعد اس ادارہ کا نام ''محکمۂ شرعیہ'' تجویز ہوا، آپ اس ادارہ کے روز اول سے رکن رکین رہے پھر ۱۹۷۵ء میں مولانا حسن صاحب چاندپوری سابق استاذ جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے بعد آپ کو شرعی پنچایت کا قاضی منتخب کیا گیا، آپ ہی تمام مقدمات کے فیصلے فرمایا کرتے تھے، زندگی کے آخری لمحات تک آپ اس ادارہ سے وابستہ رہے۔

(۴) بابری مسجد کی شہادت کے بعد قاری صاحب کو ''جمعیۃ علمائے شہر ہاپوڑ'' کا صدر منتخب کیا گیا، آپ کے دور صدارت میں جمعیۃ علماء کو حیرت انگیز ترقی ہوئی، آپ ہی کے دور صدارت میں جمعیۃ کا ''دارالشفاء'' قائم ہوا، جو آج ''مدنی دارالشفاء'' کے نام سے باشندگان ہاپوڑ کی بلا امتیاز مذہب و ملت بے لوث خدمت میں مصروف ہے۔

اس کے علاوہ ''مسلم فنڈ ہاپوڑ'' اور ''جامع مسجد شہر ہاپوڑ'' کی تعمیر و توسیع میں آپ کی نمایاں خدمات ہیں۔ الغرض خدا تعالیٰ نے آپ کو بے شما ر صفات حمیدہ اور خوبیوں کا حامل بنایا تھا۔

علالت اور وفات:

آپ کو سب سے پہلے ۱۹۹۱ء میں دل کا دورہ پڑا اور ''بترا اسپتال دہلی'' میں آپ کا علاج کرایا گیا، آپ ماشاء اللہ صحت یاب ہو گئے۔ پھر ریاض کا سفر بھی کیا اور ریاض پہونچ کر آپ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی، آپ واپس آگئے پھر وقفہ وقفہ سے آپ صحت یاب اور بیمار ہوتے رہے، صحت یابی کے زمانے میں آپ مدرسہ کی ذمہ داری معمول کے مطابق انجام دیتے رہے، آخری مرتبہ آپ تقریباً پونے دو سال بیمار رہے اور آپ صحت یاب نہ ہو سکے ، بالآخر ملک الموت صبح صادق سے قبل تہجد کے وقت ۸ر شوال ۱۴۲۱ھ میں آپ کے پاس پہونچ ہی گیا اور آپ کی روح کو قفس عنصری سے نکال کر چلا گیا۔(

انا للہ وانا الیہ راجعون)

صبح ہوتے ہی مشتاقان زیارت جوق در جوق آنے لگے چند ہی گھنٹوں میں پورا شہر اور اطراف وجوانب کے لوگ قاری صاحب کے مکان پر اور جا
معہ کے اندر جمع ہو گئے، نماز جنازہ بعد ظہر جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی جدید عمارت کے وسیع صحن میں حضرت قاری صاحب کے رفیق درس امیر الہند فدا
ئے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہٗ نے پڑھائی۔آپ کی نماز میں مولانا سید ارشد مدنی ناظم تعلیمات دارالعلوم دیو بند، مولانا بلال اصغر صاحب استاذ
دارالعلوم دیو بند، مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی استاذ دارالعلوم دیو بند، مولانا مفتی محمود حسن صاحب استاذ دارالعلوم دیو بند، مولانا محمد یعقوب صاحب مرکز
نظام الدین کے علاوہ علاقہ کے مدارس کے ذمہ داران اور ہزاروں کی تعداد میں عامۃ المسلمین
موجود تھے، نماز جنازہ کے بعد آپ کے جسد خاکی کو جامعہ کے قریبی قبرستان محلّہ کریم پورہ، بلند شہر روڈ لے جایا گیا اور وہاں آپ کی تدفین عمل میں آئی اور
ہمیشہ کے لئے آسودہ خواب ہو گئے۔

پسماندگان:

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، تین صاحب زادگان، محمد سالم، قاری محمد عاصم محمد غانم اور صاحبزادیاں، نواسے، نواسیاں پوتے، پوتیاں ہیں
۔ثانی الذکر صاحبزادے
جامعہ میں استاذ ہیں اور جامع مسجد شہر ہاپوڑ کے امام ہیں، ماشاء اللہ خوش اخلاق اور باوضع آدمی ہیں۔آپ اپنے والد کے نقش کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔خدا
ئے تعالیٰ سبھی کو صبر جمیل عطا
فرمائے اور قاری صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے (آمین)

(ماخوز: از ذکر رفتگاں، ص: ۴۵۵)

صاحب سوانح

حضرت مولانا شیخ نصیر احمد خان صاحب :

ولادت:

۲۱ / ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۲ / دسمبر ۱۹۱۸ء کو آپ کی پیدائش ہوئی۔

ماحول:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کے بچپن میں آپ کی بستی اور اطراف کی دیگر بستیوں کا ماحول کافی پراگندہ تھا، دینی بیزاری، بے راہ روی، اور عیش پسندی کا عمومی رجحان تھا، ان بستیوں میں رہنے والے زیادہ تر متمول اور خوشحال تھے، اس تمول اور خوشحالی نے ان کو زمیندارانہ ٹھاٹھ باٹھ اور رئیسانہ شان وشوکت رکھنے والی زندگی گذارنے کا عادی بنادیا تھا۔

حضرتؒ نے خود ایک بار ارشاد فرمایا تھا کہ "زمینداری اور اور تمول نے ہماری بستی والوں کو عیش پسند بنادیا تھا، اور وہ بھی اس طرح کہ بے شمار افراد شراب وکباب کے عادی تھے، اور گھمنڈ تو گویا کہ ان کی گھٹی میں پڑ گیا تھا" آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ آئے دن جگہ جگہ مجرے منعقد ہوتے، گھروں میں ناچنے گانے والیاں بلائی جاتیں، رات میں کسی ضرورت سے گھر سے باہر جانے کا اتفاق ہوتا تو کئی گھروں سے رقاصاؤں اور مغنیات کے گانے کی آوازیں آتیں"۔

عیش ونشاط اور تاریکی کے اس ماحول میں کئی گھرانے دین کے روحانی وحیات بخش ماحول کو مضبوطی سے اپنائے ہوئے تھے، یہ گھرانے دینی اصول وضوابط پر سختی سے عامل ہونے کے ساتھ ساتھ بزرگوں سے بھی عقیدت ومحبت رکھتے تھے، حضرت والا کا گھرانہ بھی انہیں میں سے ایک تھا۔

خاندانی احوال:

حضرت شیخ نصیر احمد خانصاحب قدس سرہٗ کا خانوادہ ہمیشہ علماء اور صلحاء کا اور بزرگوں کا قدردان اور گرویدہ رہا ہے، حضرت والا قدس سرہٗ کے والد محترم کا اکابر علماء اور اہل اللہ کو اپنے یہاں کثرت سے بلانے کا معمول رہا ہے، آپ حضراتِ علماء اور بزرگوں کو اپنے یہاں کئی کئی دن تک ٹھہراتے اور ان کی میزبانی اور خدمت کے فرائض بڑے شوق سے انجام دیتے۔ حضرت شیخ کے والد صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے بیعت تھے۔ اسی طرح حضرت شیخ کی والدہ بھی حضرت سہارنپوری سے بیعت تھیں۔

حضرت شیخ کے والدمحترم اور ان کا تقویٰ:

حضرت کے والدمحترم کا اسم گرامی حافظ "عبدالشکور خان ابن حقداد خان" ہے۔ حافظ عبدالشکور خان صاحب صاحبِ ورع وتقویٰ اور کریم النفس انسان تھے، اللہ اور اس کے رسول اور شریعت مصطفویہ سے سچی محبت کرنے والے انسان تھے، تقویٰ وطہارت میں ممتاز اور اخلاق عالیہ سے متصف تھے، مخلص مومن اور صاحب امانت ودیانت تھے، چنانچہ آپ ہمیشہ حرام مال سے ہی نہیں، مشتبہات سے بھی بچتے تھے اور پوری زندگی اسی معمول پر عمل پیرا رہے۔ پوری زندگی مکمل احتیاط کے ساتھ گذاری، نقصان برداشت کیا مگر حرام کے قریب کبھی نہیں پھٹکے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ نے جب ترکِ موالات کا فتویٰ دیا، جس میں انہوں نے حکومت برطانیہ کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کو حرام قرار دیا تھا تو والد محترم نے اسی وقت انگریزی حکومت وملازمت سے استعفیٰ دیدیا؛ حالانکہ اس وقت آپ کے والد محترم انگریزی فوجی عہدے (رسالدار) پر فائز تھے، بڑی تنخواہ ملتی تھی اور عمدہ کارکردگی کے باعث بڑے افسران کی نگاہوں میں بھی مقبول تھے، اسی لئے جب آپ نے استعفیٰ دیدیا تو انگریز افسران نے آپ کو بہت سمجھایا اور استعفیٰ واپس لینے پر اصرار کیا لیکن آپ نے اتنی ہی شدت سے انکار کیا اور گھر آکر کاشتکاری میں مشغول ہو گئے، حکم شرعی پر عمل کرنے کی یہ انوکھی مثال تھی جو آپ کے والد محترم نے قائم کی، درحقیقت آپ کے دل میں اس طرح کا دینی جذبہ، آپ کے قلب میں

موجزن مضبوط ایمان و یقین اور رب ذوالجلال پر کامل توکل و اعتماد کا اثر تھا جو آپ کو اولیاء اللہ اور علمائے کرام سے سچی محبت و تعلق اور ان سے خصوصی استفادہ کی بنیاد پر حاصل تھا، اس کا ثمرہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس شکل میں عطا فرمایا کہ عالم اسلام کی عظیم درسگاہ کے شیخ الحدیث، فخر المحدثین، صدر الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کو آپ کے مبارک صلب سے وجود بخشا

والد محترم کے سایہ سے محرومی:

آپ کے عظیم والد محترم جناب حافظ عبدالشکور صاحب ۲۷؍رمضان ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء کو دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ کر گئے، والد محترم کی وفات کے وقت حضرت شیخ الحدیث کی عمر صرف چار سال تھی۔ حضرت شیخ الحدیث خود فرماتے تھے کہ ''میاں صاحب (والد صاحب) کے انتقال کے وقت میں اتنا چھوٹا تھا کہ بڑے بھائی صاحب نے گود میں لیکر زیارت کرائی''

والد محترم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد گھر کی تمام تر ذمہ داریاں حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب نے نبھائیں، مولانا بشیر احمد خان صاحب بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، دوسرے نمبر پر حافظ عبدالکریم صاحب تھے، تیسرے اور سب سے چھوٹے صاحبِ سوانح حضرت مولانا قدس سرہٗ تھے۔

حضرت کی والدۂ محترمہ:

حضرت کی والدۂ محترمہ کا اسم گرامی ''نور بی بی'' ہے انتہائی نیک اور پارسا خاتون تھیں، صوم وصلوٰۃ کی پابندی میں اپنی مثال آپ تھیں، مشکوٰۃ تک کی ضروری درسیات پڑھی ہوئی تھیں، ان کا ایک قابل رشک اور مقبول عمل یہ جاری تھا کہ وہ اپنے گھر پر محلہ کی بچیوں کو قرآن پاک ''تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور'' پڑھاتی تھیں، قرآن تو گویا ان کو ازبر تھا، قرآن سے شغف کا یہ عالم تھا کہ تلاوت کا معمول ناغہ نہ ہوتا

حضرت شیخ الحدیث سے حضرت والا کی والدہ محترمہ کے احوال قاری صاحب مدظلہٗ اپنی یادداشات میں یوں نقل فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ الحدیث کی والدہ محترمہ انتہائی نیک اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں اگرچہ آپ حافظہ نہیں تھیں مگر قرآن پاک اتنا یاد تھا کہ اگر بچیاں پڑھنے میں غلطی کرتیں تو فوراً ان کو لقمہ دیتیں اور اصلاح فرماتیں، قرآن پاک کی تلاوت سے آپ کی والدہ محترمہ کو انتہائی شغف تھا، چنانچہ پڑھانے کے علاوہ خود بھی کثرت سے تلاوت کرتی تھیں''

(قلمی یادداشت بعنوان احوال صفحہ ۱ از قاری صاحب مدظلہٗ)

والدہ محترمہ کا انتقال ۱۴؍رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ مطابق ۸؍نومبر بروز سہ شنبہ ۱۹۳۸ء بوقت صبح ہوا۔

دوسرا باب

تعلیم و تربیت

حضرت والا چار سال کی عمر میں والد محترم کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے اس لئے آپ کی تعلیم و تربیت کی مکمل ذمہ داری آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ کے ذمہ آئی، مولانا بشیر احمد خان صاحب نے حضرت مولانا کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی، مولانا بشیر احمد خان صاحب چونکہ اس وقت ''مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلند شہر'' میں مدرس تھے اور ان کی رہائش بھی وہیں تھی، اس لئے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کو اپنے ساتھ گلاؤٹھی لے آئے، یہاں سب سے پہلے حفظ قرآن کے لئے مدرسہ منبع العلوم کے شعبۂ تحفیظ القرآن میں حضرت مولانا قاری بہادر علی صاحب کے پاس داخل کرایا، مولانا قاری بہادر خان صاحب عمدہ استاذِ حفظ ہونے کے ساتھ ساتھ خوش کردار مربی بھی تھے چنانچہ بہت قلیل عرصہ میں آپ نے مکمل قرآن کریم حفظ کر لیا۔

قاری بہادر خان صاحب:

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ آپ کے حفظ قرآن کے استاذ مولانا قاری بہادر خان صاحب کے نام سے معروف تھے۔ ''بہادر خان صاحب'' موصوف کا اصلی نام نہیں تھا بلکہ آپ کا اصلی نام ''عبد الکریم'' تھا مگر چونکہ قاری صاحب مرحوم انتہائی بہادر، طاقتور اور قوی الجثہ تھے اس لئے بہادر خان کے نام سے مشہور ہو گئے، ان کی یہ بہادری اور قوت زمانۂ پیری میں بھی اسی طرح قائم تھی جس طرح جوانی میں۔

''بگنذر'' اور لاٹھی چلانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، کئی کئی دھڑی کے بگنذر گھماتے تھے، ہمیشہ ہاتھ میں لاٹھی رکھتے تھے، ضلع بلند شہر کے ایک موضع ''سیٹھا رسول پور'' کے رہنے والے تھے، قاری صاحب کی شخصیت میں رعب، وقار اور سنجیدگی بہت تھی، کثیر الفیض ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق اور تقویٰ شعار بھی تھے، بے شمار لوگوں نے آپ سے قرآن کریم حفظ کیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ مرحوم قاری صاحب موصوف کا کثرت سے ذکر فرماتے تھے، جس میں قاری صاحب مرحوم کے طریقۂ تعلیم کی خوبی، ان کی خوش اخلاقی و بہادری اور ان کی بے مثال عمدہ تربیت کا ذکر ضرور کرتے تھے، قاری صاحب موصوف کی خدمات تا حیات مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں جاری رہیں، قاری صاحب کا ایک خصوصی وصف اور ان کی ممتاز عادت یہ تھی کہ وہ اپنے پاس پڑھنے والے طلبہ کی تربیتِ اخلاق پر خاص توجہ دیدیتے تھے، اس وصف نے ان کو اپنے ہم عصر اساتذہ کے درمیان ممتاز و منفرد بنا دیا تھا۔

حفظ سے فراغت کے بعد:

حفظ قرآن سے فارغ ہونے کے بعد عصری تعلیم کے لئے گلاؤٹھی کے ایک اسکول میں داخل ہوئے، اس زمانے میں طلبۂ دین کو بھی بقدر ضرورت عصری تعلیم دینے کا ماحول تھا اس لئے حضرت والا نے بھی اسکول میں باضابطہ داخلہ کے ساتھ پرائمری پاس کیا، اس سلسلۂ تعلیم میں آپ کے اساتذہ کی تعداد

تین رہی، ''منشی صدیق علی صاحبؒ، شفیق اللہ صاحبؒ، اور ماسٹر رام چندر جی'' آخر الذکر جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہے غیر مسلم تھے مگر انتہائی ہمدرد، شفیق اور جذبات محبت سے معمور شخص تھے۔

ایک موقع پر آپ نے خود فرمایا کہ: ہمارے پرائمری کے تین استاذ تھے، ایک استاذ ہندو تھے جن کا نام رام چندر جی تھا، دوسرے منشی صدیق علی صاحب اور تیسرے شفیق اللہ صاحب تھے۔

مولانا موصوف نے اسی سلسلۂ کلام میں یہ بھی فرمایا کہ بے چارے یہ تینوں اساتذہ بڑے مشفق اور محنتی تھے، ہم سے بڑی محبت فرماتے تھے میں جب بھی دیوبند سے گلاؤٹھی جاتا اپنے ان اساتذہ سے ضرور ملاقات کرتا تھا، یہ حضرات میرے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا معاملہ فرماتے تھے، خاص طور پر ماسٹر رام چندر جی تو بہت ہی محبت سے پیش آتے، خیریت معلوم کرتے۔ سفر اور دیوبند کے حالات معلوم کرتے، اسی موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ'' پہلے کے ہندو اساتذہ میں تعصب نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ مسلمان بچوں سے اولاد کی طرح محبت کرتے تھے، یہی حال مسلمان اساتذہ کا ہندو بچوں کے ساتھ تھا، یہ لوگ قوم کے نونہالوں پر اولاد کی طرح توجہ رکھتے تھے''۔

فرمایا کہ اسی کا اثر تھا کہ اس وقت اسکولوں میں ہندو بچوں کو مسلم بچوں کی طرح کلمے، نماز وغیرہ یاد ہوتے تھے۔

فارسی کی تعلیم اور اس کے اساتذہ:

اسی دوران مولانا نے فارسی تعلیم کا بھی آغاز کیا، فارسی میں آپ کے استاذِ محترم حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب قدس سرہ تھے، مولانا ایک جید الاستعداد عالم تھے، دارالعلوم کے فارغ التحصیل تھے، اور انتہائی قابل اور صلاحیت مند انسان تھے، خاص طور پر فارسی میں ان کی مہارت مسلم تھی، مولانا مشتاق صاحب ''گیسوپور، ضلع بلند شہر'' کے رہنے والے تھے انہوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ ''مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی'' میں تدریس کے فرائض انجام دیتے ہوئے گذارا، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ نے ان کے تعلق سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ:

''مولانا مشتاق صاحب کو فارسی زبان میں مہارت تھی، بڑے اچھے اور آسان انداز میں کتاب کو حل کراتے تھے اور ذہن نشین کراتے تھے''

حضرت شیخ الحدیثؒ نے درس نظامی کی کتابوں میں فارسی کی معدودے چند کتابیں مولانا مشتاق صاحب سے پڑھیں، باقی کتابیں اکثر و بیشتر اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب سے پڑھی ہیں، بلکہ گلاؤٹھی کے زمانۂ تعلیم میں تو تمام کتب درسیہ حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب سے پڑھیں، حضرت شیخ الحدیثؒ خود فرماتے تھے کہ اگرچہ مدرسہ منبع العلوم میں کئی اساتذہ ایسے تھے جو علوم وفنون میں ماہر تسلیم کئے جاتے تھے مگر بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خان صاحب میرا سبق دوسرے اساتذہ کے پاس جانے نہیں دیتے تھے، خود ہی پڑھاتے تھے۔

آپ کی طویل المیعاد تعلیم گاہ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی:

حضرت شیخ الحدیث نے اخیر کے چند سالوں کو چھوڑ کر مکمل تعلیم ''مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی'' میں رہ کر حاصل کی، اسی طرح آپ کے اہم استاذ اور مربی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب نے بھی اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، یہ مدرسہ ملک کے گنے چنے مدارس میں سے ایک تھا جس کے افق سے بہت سے درخشندہ ستارے طلوع ہوئے۔ اس مناسبت سے مدرسہ منبع العلوم اور اس کے چنندہ فیض یافتگان کا ضروری تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ہندوستان کے ان مدارس میں سے ایک ہے جو دارالعلوم دیوبند کے معنی خیز اور بابرکت وجود کے چند ہی روز کے بعد قائم ہوا، اس مدرسہ کا قیام اور اس جیسے دیگر کئی مدارس کا قیام دارالعلوم دیوبند ہی کے نقش قدم پر عمل میں آیا۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ:

''تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں جب دارالعلوم قائم ہوا تو اس وقت ہندوستان میں مدارس کا سابقہ نظام تقریباً ختم ہو چکا تھا، کہیں کہیں خزاں رسیدہ کچھ مدارس اگر باقی بھی تھے تو وہ صرف مقامی حیثیت رکھتے تھے ان میں سے کسی کو بھی مرکزی حیثیت حاصل نہ تھی، اس سے قبل اسلامی حکومت نے عوام کو اس سے بے نیاز کر دیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے سروں پر اٹھائیں، مگر اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ آئندہ نسلوں کے لئے کس

طرح تعلیم کا نظام کیا جائے، علاوہ ازیں اس زمانے میں جن کو دینی مدارس سمجھا جاتا تھا ان میں علوم معقولہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، حدیث وتفسیر وغیرہ کی تعلیم کا بہت ہی کم رواج تھا، اس کے برعکس دار العلوم کا قیام ولی اللّٰہی طرز فکر پر عمل میں آیا تھا، اس لئے یہاں علوم معقولہ کے بجائے زیادہ اہمیت علوم منقولہ تفسیر وحدیث وفقہ کو دی گئی تھی، آگے چل کر برصغیر میں جتنے بھی مدارس قائم ہوئے ان میں بھی کم وبیش اسی طریقے کو پسند کیا گیا، چنانچہ قیام دار العلوم کے تقریباً چھ ماہ بعد سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم قائم ہوا تو اس میں بھی وہی نصاب جاری کیا گیا جو دار العلوم میں تھا پھر رفتہ رفتہ دار العلوم کے نقش قدم پر مختلف مقامات میں دینی مدارس جاری ہو گئے'' (ج:۱ص ۴۶۵)

تاریخ دار العلوم کے اسی صفحہ پر جاری ہونے والے مدارس کی تفصیل ونوعیت بھی روداد دار العلوم کی روشنی میں اس طرح سے آ گئی ہے، ملاحظہ ہو:

''ہم کمال خوشی سے یہ بات ظاہر کرتے ہیں اور منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس سال مقامات میرٹھ، گلاؤٹھی، دان پور وغیرہ میں مدارس اسلامی جدید جاری ہوئے ہیں، اور ان کا تعلق کم وبیش اسی مدرسہ سے ہوا (ایضاً ج: ۴۶۵)

دار العلوم کے نقش قدم پر قائم ہونے والے اور قیام دار العلوم کے چند ہی روز بعد جاری ہونے والے مدارس میں سے گلاؤٹھی کا مدرسہ بھی تھا، یہ مدرسہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے حسب ہدایت قائم ہوا تھا، اور حضرت ہی کے ایک مرید باصفا منشی مہربان علی نے اپنی اعلیٰ ہمتی سے کام لیکر اس کی بنیاد ڈالی، چنانچہ تاریخ دار العلوم میں اس مدرسے کے تعلق سے تحریر ہے:

''قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں جناب ''منشی سید مہربان علی صاحب'' رئیس نے حسب ہدایت حضرت نانوتویؒ یہ مدرسہ جاری فرمایا اور اپنی اعلیٰ ہمتی سے اس کے استحکام اور قیام کی عمدہ تدبیر تجویز فرمائی، بارك اللّٰه بالفضل اس مدرسہ میں دو مدرس ہیں اور حسن اتفاق سے دونوں کا نام مولوی عبد اللہ ہے اور دونوں تعلیم یافتہ مدرسہ دیوبند کے ہیں اور ماشاء اللہ دونوں فاضل ہیں، یاالٰہی اس مدرسے کو قیام بخش اور مسلمانوں کو توفیق دے کہ اس سے نفع اٹھائیں اور اس کے بانی کو خیر وبرکت سے معمور فرما!'' (تاریخ دار العلوم ج:۱ص ۴۶۹)

مذکورہ بالا تحریر سے معلوم ہوا کہ اس مدرسے کے بانی درحقیقت حضرت نانوتویؒ ہیں کیونکہ آپ ہی کے حسب ہدایت آپ کے مسترشد کے ذریعہ یہ مدرسہ وجود میں آیا۔

۱۲۸۷ھ مطابق ۱۸۷۰ء میں یہ مدرسہ ابتداءً ''منشی صاحب'' کے محل میں جاری ہوا بعد میں جب جامع مسجد اور مدرسہ کی عمارت مکمل ہوگئی تو اس میں منتقل کر دیا گیا۔ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب انصاری سب سے پہلے اس کے مدرس تھے۔

منبع العلوم کے افق سے علم وفضل کے متعدد درخشندہ ستارے طلوع ہوئے، جن میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت شیخ الہند کی تحریک کے اہم رکن حضرت مولانا منصور انصاری، حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری، حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحب، حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب نائب مہتمم دار العلوم اور اخیر میں ہمارے ممدوح حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً شامل ہیں۔

منبع العلوم سے فیض حاصل کرنے والے اساطین علم وفضل کا مختصر تعارف

حافظ محمد احمد صاحبؒ:

حافظ صاحبؒ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے فرزند رشید تھے ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد والد ماجد نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ''مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی'' بھیجا، اس وقت مولانا عبد اللہ صاحب انبیٹھوی اس مدرسے میں مدرس تھے، درس نظامی کی ابتدائی اور اہم کتابیں انہیں سے پڑھیں، بعد ازاں مزید تعلیم کے لئے مرادآباد کے مدرسہ شاہی میں بھیجے گئے، یہاں حضرت نانوتویؒ کے شاگرد رشید ''مولانا احمد حسن امروہوی'' پڑھاتے تھے، ان سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھنے کے بعد دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند کے سامنے زانوئے تلمذ

تہہ کیا، دورۂ حدیث گنگوہ میں حضرت امام ربانی کے حلقۂ درس میں پورا کیا۔

۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں بحیثیت مدرس دار العلوم میں تقرر ہوا اور مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں دار العلوم کے منصب اہتمام پر فائز ہوئے۔ آپ کامیاب منتظم اور صاحب اثر و وجاہت تھے، حافظ صاحب کے زمانۂ اہتمام میں دار العلوم نے غیر معمولی ترقی کی آپ کے زمانۂ اہتمام میں دار العلوم نے مالی ترقی بھی خوب کی اور تعلیم و تعمیر میں بھی خوب اضافہ ہوا، طلبہ کی تعداد ڈھائی سو سے ترقی کر کے نوسو تک پہونچ گئی، کتب خانے میں کتابوں کی تعداد بھی چالیس ہزار تک پہونچ گئی، دار العلوم کی ترقی کے لئے آپ نے مختلف شہروں کا سفر کر کے دار العلوم کے لئے بہت سے دوامی چندے مقرر کرائے۔

حافظ صاحب نے درس و تدریس کا مشغلہ کبھی نہیں چھوڑا، وہ زمانۂ اہتمام میں بھی جاری رہا، ''مشکوۃ المصابیح، جلالین شریف، صحیح مسلم، ابن ماجہ مختصر المعانی، رسالہ میر زاہد'' وغیرہ کتابیں نہایت شوق سے پڑھاتے تھے۔ اپنے والد ماجد کے خاص علوم پر کافی عبور تھا، نظام دکن حافظ صاحب سے بہت متاثر تھے، انہوں نے حافظ صاحب کو ریاست حیدرآباد کا مفتیٔ اعظم مقرر فرمایا تھا، حکومت آصفیہ کے اس سب سے بڑے دینی منصب پر ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء سے ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء تک فائز رہے، ۱۳۴۷ھ میں نظام حیدرآباد کو دیوبند آنے کی دعوت دینے کے لئے آپ حیدرآباد تشریف لے گئے تھے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ یہ واقعہ ۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۱ء کا ہے، نظام دکن نے تعزیت کرتے ہوئے نہایت تأسف کے ساتھ یہ پر اثر جملہ ارشاد فرمایا:

''افسوس وہ مجھے لینے آئے تھے مگر خود یہیں رہ گئے''

مولانا محمد میاں منصور الانصاریؒ:

آپ مولانا قاسم نانوتوی کے نواسے اور مولانا عبد اللہ انصاری کے فرزند اکبر تھے، انبیہٹہ وطن تھا، ابتدائی تعلیم ''مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی'' میں حاصل کی، جہاں آپ کے والد ماجد مدرس تھے، ۱۳۲۱ھ میں دار العلوم سے فراغت حاصل کی، مختلف مقامات میں درس و تدریس کی خدمات دینے کے بعد حضرت شیخ الہند کے حکم سے دیوبند آ گئے۔ شیخ الہندؒ نے ترجمۂ قرآن کی اعانت کے لئے دیوبند بلایا تھا، ۱۳۲۷ھ میں جب جمعیۃ الانصار قائم ہوئی تو مولانا سندھی کے ساتھ اس کے نائب ناظم مقرر ہوئے۔ نہایت صائب الرائے اور ذی استعداد عالم تھے، ہندوستان کی جنگ آزادی کے سلسلے میں بڑا طویل مجاہدہ کیا، ساری زندگی جلاوطنی میں گزاری، حضرت شیخ الہند کی ریشمی رومال کی تحریک میں قائدانہ رول ادا کیا، آپ نے ہندوستان سے ہجرت کی، اور افغانستان میں رہ کر انگریزی حکومت کے خلاف اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے، حکومت افغانستان پر آپ کے علم و فضل اور سیاست و تدبیر کا بڑا اثر تھا، قیام افغانستان کے زمانے میں آپ نے متعدد سیاسی کتابیں تصنیف فرمائیں:۔

''حکومت الٰہی، اساس انقلاب، دستور امامت، انواع الدول'' ان کی اعلیٰ ذہنی اور فکری صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں، افغانستان کے مشہور مقام ''جلال آباد'' میں ۶؍ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۱؍ جنوری ۱۹۴۶ء کو وفات پائی۔ انہیں کے صاحبزادے مولانا حامد الانصاری تھے جو مشہور صحافی اور مصنف تھے (تلخیص از تاریخ دار العلوم ج:۲ ص ۹۱ تا ۹۳

حضرت شاہ عبد القادر رائپوریؒ:

آپ اپنے زمانے کے مشہور شیخ طریقت تھے، ہزاروں لوگوں نے آپ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔ سینکڑوں علماء نے آپ سے اکتساب فیض کیا، آپ اپنے زمانے میں مرجع خلائق تھے۔ ۱۲۹۰ھ کے کچھ بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ والد کی طرف سے آپ کا نام غلام جیلانی رکھا گیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا حافظ محمد یاسین صاحب اور مولانا کلیم اللہ صاحب سے پائی، سہارنپور، پانی پت، رامپور، منبع العلوم گلاوٹھی ضلع بلندشہر ان سب مقامات پر مختلف علوم فنون کی کتابیں پڑھیں، کچھ دن بریلی میں ملازمت کی، طبیعت میں بے چینی اور انجذاب الی اللہ کی کیفیت پیدا ہوئی جو آپ کو کھینچ کر رائے پور لے آئی، رائے

پور میں شاہ عبدالرحیم رائپوری سے بیعت ہوئے اور پھر یہیں کے ہوکر رہ گئے، رائپور کے قیام کے زمانے میں آپ نے اس اعلیٰ ہمتی اور جفاکشی اور مجاہدہ سے کام لیا جس کے واقعات اب صرف متقدمین کے تذکروں میں ملتے ہیں۔ اللہ کے واسطے شیخ سے تعلق اور محبت کی جو مثال آپ نے قائم کی وہ بس آپ ہی کا حصہ تھی۔ ۱۳۲۸ھ میں پہلا سفر حج کیا، آپ کو اپنے شیخ سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی، اور شیخ کی مسند نشینی کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا، آپ کی بیشما رخصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ رسوم تصوف کی پابندی سے ہٹ کر زمانے کے تغیرات طالبین کے حالات اور مختلف طبائع کا لحاظ رکھتے ہو ئے بالکل مجتہدانہ انداز میں رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ کے یہاں تصحیح نیت کی بہت تاکید تھی، دوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ تبتل وتوکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مقرر کئے ہوئے اسباب اور انسانی تدبیر وکوشش کے قدرتی نظام اہمیت پر بے حد زور دیتے تھے اور زندگی کے کاروبار میں ترک تدبیر اور تعطیل اسباب کے سخت مخالف تھے، آپ پر فنائیت اور انا کی نفی کا غلبہ تھا، نصف صدی سے زائد مدت جس میں مسلسل مجاہدہ، خدمت، دعوت واصلاح اور مسلسل بیداری روح قلب میں گذار کر اس طرح حقیقی سکون پایا جس طرح رات بھر کا چلا ہوا مسافر صبح منزل مقصود پر پہونچ کر آرام کرتا ہے یعنی ۱۶/ اگست ۱۹۶۲ء بروز جمعرات کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے سوانح مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری)

مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ:

آپ پنجاب کے رہنے والے تھے ۱۳۱۳ھ سال پیدائش ہے، وطن اور مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں تعلیم پائی، حضرت مولانا یاسین صاحب سے بریلی میں حدیث کی تعلیم پائی مگر ہمیشہ دارالعلوم سے وابستہ رہے، حضرت مولانا تھانوی کے خلیفہ ومجاز تھے، جالندھر میں اپنی جدوجہد سے ۱۳۴۹ھ میں خیر المدارس جاری کیا، علم وفضل زہد وتقوی اور دین ودیانت کی اعلیٰ صلاحیتیں ان کی ذات میں موجود تھیں، ہزاروں لوگ ان کے درس اور رشد وہدایت سے فیض یاب ہوئے، دارالعلوم کی مجلس شوری کے ایک مدت تک رکن رہے۔ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے بعد پاکستان تشریف لے گئے، اور وہاں خیر المدارس جا ری کیا جو آج پاکستان کی ایک بڑی دینی درسگاہ ہے، مولانا کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پاکستان کے مدارس اسلامیہ کا وفاق بنام ''وفاق المدارس'' قائم فرمایا اور تمام مدارس کو ایک لڑی میں منسلک کردیا، مولانا اس کے صدر تسلیم کئے گئے جس کو انہوں نے کمالِ دیانت، راست بازی اور اخلاص وصدق سے انجام دیا، اس سے جہاں ان کا علم وفضل ملک پر واضح ہوا، وہیں کمال ذہن وذکاء بھی نمایاں ہوا آج مدرسہ خیر المدارس پاکستان کے مرکزی مدارس میں شمار ہو تا ہے اور فقہ فی الدین کی اشاعت میں امتیازی شان رکھتا ہے۔ ۲۰/ شعبان ۱۳۹۰ھ کو ملتان میں وفات پائی۔

(تاریخ دارالعلوم ج:۲ ص ۱۲۲)

حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب مراد آبادیؒ:

۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں ''اجمیر'' میں ولادت ہوئی، جہاں آپ کے دادا سید عبدالکریم محکمۂ پولس میں تھانے دار تھے، ابتدائی تعلیم گھر رہ کر حاصل کی پھر ''مدرسہ منبع العلوم، گلاؤٹھی'' میں داخل ہوئے وہاں مولانا ماجد علی صاحب سے مختلف کتابیں پڑھیں، پھر دہلی جاکر معقولات کی کتابیں پڑھیں۔

۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم دیوبند آئے ''حضرت شیخ الہند'' کی ہدایت پر ایک سال کے بجائے دوسال میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی، دارالعلوم کے زمانۂ طالبعلمی ہی میں طلبہ کو معقولات کی کتابیں پڑھانے لگے تھے، فراغت کے بعد دارالعلوم میں ایک سال متوسطات کا درس دیا، پھر اکابر دارالعلوم دیوبند نے آپ کو ''مدرسہ شاہی مراد آباد'' کے لئے نامزد کردیا، آپ مدرسہ شاہی آگئے اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔

۱۹۴۲ء میں جب شیخ الاسلام ''مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی'' جیل گئے تو ان کی جگہ درس حدیث کے لئے آپ کو دارالعلوم بلالیا گیا، اس دوران آپ نے طلبۂ دارالعلوم کو بخاری شریف پڑھائی، مولانا مدنی کی رہائی کے بعد پھر آپ شاہی لوٹ آئے۔

۱۹۵۷ء میں جب ''شیخ الاسلام'' کا انتقال ہوا، تو پھر آپ کو بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم بلالیا گیا آپ ۱۹۷۱ء تک دارالعلوم کے شیخ الحدیث

رہے، تقریباً پانچ ہزار طلبہ کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہوا، آپ اپنے دور میں ہندوستان کے مایۂ ناز محدث تھے، بخاری شریف کا درس اتنی جامعیت اور تحقیق کے ساتھ پڑھانے والا ان کے دور میں کوئی نہیں تھا، سارے مباحث نوک زبان، روایات کا استحضار، احناف کی مستند روایتوں کا پورا ذخیرہ نگاہوں میں، رجال کی ساری بحثیں ازبر، از ابتدا تا انتہا بخاری کی روایتوں پر جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ سال کے سال لفظ بلفظ اس طرح بیان کرنے کا ملکہ تھا جیسے ایک مربوط مضمون کوئی یاد کرلے۔ تقریباً ۵۲؍سال مسلسل خدمت حدیث نبوی انجام دی، آپ کے درس حدیث کی تقریر سینکڑوں شاگردوں نے نقل کی، ان میں سے بعض طبع بھی ہو چکی ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ بھی ہیں، کتنے ہی ان تقریروں کی بدولت شیخ الحدیث بن گئے۔ آپ نہایت خوبصورت، نازک اندام، جامہ زیب، صاف شفاف لباس میں رہتے، پیشانی سے علم وفضل اور زہد وتقدس کی شعائیں پھوٹتی تھیں (ماخوذ از کاروان رفتہ بتغیر ترتیب ص ۲۰۹) وفات ۲۱؍صفر ۱۳۹۲ھ ۶؍اپریل ۱۹۷۲ء میں ہوئی۔

حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب استاذ حدیث ونائب مہتمم دار العلوم دیوبند:

آپ کا اسم گرامی ''بشیر احمد خان'' ہے، والد محترم کا نام جناب ''حافظ عبد الشکور'' صاحب بن حقداد خان ہے، آپ صاحب سوانح حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کے حقیقی بڑے بھائی اور سب سے اہم استاذ ہیں، درس نظامی کی اکثر کتابیں آپ نے انہیں سے پڑھی ہیں، مولانا بشیر احمد خان صاحب کی تاریخ پیدائش کا صحیح علم نہ ہوسکا، البتہ جائے پیدائش آپ کی موضع ''بسی''، ضلع بلند شہر ہے۔

والد محترم چونکہ متدین اور فکر آخرت کے حامل انسان تھے اس لئے شروع ہی سے دینی تعلیم میں لگایا، آپ کی بستی کے قریب ''چندیانہ'' نامی ایک بستی ہے، وہاں کی جامع مسجد میں قرآن پاک کا حفظ مکمل کیا، آگے کی زیادہ تر تعلیم قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں ہوئی اس وقت گلاؤٹھی کا مدرسہ ملک کے گنے چنے مدارس میں شمار ہوتا تھا، تعلیمی معیار بلند ہونے کی وجہ سے ملک کے دور دراز گوشوں سے بھی طلبہ یہاں آتے تھے، خصوصاً قندھار اور سرحد کے علاقوں سے طلبہ کی کافی آمد تھی، معقولات کی ٹھوس تعلیم کی وجہ سے اس مدرسے کی زیادہ شہرت تھی، کئی لائق وفائق اساتذہ یہاں درس دیتے تھے، جس کی بنیاد پر تشنگان علم کھنچ کھنچ کر یہاں آتے تھے، آپ نے اسی مدرسے کے علمی ماحول میں اپنی تعلیم مکمل کی اور ۱۳۴۰ھ میں آپ نے درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔

محنت ویکسوئی، مطالعہ میں انہماک اور طبعی شرافت کی وجہ سے اساتذہ اور منتظمین مدرسہ کے معتمد تھے، اس لئے فارغ ہوتے ہی آپ کو ''مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی'' میں مدرس مقرر کرلیا گیا، کم وبیش بائیس سال اسی مدرسہ منبع العلوم مین تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کو جملہ کتب فنون کی تدریس میں کمال حاصل تھا، اس لئے مدارس میں پڑھائی جانیوالی تمام علوم وفنون کی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، بعض طلبہ صرف آپ سے اکتساب فیض کے لئے مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی کا رخ کرتے تھے، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کی ذات والا صفات سے آپ کو خاص عقیدت تھی، اسی طرح حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کو بھی آپ سے خاص تعلق خاطر تھا۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ مولانا مرحوم کی علمی صلاحیت کے حد درجے معترف تھے، اسی لئے جب دار العلوم کو علوم وفنون کے ماہر چند اساتذہ کی ضرورت پیش آئی اور حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے اس سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ سے رابطہ کیا، تو حضرت مدنیؒ نے دیگر کئی اساتذہ کے ساتھ آپ کا نام بھی پیش کیا اور خود بھی مولانا سے دار العلوم میں آنے کو کہا، حضرت مولاناؒ نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے حکم کی تعمیل اور دیگر ارباب دار العلوم دیوبند کی فرمائش کو بطیب خاطر قبول کیا اور ۱۳۶۲ھ میں دار العلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس آپ تشریف لائے۔

دار العلوم میں آنے سے پہلے تدریس کے طویل اور جانگسل مراحل سے آپ گذر چکے تھے اور اس راہ کے نشیب وفراز اور پیچ وخم سے آپ اچھی طرح واقف تھے، اس لئے دار العلوم دیوبند میں آنے کے بعد یہاں کے مقبول اور کامیاب مدرس شمار کئے گئے، دار العلوم دیوبند میں اکثر بڑی کتابوں کے اسباق آپ کے ذمہ رہے، جن کتابوں کے اسباق اکثر وبیشتر آپ کے ذمہ رہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

''مسلم شریف، مؤطا امام مالکؒ، نسائی شریف، سنن ابن ماجہ، شمائل ترمذی، سنن ابوداؤد، طحاوی شریف، مؤطا امام محمدؒ''

حدیث شریف کے علاوہ دیگر فنون کی کتابیں جو آپ کے زیر درس رہیں:-

''ہدایہ آخرین، بیضاوی شریف، مسلم الثبوت، تصریح شرح چغمینی، بست باب، مطول، مسامرہ، تفسیر ابن کثیر، رشیدیہ، اقلیدس، خلاصۃ الحساب، سبعہ شداد، انفع الکشوف، رسالہ فتحیہ، الفوز الکبیر، توضیح وتلویح''

ان کے علاوہ بھی بعض دیگر کتابوں کے اسباق مختلف اوقات میں آپ کے ذمہ رہے، تاہم مذکورہ اسباق اکثر و بیشتر آپ سے متعلق رہے۔

حضرت مولاناؒ کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ بہترین منتظم اور مدبر بھی تھے اسی لئے ارباب دار العلوم دیوبند نے آپ کی اس صلاحیت کے پیش نظر آپ کو دار العلوم دیوبند کا نائب مہتمم اور ناظم تعلیمات بھی مقرر کیا، انتہائی خوش اسلوبی اور فعالیت کے ساتھ سب کا حق ادا کیا، سب جانتے ہیں کہ انتظامی امور کے ساتھ تدریس کی ذمہ داریوں سے مکمل طور پر عہدہ برآ ہونا بڑا مشکل کام ہے، لیکن حضرت مولانا کی یہ ایک بڑی خوبی رہی کہ آپ نے دونوں ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے انجام دیا، آپ نہایت وجیہ وشکیل تھے، چہرہ پر بلا کی کشش اور صلاح کے آثار نمایاں تھے، پرشکوہ اور پرکشش شخصیت کے حامل تھے، بارعب تھے، چہرے سے جاہ وجلال ٹپکتا تھا، اسی کے ساتھ حد درجہ حسین وجمیل بھی تھے، دیکھنے والا ایک نظر دیکھتے ہی آپ کی شخصیت سے مرعوب ہو جاتا تھا۔

قدرت نے آپ کو تمام علوم کی تدریس کی اعلیٰ صلاحیت سے نوازا تھا ''تفسیر، فقہ، بلاغت، منطق وفلسفہ اور نحو وصرف'' ان تمام فنون کے آپ بہترین مدرس رہے، لیکن جس فن میں آپ یکتائے روزگار تھے اور جس فن میں آپ کو امامت کا درجہ حاصل تھا؛ وہ فن اور علم ''علم ہیئت'' تھا، اللہ نے آپ کو اس فن سے خاص شغف عطا فرمایا تھا، جب آپ گلاؤٹھی میں پڑھاتے تھے تو بعض طلبہ دار العلوم دیوبند سے فارغ ہو کر فن ہیئت اور معقولات کو پڑھنے کے لئے گلاؤٹھی آتے تھے۔ فن ہیئت کی تمام اصطلاحات، اصول وقواعد اور دقائق وباریکیاں آپ کو مستحضر تھیں، اس فن میں آپ کے جانشین صاحب سوانح حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب ہوئے، ان دونوں حضرات کے بعد یہ فن دار العلوم سے رخصت ہو گیا اور آج اس کی یتیمی کا یہ حال ہے کہ اس کے مدرس بھی خال خال نظر آتے ہیں۔

والد محترم حافظ عبد الشکور صاحب کی وفات کے بعد بہن بھائیوں کی تربیت وکفالت کی ذمہ داری کا فریضہ خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، آپ کی عمدہ تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے برادر اصغر مولانا نصیر احمد خان صاحب علم کے بحر بیکراں اور محدث اعظم بنے۔

اللہ نے علم وعمل کے ساتھ مال ودولت سے بھی نوازا تھا، چنانچہ گلاؤٹھی رہنے کے زمانے میں تقریباً دس بسیں مختلف روٹوں پر چلتی تھیں، جن کی آمدنی کا بڑا حصہ اقرباء کے ساتھ اہل اللہ، طلبۂ علم دین اور دین کے دیگر کاموں میں صرف فرماتے تھے، تقوی وطہارت اور پاکیزگیٔ اخلاق ومعاملات میں اسلاف کا نمونہ تھے۔

آپ کے درس کی خصوصیات کے تعلق سے آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا خورشید حسن صاحب رفیق دار الافتاء دار العلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت کے درس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت والا اولاً کتاب کی عبارت حل فرماتے پھر حدیثی لغات پر کلام فرماتے، اس کے بعد ترجمہ ومطلب کے بعد بوقت ضرورت حدیث کے راویوں پر سیر حاصل بحث فرماتے، فقہی احکام سے متعلق احادیث شریفہ میں ائمۂ اربعہ کا مسلک بیان فرمانے کے بعد جامع طرز پر آخر میں فقہ حنفی کے ترجیحی دلائل بیان فرماتے اور مسلم شریف کے مشکل ترین باب ''کتاب الایمان'' کی ایسی جامع تشریح وتقریر فرماتے کہ ایمان سے متعلق پیچیدہ مباحث مخاطب کے لئے آسان سے آسان ہو جاتے، اور درس مسلم شریف زیادہ تر ''حضرت علامہ نووی'' کی تقریر اور ''فتح الملہم شرح مسلم'' پر مشتمل ہوتا۔

حضرت والا کے درس کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ درسی تقریر سلیس، اور رواں دواں اردو میں ہوتی اور انداز بیان مختصر اور جامع ہوتا، نفس کتاب کی عبارت پر ہی توجہ مرکوز رہتی (دار العلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات ص۲۷)

علم وعمل کا یہ آفتاب زندگی کے آخری لمحات تک علم کی اشاعت اور درس وتدریس میں مشغول رہ کر ۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۴/ ستمبر ۱۹۶۶ء بروز شنبہ کو غروب ہو گیا، مزار قاسمی میں آپ مدفون ہیں آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔

تیسرا باب
دارالعلوم دیوبند میں
داخلہ وتعلیم
اور
دارالعلوم میں آپ کے
اساتذہ

☆☆☆☆☆

بغرض تعلیم دارالعلوم دیوبند میں:

مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں پڑھنے والے طلبہ کا دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کی غرض سے آنے کا رجحان فطری تھا کیونکہ وہاں پڑھانے والے ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ رہے ہیں، اسی طرح اس مدرسہ میں اکابر دارالعلوم دیوبند کے آنے جانے کا سلسلہ بھی کثرت سے تھا، حضرت مولانا نصیراحمد خان صاحبؒ جب وہاں تعلیم حاصل کررہے تھے تو حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا وہاں کے سالانہ جلسے میں پابندی سے تشریف لے جانے کا معمول تھا، ایک موقع کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ مولانا نصیراحمد خان صاحبؒ نے فرمایا:

’’میں نے حضرت شیخ الاسلام والمسلمین کی پہلی مرتبہ زیارت ’’منبع العلوم گلاؤٹھی‘‘ کے سالانہ جلسہ میں کی، اس وقت میری عمر دس یا بارہ سال کی رہی ہوگی۔

حضرت مدنیؒ کی اس زیارت نے خان صاحب کے دل کو موہ لیا، آپ کے دل میں حضرت مدنی قدس سرہٗ کی محبت گھر کرگئی تھی، حضرت شیخ نے خود فرمایا کہ حضرت شیخ مدنی تو جلسہ کے بعد تشریف لے آئے اور میں گلاؤٹھی ہی میں پڑھتا رہا، مگر میرا دل حضرت ہی کے ساتھ دیوبند آگیا تھا۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ:

’’شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ سے میری یہ ملاقات اوائل شعبان میں ہوئی تھی، چنانچہ اس مہینے کی پندرہویں شب یعنی شب براءت جب آئی تو میں نے ساری رات ایک ہی دعا کی، ’’اے اللہ مجھے حضرت مدنی کی خدمت میں پہونچا دے‘‘، معصوم کی دعا تھی اور قبولیت والی رات، مبارک

ساعتیں اور سچی تڑپ، چنانچہ اس دعا کو حق تعالیٰ نے قبولیت سے نوازا''۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے

قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

خدائے واحد نے آپ کو ایک عرصے کے بعد دیوبند بھیج دیا، اور حضرت مدنی قدس سرہٗ کی صحبت وتلمذ سے فیضیاب کیا۔ آپ کے جذبۂ صادقہ اور بچپن کی دعا کی برکت تھی کہ حضرت مدنی قدس سرہٗ آپ کے ساتھ خصوصی معاملہ فرماتے، حضرت مدنی قدس سرہٗ کی توجہات اور عنایات کے آپ خصوصی مورد تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ کا دارالعلوم میں تقرر بحیثیت مدرس کرانے والے حضرت مدنی ہی تھے، آپ نے مجلس عاملہ میں اپنی کوشش سے حضرت مولانا کا تقرر فرمایا، چنانچہ اولاً آپ درجۂ عربی کے ابتدائی مدرس ہوئے، ایک عرصہ تک اسی درجہ کے استاذ رہے، بعد ازاں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے آپ کو ترقی دلوائی اور پھر آگے بھی ہر موقع پر حضرت مدنی قدس سرہٗ حضرت شیخ صاحب کی ترقی کے خواہاں وکوشاں رہے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے آں محترم کو حضرت مدنی قدس سرہٗ کا جانشین بنا دیا۔

۱۳۶۲ھ میں چند بڑے اساتذہ دارالعلوم سے علیحدہ ہوئے تھے، ان حضرات کے علیحدہ ہونے سے دارالعلوم کو ایسے اساتذہ کی فوری ضرورت پیش آئی جو دارالعلوم کے معیار کے مطابق ہوں، اس سلسلے میں ''قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ'' نے حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ سے مشورہ لیا، اس وقت حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ جیل میں تھے، آپ نے جیل ہی سے دو چار ماہر اساتذہ کی نشاندہی کی اور قاری صاحب سے کہا کہ ان کو فوراً بلا لیجئے! یہ ہر اعتبار سے دارالعلوم کے معیار پر پورا تریں گے، حضرت مدنیؒ نے جن حضرات کی دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لئے نشاندہی کی تھی ان میں سرفہرست ''حضرت مولانا بشیر احمد خانصاحب'' تھے، جو اس وقت ''مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی'' میں پڑھا رہے تھے، اور وہاں کے صدر مدرس تھے، حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ نے ان کو دارالعلوم آنے کی دعوت دی، ادھر حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے حکم فرمایا، چنانچہ آپ حضرت مدنی قدس سرہٗ کے حکم کی تعمیل اور قاری صاحب کی دعوت پر دارالعلوم تشریف لے آئے اور آپ کے ساتھ آپ کے برادر خورد صاحب تذکرہ حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب بھی دارالعلوم میں تشریف لے آئے۔

مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ اس سال گلاؤٹھی میں دورۂ حدیث شریف پڑھ رہے تھے، دیوبند درمیان سال آنا ہوا، اور دورۂ حدیث شریف میں آپ کا داخلہ ہوا، اس سال بخاری شریف اور سنن ترمذی حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی سے پڑھیں، اور دوسرے سال حضرت مدنی قدس سرہٗ سے دوبارہ یہ دونوں کتابیں پڑھیں۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ سے والہانہ تعلق:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کو یوں تو اپنے تمام اساتذہ سے بے انتہا محبت وعقیدت تھی، ہر استاذ سے آپ کا تعلق احترام وعظمت والا تھا حتی کہ آپ کے پرائمری کے اساتذہ میں سے ایک ہندو استاذ ''رام چندر جی'' تھے، ان کا بھی آپ بہت احترام فرماتے اور بڑی عظمت ومحبت سے ان کا تذکرہ کرتے جب بھی گلاؤٹھی جاتے ان سے ملاقات کرتے، اسی طرح دیگر اساتذہ سے بھی آپ کے تعلق کا یہی حال تھا، مگر حضرت مدنیؒ سے آپ کا تعلق عشق کی حد تک تھا، دارالعلوم آنے سے پہلے ہی حضرت مدنیؒ کی محبت نے دل میں بسیرا کر لیا تھا، لہٰذا جب آپ دارالعلوم میں تشریف لائے اور حضرت مدنیؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا تو اس محبت اور تعلق میں بے حد اضافہ ہو گیا اور پھر ہمیشہ کے لئے ان کے دست گرفتہ ہو گئے، سبق کے دوران جب بھی حضرت مدنی کا ذکر فرماتے، آبدیدہ ہو جاتے، عصر کے بعد والی مجلس میں عموماً حضرت مدنی کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں فرماتے، بعض مرتبہ اگر آغاز مجلس میں آپ کا ذکر جمیل شروع ہو جاتا تو آخر مجلس تک یہی ذکر ہوتا، آپ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرتے، اس درمیان اکثر وبیشتر آپ پر رقت طاری ہو جاتی، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے علاوہ جن بزرگوں سے آپ کو حد درجہ محبت وعقیدت تھی ان میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت قاری محمد طیب صاحب قدس اللہ اسرارھم ہیں تاہم حضرت مدنیؒ سے تعلق مثالی تھا، اسی لئے حضرت مدنی کے ارشادات

وافادات ہمیشہ آپ کی زبان پر رہتے ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

''حضرت کی شان ہی کچھ اور تھی، جس کی نظیر اب کہیں نہیں ملتی، آپ کا درس حدیث مثالی، تصوف میں آپ کی شان نرالی، تزکیۂ نفس، خدمت عوام، جذبۂ حب الوطنی اور جذبۂ جہاد آپ کی حیات طیبہ کے نمایاں اوصاف تھے''

(قلمی یادداشت بعنوان احوال نمبر۲)

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

''کہ حضرت مدنیؒ جب کسی سفر پر جاتے اور اہل مدرسہ آپ کو کچھ رقم دیتے تو آپ فرماتے میں نے مصارف کا پرچہ آپ کو نہیں دیا، بس اتنا ہی دیجئے جتنا صرف ہوا ہے جو زائد ہوتا اس کو آپ واپس فرما دیتے، حضرت مدنی کے متعلق آپ کا یہ خیال تھا کہ آپ کے اوصاف میں کوئی دوسرا شریک نہیں اور جس نے آپ (حضرت مدنیؒ) کو دیکھ لیا اس کی نگاہ میں دوسرا بزرگ نہیں اترتا''۔

فنون کی تکمیل:

۱۳۶۳ھ سے ۱۳۶۵ھ تک تین سال دار العلوم میں رہ کر فنون کی کتابیں پڑھیں: مثلاً ''صدرہ، شمس بازغہ، مسلم الثبوت، حمیات قانون، شرح اسباب''، وغیرہ ان کتابوں میں بھی آپ نے خوب محنت کی اور اچھے نمبرات سے کامیابی حاصل کی، طب کی تمام کتب استاذ الحکماء حکیم مولانا محمد عمر صاحب سے پڑھیں اور تجوید قرأت کی تکمیل شیخ القراء حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب کے پاس کی، قاری صاحب موصوف کے پاس فن قرأت کی کئی کتابیں جیسے'' خلاصۃ البیان، شاطبیہ، رائیہ'' پڑھیں ساتھ میں اجرائے سبعہ اور مشق کی بھی تکمیل کی، اس دوران فن قرأت میں آپ کو اتنی مہارت ہوگئی تھی کہ آپ کے استاذ محترم حضرت قاری

''حفظ الرحمٰن صاحب پرتاب گڑھیؒ ''فرماتے تھے:

''کہ میں نے اسی فن شریف کی خدمت کے لئے تجھ کو تیار کیا ہے''۔

اسی لئے استاذ محترم حضرت قاری صاحب نے آپکا تقرر صدر قاری صاحب کی حیثیت سے ملتان کے ایک مدرسے میں فرما دیا تھا مگر حضرت مولانا کے برادر بزرگ حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ کی رائے نہ ہوسکی اس لئے آپ ملتان تشریف نہیں لے جاسکے۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہونا ضروری ہے کہ حضرت مولانا جس وقت گلاؤٹھی مدرسہ میں زیر تعلیم تھے اور جماعتِ ہفتم میں تھے، اس وقت آپ کا تعلیمی سلسلہ کچھ دن کے لئے موقوف ہو گیا تھا، جس کی وجہ یہ بنی کہ آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خانصاحب کی دس گیارہ بسیں تھیں جن کی دیکھ بھال آپ کے ذمہ تھی یہ بسیں مختلف روٹوں پر چلتی تھیں جیسے: انوپ شہر، بلند شہر، میرٹھ جہانگیر آباد وغیرہ ان بسوں کی ذمہ داری میں آپ کا تعلیمی انہاک متأثر ہوا اور پھر یہ مبارک سلسلہ منقطع بھی ہو گیا مگر چونکہ قدرت کو آپ سے کچھ اور کام لینا منظور تھا اس لئے بروقت دستگیری کی گئی، اور آپ دوبارہ اس مبارک سلسلے سے وابستہ ہو گئے، آپ فرماتے تھے:

''دوبارہ سلسلے سے وابستہ ہونے میں حضرت مدنی قدس سرہٗ کی دعا اور توجہ کو خاص دخل ہے'' اس واقعہ کی پوری تفصیل آپ ہی کی زبانی ملاحظہ ہو:-

''فرمایا کہ جلالین شریف کے بعد میری پڑھائی موقوف ہوگئی تھی اور میں بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خان صاحب کے کام میں مشغول ہو گیا تھا، ان کی بسیں چلتی تھیں اور دس گیارہ بسیں تھیں، یہ بسیں مختلف روٹوں پر چلتی تھیں، بلند شہر، انوپ شہر، میرٹھ، جہانگیر آباد وغیرہ، تعلیم کے چھوٹنے کا احساس بھی تھا مگر میں کیا کرسکتا تھا، بڑے بھائی کی بات تھی، خیر! ہوا یہ کہ حضرت مدنیؒ اجراڑہ کے سالانہ جلسے میں تشریف لائے، میں گلاؤٹھی سے حضرت سے ملاقات کے لئے گیا حضرت سے ملاقات ہوئی دوپہر کو جب حضرت قیلولہ کے لئے لیٹ گئے تو میں حضرت کا بدن دبانے لگا، اس درمیان حضرت نے معلوم فرمایا کہ:

''کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا حضرت ایسا ایسا معاملہ ہے! تعلیم موقوف ہوگئی ہے میری خواہش ہے کہ تکمیل ہو جاتی، بس حضرت یہ سن کر خاموش ہو

گئے''

ادھر میں اجراڑہ سے گلاؤٹھی پہونچا تو حضرت کا تصرف اور اس کا اثر دیکھئے کہ بھائی صاحب نے کہا کہ ارے نصیر! یہ دنیا کے کام تو ہوتے رہیں گے، سب چھوڑ و اور پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو! چنانچہ اگلے دن پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا حضرت مدنی کا تصرف اور حضرت کی توجہ کی برکت سے اللہ نے دوبارہ تعلیم میں لگا دیا''۔

(قلمی یادداشت از حضرت قاری صاحب)

اساتذہ کے معتمد:

اساتذہ کا اعتماد ہر طالب علم کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ سعادت اسی طالب علم کے حصہ میں آتی ہے جو تمام علائق سے یکسو ہو کر صرف تعلیم پر اپنی توجہ مرکوز رکھے، اسی کے ساتھ صلاح وصلاحیت دونوں کا حامل ہو۔ حضرت مولاناؒ میں یہ تمام باتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں، پڑھنے پڑھانے میں محنت، یکسوئی کے ساتھ مطالعہ، طبیعت میں نیکی اور اخّاذیت، بہترین استعداد وصلاحیت، اپنے تمام اساتذہ کا مکمل ادب واحترام، لگن وشوق، اور سچی تڑپ زمانۂ طالب علمی میں آپ کے خصوصی اوصاف تھے، اسی بنیاد پر آپ اپنے اساتذہ کے معتمد رہے اور کمال یہ کہ جو فن آپ نے جس استاذ سے پڑھا اس فن میں آپ نے ان استاذ صاحب کا اعتماد حاصل کیا، مثلاً: طب میں آپ کے استاذ حضرت مولانا ''حکیم محمد عمر'' صاحب تھے، طب کی تمام کتابیں آپ نے انہیں سے پڑھیں، وہ آپ کی صلاحیت پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے، اسی طرح قرأت کی تمام کتب آپ نے قاری حفظ الرحمٰن پرتاپ گڑھیؒ سے پڑھیں، وہ اس فن میں آپ پر بے حد اعتماد کرتے تھے اور یوں فرماتے تھے کہ:

''اس فن شریف کی خدمت کے لئے تجھے تیار کیا ہے'' چنانچہ حضرت قاری صاحبؒ نے تو یہاں تک کیا کہ ملتان کے ایک مدرسہ میں صدر قاری کی حیثیت سے آپ کا تقرر کر دیا تھا، بالکل اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ حضرت مدنی قدس سرہ کو آپ پر اعتماد تھا، چنانچہ اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ حضرت نے فارغ ہوتے ہی دارالعلوم میں آپ کا بحیثیت مدرس تقرر کر دیا اور اپنے زمانۂ حیات تک ہر سال ترقی دے کر آگے تک پہونچنے کی راہیں ہموار فرمائیں۔

دارالعلوم دیوبند میں محصلہ نمبرات:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ واقعی طالب علم تھے، محنت، لگن، جستجو، پڑھنے میں انہاک کے ساتھ خداداد ذہانت وذکاوت اور فطری صلاح وصالحیت کی بنیاد پر تمام طلبہ میں ممتاز تھے، زمانۂ طالب علمی میں زیر درس مضامین پر ان کی جو گرفت تھی اس کا اندازہ ان نمبرات سے لگایا جا سکتا ہے، جو مولانا نے دارالعلوم کی اپنی چار سالہ طالب علمی میں حاصل کئے ہیں، واضح ہو کہ دارالعلوم میں تمام مضامین کے مقررہ نمبرات پچاس ہیں، بعض کتابوں میں اگر نمبر کم آئے تو آپ نے ان کو دوبارہ پڑھا اور از سر نو ان میں محنت کی اور پھر امتحان دیا چنانچہ دوبارہ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے، اب ایک نظر مولانا کے محصلہ نمبرات پر ڈالئے۔

دورۂ حدیث شریف کی کتب کے محصلہ نمبرات:

بخاری شریف	۴۳
مسلم شریف	۳۴
ابوداؤد شریف	۳۶
ترمذی شریف	۴۱
نسائی شریف	۵۱
ابن ماجہ	۵۱

طحاوی شریف	۵۰
شمائل ترمذی	۵۰
مؤطاامام محمدؒ	۵۱
مؤطاامام مالکؒ	۵۲
ورزش	۴۵

دورۂ حدیث کی کتابوں میں دو کتابوں میں آپکے نمبر کم ہیں، ان دونوں کتابوں کو دوبارہ پڑھا اور خوب محنت کی پھر امتحان دیا، اس مرتبہ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ چنانچہ ۱۳۶۳ھ کے سال جو کتابیں آپ نے پڑھیں ان کے امتحان کے ساتھ گذشتہ سال کی وہ کتابیں جن میں آپ کے نمبر کم رہ گئے تھے ان کا بھی امتحان دیا۔

۱۳۶۳ھ میں پڑھی گئی کتابوں کے نمبرات:

قرأت تمامِ قرآن	۵۰
ابوداؤد شریف	۵۰
مسلم شریف	۵۰
ہدایہ آخرین	۵۰
مقدمۃ الجزریہ	۴۹
مسلم الثبوت	۴۹
ورزش	۴۸
فوائد مکیہ	۴۷
شرح چغمینی	۴۵
دیوان متنبیؒ	۴۰
سراجی	۴۰
بیضاوی سورۂ بقرہ	۳۲
توضیح وتلویح	۵۲

اس سال بیضاوی شریف میں نمبرات کم رہے تو اس میں بھی محنت کر کے آئندہ سال ۱۳۶۴ھ میں امتحان دیا اور اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

۱۳٦٤ھ میں پڑھی گئی کتابوں کے محصلہ نمبرات

اجراء وسبعہ	۵۱
بیضاوی سورۂ بقرہ	۵۱
قرأت	۵۰
خلاصۃ البیان	۵۰
شاطبیہ	۵۰

رائیہ	۵۰
ورزش	۴۸
نفی	۴۹
حمیات قانون	۴۷
شرح اسباب اول	۴۷
شرح اسباب ثانی	۴۷
قانونچہ	۴۵

۱۳۶۵ھ میں کتب مقروۂ کے محصلہ نمبرات:

ملا جلال	۵۱		
قاضی مبارک	۵۰		
صدرا	۵۰		
طیبۃ النشر فی القرأۃ العشر	۵۰	قرأت	۵۰
میر زاہد	۴۸	حمد اللہ	۴۵

دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ:

دارالعلوم دیوبند میں جن اساتذہ سے آپ نے اکتساب فیض کیا ہے وہ اپنے زمانے کے مسلم اہل علم میں سے تھے، ان میں سے ہر ایک یگانۂ روزگار اور علم وعمل کا جامع تھا، ان کو تمام علوم وفنون میں تفوق حاصل تھا، وہ سب اخلاص ومروت اور تقوی وطہارت مین ممتاز تھے، بڑے بڑے اہل علم دارالعلوم کے اساتذہ کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ سمجھتے تھے، ان کے دل محبت الٰہیہ کی گرمی سے معمور تھے، اتباع سنت، احیائے دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کی زندگی کا مقصد تھا، حق کی اشاعت، حق کی حفاظت اور حق کو بلند کرنے کے جذبات سے وہ ہمیشہ سرشار رہتے تھے، ان میں سے ہر ایک جہاں علم حدیث کے اتھاہ سمندر کا غوطہ خور تھا، وہیں معقولات کی باریکیوں اور دقائق کا عارفِ کامل تھا، علم وعمل کے وسیع میدان کے ان شہسواروں میں سے جن حضرات کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے، ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ اکوڑہ خٹک، حضرت مولانا عبد الخالق صاحب ملتانیؒ، حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ، حکیم محمد عمر صاحبؒ اور بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ ہیں ان میں سے ہر ایک کے مختصر حالات پیش کئے جارہے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ:

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ حضرت مولانا کے ان اساتذہ میں سے ہیں، جن کی محبت اور عقیدت بچپن ہی سے آپ کے دل میں راسخ ہو چکی تھی، آپ نے بارہ سال کی عمر میں شیخ مدنی قدس سرہٗ کی پہلی زیارت کی تھی، اور اسی وقت حضرت مدنی کی خدمت میں حاضری کی دعا کی تھی، اللہ نے آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ چنانچہ آپ کو حضرت مدنیؒ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہوا اور اصلاح وتربیت بھی۔ آپ کے یہ عظیم استاذ ومربی جن کی محبت میں آپ بچپن ہی سے سرشار ہو گئے تھے، ہزاروں لوگوں کے شیخ طریقت اور بے شمار علماء کے استاذ تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث

اور ہندوستانی علماء کی قابل فخر جماعت ''جمعیۃ علمائے ہند'' کے صدر محترم تھے۔

آپ کی پیدائش قصبہ بانگر مؤضلع اُناؤ ۱۹؍شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ستمبر ۱۸۷۹ء کو ہوئی، نسباً حسینی سادات میں سے تھے، آپ کے والد محترم حبیب اللہ صاحب حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے بیعت تھے، اور اپنے شیخ صاحب سے دیوانہ وار اور والہانہ تعلق رکھتے تھے، اوراد ووظائف کے پابند اور کثرت سے ذکر وشغل میں رہنے والے تھے، مزاج میں چونکہ دینداری تھی اس لئے اپنے تمام بچوں کو دینی تعلیم میں لگایا۔

شیخ الاسلام کی والدہ محترمہ بھی حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے بیعت تھیں، اور کثیرالاولاد ہونے کے باوجود انتہائی ذاکرو شاغل وشب بیدار وتہجد گزار خاتون تھیں اخیر شب میں اٹھ کر ذکر شغل ومناجات میں مشغول رہتی تھیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے اپنی والدہ محترمہ کی آغوشِ تربیت میں رہتے ہوئے والدۂ محترمہ سے قاعدۂ بغدادی اور عم پارہ پڑھا، ساتھ میں آپ اسکول بھی جاتے تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں اوائل صفر ۱۳۰۹ھ میں آپ دیوبند پہونچ گئے، آپ صفر ۱۳۰۹ھ سے شعبان ۱۳۱۷ھ تک مسلسل دارالعلوم دیوبند میں مختلف اساتذہ سے پڑھتے رہے، زیادہ تر کتابیں حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھیں۔

۱۳۱۶ھ میں تزکیۂ باطن کے لئے حضرت سیدالعارفین مولانا رشید احمد گنگوہی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ حجاز جانے کے بعد حضرت گنگوہی کے حکم کی تعمیل میں حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اورادِ ضروریہ کی تلقین حاصل کی۔ کچھ دنوں کے بعد ۱۳۱۸ھ میں حضرت گنگوہی نے گنگوہ طلب کیا، آپ گنگوہ تشریف لائے اور اجازت وخلافت سے سرفراز کئے گئے ۱۳۱۹ھ اوائل شوال میں حضرت گنگوہیؒ سے رخصت ہوکر ذیقعدہ کی ابتدا میں جدہ پہونچ گئے، پھر مکہ مکرمہ پہونچ کر مناسک حج ادا کئے اور محرم ۱۳۲۰ھ میں مدینہ منورہ پہونچ گئے۔ مدینہ منورہ میں آپ کا پورا خاندان معاشی تنگی کا شکار رہا، مگر چونکہ آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو اعتماد علی اللہ کی دولت حاصل تھی۔ اس لئے اس قسم کے تمام مصائب کا خوش دلی سے سامنا کیا، اللہ نے پھر حالات سازگار کردئے۔ حضرت شیخ الاسلام نے مدرسہ پہونچ کر دوبارہ پھر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، ان دنوں ''شمسیہ باغ'' میں جو ''طوطیہ'' کے نام سے مشہور تھا ایک نیا مدرسہ جاری کیا گیا تھا، شیخ الاسلام اس مدرسہ میں پچیس روپیہ ماہوار تنخواہ پر مدرس رکھ لئے گئے، اس دوران حرم نبوی میں بھی آپ کا سلسلۂ درس جاری رہا، مدرسہ شمسیہ کے ناظم صاحب نے حکم دیا کہ آپ مدرسہ کے علاوہ کہیں اور درس نہ دیں، شیخ الاسلام نے غور وفکر کے بعد فیصلہ کیا کہ روزی دینے والی ذات تو اللہ کی ہے، اس لئے صرف روزی کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے حرم نبوی میں پڑھنے والے طالبین کو محروم نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے مدرسہ سے استعفیٰ دیدیا اور حسبۃً للہ طلبۂ حرم کے درس کو مدرسہ کی ملازمت پر ترجیح دی۔

۱۳۲۶ھ میں آپ دوبارہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند سے مزید استفادہ کے لئے ان کے درسِ حدیث میں شرکت کرنے لگے، اسی کے ساتھ آپ کو دارالعلوم میں بحیثیت مدرس بھی منتخب کرلیا گیا، چنانچہ آپ بیک وقت مدرس بھی تھے اور طالبعلم بھی۔ تین سال دیوبند رہ کر آپ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہاں پہونچ کر پہلے سے زیادہ جذبے کے ساتھ درس وتدریس کا آغاز کیا، اس دوران طلبہ کا رجوع بھی خوب ہوا۔

محرم ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ مدینہ منورہ پہونچ کر شیخ الاسلام کے مکان پر مقیم ہوئے اور وہیں شیخ الاسلام اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کو اپنے نصب العین سے آگاہ کیا، شیخ الہند کے نصب العین میں جہاں ملک کو غیر ملکی تسلط سے آزادی دلانا تھا وہیں عالم اسلام کو برطانوی عفریت سے چھٹکارا دلانا بھی شامل تھا، شیخ الاسلام نے استاذ محترم کے منصوبے سے نہ صرف اتفاق کیا بلکہ اس منصوبے کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگادی۔

صفر ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۸۱۶ء مکہ مکرمہ میں انگریزوں کے اشارے سے شریف مکہ نے آپ کو حضرت شیخ الہند کے ساتھ گرفتار کرلیا اور انگریزوں کے حوالہ کردیا اور پھر انگریز نے آپ کو جزیرۂ مالٹا میں قید کردیا، کم وبیش تین سال یہ حضرات قید فرنگ میں رہکر اوائل ۱۹۲۰ء میں رہا ہوئے۔ مالٹا سے آنے کے بعد آپ ہندوستان ہی میں رہے اور سرگرم سیاست میں حصہ لینا شروع کردیا، جمعیۃ علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے کھل کر آزادئ ہند کی جدوجہد شروع کی، اس

سلسلہ میں ملک کے مختلف شہروں میں کئی بڑی کانفرنسیں منعقد کیں، جن کے واضح اثرات پورے ملک میں محسوس کئے گئے، آزادی کی جدوجہد میں بار بار قید وبند کی صعوبتیں اٹھائیں ۱۳۴۶ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث منتخب ہوئے۔

۱۳۴۶ھ سے آپ کی وفات تک بیشمار تشنگان علم نے آپ کے چشمۂ علم سے سیرابی حاصل کی، اس درمیان آپ کے باضابطہ شاگردوں کی تعداد تین ہزار آٹھ سو چھپن (۳۸۵۶) ہے، آپ ہی کے فیضان علم کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں دیوبندی مکتب فکر وتحریک اصلاح کے پھیلانے والے موجود ہیں، آزادی کے بعد حکومت نے آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر خطاب دیا تھا، جس کو آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا آپکی خود نوشت سوانح حیات ہے جو ''نقش حیات'' کے نام سے مطبوعہ ہے ۱۲/ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ ۵/ دسمبر ۱۹۵۷ء کو آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

چند اوصاف و کمالات:

حضرت مدنی قدس سرہٗ کی شخصیت جامع کمالات تھی، آپ کے بعد آپ کی مثال کہیں نظر نہیں آتی، جس طرح علوم وفنون میں آپ اپنے زمانے کے غزالی ورازی تھے، اسی طرح آپ میدان طریقت اور خانقاہ وتصوف کے جنید وشبلی تھے۔ آپ ایک ہی وقت میں شیخ وقت بھی تھے اور محدثِ وقت بھی، اس کے علاوہ بے شمار اوصاف وکمالات قدرت نے آپ کی ذات میں ودیعت فرمائے تھے، اس مختصر سی تحریر میں سب کا احاطہ دشوار ہے، چند ملاحظہ ہوں:-

اتباع سنت:

حضرت مدنی کی پوری زندگی کے ہر ہر پہلو میں اتباعِ سنت کا رنگ نمایاں تھا، چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کا اس موقع پر طرز عمل کیا تھا، مرض وفات میں جب آپ بیٹھ نہیں سکتے تھے اور تکیہ کا سہارا لگایا جاتا تھا اسی حالت میں جبکہ آپ تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے، کھانا سامنے لایا گیا اور حاضرین نے کہا کہ آپ اسی طرح ٹیک لگا کر کھانا تناول فرمالیں، تو فرمایا کہ بھائی رسول اللہ ﷺ نے ٹیک لگا کر کھانے سے منع فرمایا ہے پھر تکیہ ہٹا کر آپ نے کھانا تناول فرمایا۔ (مآثر شیخ الاسلام ص:۴۰۲)

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب:

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ بھی مولانا نصیر احمد خان صاحب کے ممتاز اساتذہ میں سے ہیں، جس سال آپ دارالعلوم میں تشریف لائے اس سال بخاری وترمذی کا درس حضرت مدنی کے جیل میں ہونے کے باعث شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ قدس سرہٗ کے ذمہ تھا، اس لئے دارالعلوم میں داخلہ کے بعد مذکورہ دونوں کتابیں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب سے پڑھیں۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہٗ دارالعلوم دیوبند کے عظیم المرتبت اساتذہ میں سے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ممتاز تلامذہ میں آپ کا شمار تھا۔ دارالعلوم میں مختلف ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز رہے۔ آپ کی ولادت ضلع مرادآباد کے قصبے امروہہ میں محرم ۱۳۰۰ھ مطابق نومبر ۱۸۸۲ء میں ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ کو آپ پر بڑا اعتماد تھا، پڑھنے کے زمانے سے ہی آپ کو حضرت شیخ الہند کی خصوصی توجہ حاصل تھی، چنانچہ ۱۳۲۱ھ میں جب آپ دارالعلوم سے فارغ ہوئے تو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے آپ کو ''مدرسہ نعمانیہ پورینی ضلع بھاگلپور بہار'' میں درس تدریس کے لئے منتخب فرمایا۔ یہاں تقریباً سات سال اس علاقے میں خدمت کرتے رہے پھر آپ ''شاہجہاں پور'' آئے اور ایک مسجد میں ''افضل المدارس'' کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ میں آپ حسبةً للّٰہ پڑھاتے رہے۔ یہاں تقریباً تین سال کامیابی کے ساتھ درس دیا۔ اس کے بعد ۱۳۳۰ھ میں آپکا تقرر بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند میں ہوا۔

جب آپ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس تشریف لائے تو پہلے سال آپ کو ابتدائی کتابیں ''علم الصیغہ اور نور الایضاح'' پڑھانے کے لئے دی گئیں مگر آپ کے درس نے بالآخر وہ مقبولیت حاصل کی کہ شیخ الادب والفقہ کے لقب سے مشہور ہوئے، سید محبوب رضوی مصنف ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' نے آپ کے متعلق اس وقت کی روئیداد کا ایک اقتباس نقل کیا ہے:

’’مولانا اعزاز علی صاحب طبقۂ وسطیٰ واخری کے درمیانی فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں چند جگہ مدرس رہے، آپ ایک نوجوان با استعداد اور صاحب صلاح وتقوی عالم ہیں، صورتا وسیرتا اپنے سلف کی یادگار ہیں، علوم میں استعداد تام رکھتے ہیں خصوصا علم ادب میں خاص مہارت ہے، ابھی آپ نے حماسہ کا تحشیہ کیا ہے اور کنز الدقائق کا تحشیہ کررہے ہیں، اس سے پہلے دیوان متنبیؔ کا تحشیہ کرچکے ہیں، آپ دار العلوم کے درجۂ وسطیٰ میں درس دیتے ہیں علم ادب کے اکثر اسباق آپ کے پاس رہتے ہیں، طلبہ کو عربی تحریر کی مشق بھی کراتے ہیں، خوش تقریر ہیں، طلبہ آپ سے نہایت مانوس ہیں۔

(تاریخ دار العلوم ص:۲۵۲ ج ۲)

جب ۱۳۴۰ھ میں دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو’’ریاستِ حیدرآباد‘‘ کا’’مفتیٔ اعظم‘‘ منتخب کیا گیا تو اس وقت حافظ صاحب موصوف ضعیف ہوچکے تھے، اس لئے حافظ صاحبؒ نے حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کو اپنے ساتھ رکھا۔ وہاں ایک سال قیام رہا ایک سال کے بعد جب حضرت مولانا محمد احمد صاحب دیوبند تشریف لائے تو آپ بھی ان کے ساتھ دیوبند تشریف لے آئے تھے، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے بعد آپ کو دار العلوم دیوبند کا صدر مفتی منتخب کیا گیا اس کے بعد سے اخیر عمر تک آپ دار العلوم میں ہی رہے۔

فقہ وادب آپ کا خاص فن تھا، ان دونوں فنون میں آپ کی مہارت مشہور تھی، عمر کے آخری دور میں کئی سال ترمذی جلد ثانی اور تفسیر کی بلند پایہ کتابیں بھی پڑھائیں، حضرت مدنی کی عدم موجودگی میں کئی مرتبہ بخاری شریف بھی پڑھائی حضرت شیخ الادبؒ کی مختلف خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے یہاں طلبہ کی تربیت اور نگرانی کی بڑی اہمیت تھی یہ آپ کا خاص ذوق تھا، جس سے طلبہ کو بے انتہا فائدہ پہونچا، آپ کی دوسری اہم خصوصیت پابندیٔ اوقات تھی، اس سلسلے میں آپ ضرب المثل تھے، مدرسی کے ابتدائی دور سے آخری عمر تک منٹوں، سکینڈوں تک کی پابندی فرماتے تھے، اوقات درس کی پابندی میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، اکابر واسلاف کی طرح بے نفسی، تواضع اور عاجزی میں بھی اپنی مثال آپ تھے بڑی بڑی کتابوں کے ساتھ چھوٹی سے چھوٹی کتاب پڑھانے میں کبھی آپ کو عار نہ ہوتا تھا، بعض مرتبہ ترمذی اور بخاری کے درس کے ساتھ میزان الصرف، علم الصیغہ اور نور الایضاح کا درس بھی دیا، حضرت شیخ الادبؒ جس طرح عربی ادب کے شیخ تھے اسی طرح اردو ادب کے بھی شیخ تھے، چنانچہ اردو نظم ونثر میں آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی، عربی اور اردو دونوں زبانون میں آپ کا منثور ومنظوم کلام اہل علم کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے اردو نثر میں ان کا ایک خاص انداز تھا۔ عربی ادب میں’’ نفحة العرب‘‘ کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی، جس میں تاریخی حکایات وقصص اور اخلاقی مضامیں بیان کئے گئے ہیں۔ آپ کی یہ کتاب بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی، اور سینکڑوں مدارس میں داخل نصاب کی گئی، خود دار العلوم دیوبند میں بھی یہ کتاب داخل نصاب ہے۔ عربی ادب میں’’ دیوان حماسہ اور دیوانِ متنبیؔ‘‘ پر بھی مفید حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ کنز الدقائق اور شرح وقایہ اور نور الایضاح پر بھی آپ نے بڑے وقیع اور مفید حواشی تحریر فرمائے، جو اساتذہ اور طلبہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، دار العلوم میں آپ کی خدمات کا دور چوالیس سال رہا، آپ کے عہد صدارتِ افتاء کے دوران ۲۴۸۵۵ رفتاوی لکھے گئے ۱۳۷۴ھ میں اس دار فانی سے دار باقی کی جانب رحلت فرمائی رحمه الله رحمة واسعة.

استاذ اور مرشد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب نے دار العلوم دیوبند میں جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ہے ان میں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ بھی ہیں، حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کی شخصیت ایسی بے مثال اور عظیم المرتبت تھی کی جس کا تعارف اس مختصر تحریر میں پیش کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے، تاریخی نام مظفر الدین ہے، والد ماجد کا اسم گرامی مولانا حافظ’’محمد احمد‘‘ ہے جو کہ بانیٔ دار العلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں۔ سات سال کی عمر میں دار العلوم دیوبند میں داخل کیا گیا۔ دو

سال کی قلیل مدت میں قرآن مجید قرأت وتجوید کے ساتھ حفظ کیا۔ پانچ سال فارسی ریاضی کے درجات میں تعلیم حاصل کرکے عربی کا نصاب شروع کیا، جس سے ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں فراغت حاصل کی۔

حکیم الاسلام قدس سرہٗ کو جن عباقرۂ علم سے شرف تلمذ حاصل ہے وہ سب وقت کے بخاری ومسلم، غزالی اور رازی تھے، برصغیر کے دور آخر کی تاریخ ایسے اساتذۂ باکمال (جو علم وعمل کے جامع ہونے کے ساتھ مردم ساز اور مردم گر تھے) کی مثال سے یکسر خالی نظر آتی ہے۔

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ کے اساتذۂ گرامی میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، محدث کبیر وامام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ جیسے امام علم وفضل شامل ہیں۔

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کے پوتے اور سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد احمد صاحب کے صاحبزادے اور صدیقی النسب شیخ تھے، اس لئے انہوں نے علمی اور نسبی عظمت وراثت میں پائی تھی، اصحاب علم وفضل وصلحاء کی صلبی اولاد تھے، اس لئے ان کی دعاؤں، خلوص، سیرت، کردار کی پاکیزگی اور ہمہ وقت خالق کا استحضار وآہ سحر گاہی کا فیضان حکیم الاسلامؒ کے خمیر کا بنیادی عنصر شمار کرنا چاہئے۔

آپ کی اسی آبائی نسبت کے سبب اساتذہ نے اعلیٰ پیمانے اور مخصوص طریق تعلیم تربیت میں حصہ لیا، حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علماء واساتذہ سے حاصل ہوئی۔

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ علم حدیث میں آپ کے استاذ ہیں، ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، حضرت کی وفات کے بعد حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی طرف رجوع کیا اور تربیت حاصل کی، پھر حضرت تھانوی سے بیعت ہوئے۔ ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں حضرت تھانویؒ نے خلافت سے سرفراز کیا۔

فراغت کے بعد:

تکمیل کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند ہی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، ذاتی علم وفضل، ذکاوت وذہانت اور آبائی نسبت ووجاہت کے باعث بہت جلد طلبہ کے حلقہ میں مقبول ہوگئے، آپ کے علم وفضل وکمال، علم ورسوخ، صدق ودیانت اور دارالعلوم دیوبند سے دلی وسچی محبت کی بنیاد پر ارکان شوریٰ نے آپ کو دارالعلوم کے انتظامی امور میں لانا ضروری سمجھا، چنانچہ ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں آپ کو نائب مہتمم کا عہدہ سپرد کیا گیا، اس وقت حضرت کی عمر ۲۷ سال یا ۲۸ سال تھی، تقریباً پانچ سال تک اپنے والد محترم اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے زیر نگرانی ادارۂ اہتمام کے انتظامی معاملات میں حصہ لیتے رہے، پھر ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں جب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی وفات پاگئے تو باتفاق رائے آپ کو دارالعلوم دیوبند کا مہتمم بنادیا گیا۔

آپ کے دور اہتمام میں تعمیری، تعلیمی اور تنظیمی ترقی:

آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم کی عمارتوں میں حیرت ناک اضافہ ہوا، دارالتفسیر، دارالافتاء، دارالقرآن، مطبخ جدید، دارالحدیث فوقانی، مسجد قدیم کی بالائی منزل، باب الظاہر، جامعہ طیبہ، دار جدید، دومنزلہ دارالاقامہ، مہمان خانہ، کتب خانہ کے دوجدید ہال اور کئی قدیم عمارتوں میں نمایاں ترمیم وتزئین آپ کے دور اہتمام کی یادگار ہیں۔

تعلیمی ترقی کے لحاظ سے بھی آپ کا دور اہتمام کئی تابناک پہلو رکھتا ہے، چنانچہ آپ کے دور اہتمام میں نصابِ تعلیم پر نظر ثانی کی گئی جس کے نتیجہ میں حسب ذیل تبدیلیاں زیر عمل آئیں:

(۱) نصاب تعلیم میں درجہ بندی کو لازم قرار دیا گیا، اس سے قبل کتاب وار طریقۂ تعلیم جاری تھا۔

(۲) نصاب تعلیم میں کچھ کتابوں کا اضافہ کیا گیا۔

(۳) درجات کی تکمیل کے سلسلے میں تکمیل تفسیر، تکمیل دینیات، تکمیل معقولات اور تکمیل ادب کا اجراء کیا گیا۔

تنظیمی اعتبار سے بھی آپ کے زمانۂ اہتمام میں دارالعلوم نے کافی اور مثالی ترقی کی چنانچہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں جب آپ نے انتظام دارالعلوم کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو اس کے انتظامی شعبے آٹھ تھے، جن کی تعداد آپ کے دور آخر تک چوبیس تک پہونچ گئی تھی، دارالعلوم کی آمدنی کا بجٹ جو چھ لاکھ کے قریب تھا چھبیس لاکھ تک پہونچ گیا تھا، اسی طرح دارالعلوم کے عملہ میں ۴۵/ افراد تھے آپ کے دور اہتمام میں یہ تعداد ترقی کر کے پونے دو سو تک پہونچ گئی، اساتذہ کی تعداد اٹھارہ تھی ساٹھ تک ہوگئی، طلبہ کی تعداد چار سو پچاس سے بڑھ کر ڈیڑھ ہزار سے زائد ہوگئی۔

حضرت مہتمم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو وعظ وخطابت اور تقریر میں خداداد ملکہ حاصل تھا زمانۂ طالبعلمی ہی سے آپ کی تقریریں عمومی وخصوصی تمام جلسوں میں شوق کے ساتھ سنی جاتی تھیں، اہم سے اہم مسائل پر دو دو، تین تین گھنٹے مسلسل تقریر کرنے میں آپ کو کوئی رکاوٹ اور تکلیف نہ ہوتی۔ حقائق اور اسرار شریعت کے بیان اور اعجاز مضامین میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی، جدید تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے علمی وحکیمانہ اسلوب بیان سے خاص طور پر محظوظ ہوتا تھا، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ملک کی کئی دیگر یونیورسٹیوں میں آپ کی تقریر کو قبول عام حاصل تھا، ملک کے تمام خطوں اور علاقوں کے علاوہ دیگر متعدد ممالک کے تمام بڑے شہروں میں بھی آپ کی دعوتی واصلاحی تقریریں ہو چکی ہیں، حضرت مہتمم صاحب قدس سرہٗ کو اس فن میں خصوصی امتیاز حاصل تھا۔

حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی اس خصوصیت کو دیکھ کر لگتا تھا کہ ان کی پیدائش ہی وعظ وخطابت کے لئے ہوئی ہے، وہ جس محفل میں جاتے چھا جاتے، جس علاقے میں قدم رکھتے لوگ ان کو سننے اور دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑتے، ان کا انداز خطابت انتہائی نرالا اور بے مثال تھا، ان کی تقریر میں زیادہ اتار چڑھاؤ نہ ہوتا، سحر انگیز تسلسل کے ساتھ دھیمی رفتار سے حکمت کے موتیوں کو پروتے چلے جاتے، حقائق، نکاتِ تصوف اور اکابر کے علوم جا بجا اس طرح بیان فرماتے کہ لوگ عش عش کر اٹھتے، خوبصورت الفاظ، حسین تعبیریں، خیالات کی خوبی، افکار کی بلندی، شیریں بیانی، سلاست لسانی، صالحانہ اندازِ تکلم، مناظرانہ طرز استدلال، تعلق مع اللہ پر زور اور اسلاف عظام کے واقعات اور روایات اور ان کا انتہائی عقیدت ومحبت سے ذکر جمیل اور ایک موضوع سے متعدد ذیلی موضوعات ومضامین کا استحضار آپ کی خطابت کے بنیادی عناصر تھے۔

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ نے متعدد بیرونی ممالک کے سفر کئے، آپ کے اسفار سے دارالعلوم کے مسلک کی خوب اشاعت ہوئی اور لوگوں کو دارالعلوم سے دلچسپی ہوئی، دارالعلوم کے انتظامی امور، درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے علاوہ تصنیف اور تالیف بھی آپ کا محبوب مشغلہ رہا، آپ کی تصانیف کی تعداد سو سے زیادہ ہے، چند اہم تصانیف یہ ہیں:

''سائنس اور اسلام، اسلام میں اخلاق کا نظام، فطری حکومت، خاتم النبیین، اسلام اور مسیحی اقوام، حدیث کا قرآنی معیار، کلمۂ طیب، دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، قوموں کی ترقی وزوال کے اسباب، مذہب وسیاست، دعوت اسلامی کے اصول، اسلامی مساوات، اجتہاد وتقلید''

اس کے علاوہ آپ کے خطبات کا مجموعہ متعدد جلدوں میں چھپ چکا ہے اور آپ کا شعری دیوان ''عرفان عارف'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ حضرت تھانویؒ کے مجاز بیعت تھے، اس لئے دیگر مصروفیتوں کے ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی اسی تھانوی ہدایات کی روشنی میں جاری رکھا، آپ کے مریدین کا سلسلہ بھی کافی وسیع تھا جو ہندو بیرون ہند میں پھیلے ہوئے تھے، کئی متعدد حضرات کو آپ نے خلافت واجازت سے بھی نوازا، جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ بھی ہیں۔

۱۹۷۲ء میں آپ کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا صدر منتخب کیا گیا یہ انتخاب تمام مسالک کے علماء اور تمام مؤثر تنظیموں کے سربراہان کے اتفاق رائے سے عمل میں آیا، آپ تاحیات اس کے صدر، سربراہ اور رہنما رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں افسوس ناک اختلاف رونما ہو جانے کے بعد ۱۸/

ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۹/اگست ۱۹۸۲ء کو آپ نے دارالعلوم دیوبند سے سبکدوشی اختیار کر لی تھی، اور پھر ۶/شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷/جولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار ٹھیک گیارہ بج کر پانچ منٹ پر آپکی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اپنے جدامجد حضرت الامام نانوتوی قدس سرہٗ کے پہلو میں مقبرۂ قاسمی میں تدفین عمل میں آئی، تقریباً ایک لاکھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی، جن میں زیادہ تعداد علماء وصلحاء کی تھی۔

حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ:

حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں طب کے استاذ اور جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند کے صدر تھے، آپ کا آبائی وطن دیوبند ہے ،قدرت نے آپ کو فن طب میں خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا، دارالعلوم دیوبند میں طب پڑھانے اور اس کے مشکل، خشک اور پیچیدہ مسائل کو عجیب وغریب انداز میں سمجھانے کا ملکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ علم طب کے ساتھ علوم دینیہ میں بھی کامل درجے کی
مہارت حاصل تھی، آپ کی تشخیص اور تجویز دونوں مثالی تھیں، آپ براہ راست حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد تھے، اسی طرح حضرت مولانا محمد یاسین صاحب سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا، دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے تکمیل الطب لکھنؤ سے فراغت حاصل کی۔ آپ کو فارسی زبان سے غیر معمولی مناسبت تھی، آپ کو زبان فارسی کے بے شمار اشعار یاد تھے، دوران درس بھی آپ موقع بموقع عمدہ اور دلچسپ اشعار چسپاں کرتے جاتے تھے، آپ بڑے نیک، متقی، پرہیزگار، بزرگوں کی جیتی جاگتی تصویر تھے، آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ فن طب اور بنی نوع انسان کی خدمت میں گذرا اور تقریبا نصف صدی سے زائد مدت تک حکیم صاحب نے بلاتفریق مذہب وملت بنی نوع انسان کی خدمت کی ہے، آپ اصولوں کے بے حد پابند انسان تھے، اسی طرح دیانت داری اور قومی خدمت، وفا شعاری میں بھی اپنی مثال آپ تھے، آپ چونکہ قومی خدمت کے جذبات سے سرشار تھے، اس وجہ سے آپ کو میونسپل بورڈ دیوبند کا ممبر منتخب کیا گیا، علاج ومعالجہ کی مشغولیت اور دارالعلوم کی تدریسی خدمات کی مصروفیت کے باوجود قومی خدمات میں بھی حصہ لیتے رہے۔

آپ انتہائی پرعزم، باحوصلہ اور بہادر انسان تھے، آپ کے مذکورہ کردار کے سلسلے میں مولانا خورشید حسن قاسمی رقم طراز ہیں:

”حکیم صاحب اگرچہ ظاہری اعتبار سے ایک کمزور انسان تھے لیکن اپنے عزم اور حوصلہ اور شجاعت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے یہی وجہ ہے کہ ریلوے روڈ پر واقع مسجد عمر کی تعمیر اور توسیع کے سلسلے میں آپ نے اغیار کی دھمکیوں اور سنگین سے سنگین محاذ آرائی کی معمولی سی بھی پرواہ نہ کی، آخر کار قانونی اعتبار سے کامیابی حاصل کر کے مسجد عمر کی تکمیل کر ڈالی، جو کہ دیوبند کی ایک تاریخی مسجد ہے۔“

حکیم صاحبؒ کا متوسلانہ تعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ سے تھا، اسی لئے سیاسی افکار ونظریات میں بھی حضرت تھانوی قدس سرہ کے پکے پیروکار رہتے۔ آپؒ کو طب یونانی کی بنیادی کتب جیسے ”شرح اسباب، کلیات شیخ، قانونچہ، نفیسیہ“ وغیرہ پر کمال عبور حاصل تھا، چنانچہ ایک طویل مدت تک دارالعلوم دیوبند میں مذکورہ کتب کا درس آپ ہی سے متعلق رہا، اور اسی لئے آپ کو جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند کا صدر بھی بنایا گیا، آپ کے اس فن میں تلامذہ سیکڑوں سے متجاوز ہیں، کئی بڑے اساطین علم، اور چوٹی کے علماء فن طب میں آپ کے خصوصی شاگرد رہے ہیں، خود حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ نے بھی طب کی اہم کتابوں کا درس آپ سے حاصل کیا۔ ”حمیاتِ قانون، شرح اسباب اول، شرح اسباب ثانی، قانونچہ“ میں مولاناؒ کے تن تنہا استاذ حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ ہی تھے، مولانا نصیر احمد خان صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے مذکور کتابیں حکیم صاحب سے باضابطہ طریقہ سے پڑھیں اور باقاعدگی سے ان کا امتحان بھی دیا۔

حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب امروهوی:

حضرت مولانا ”عبدالرحمٰن صاحب امروہوی“ تاریخ دیوبند کے ایک روشن باب ہیں، علوم عقلیہ ونقلیہ دونوں میں کامل دسترس حاصل تھی، حضرت الامام قاسم نانوتویؒ کے آخری شاگردوں میں سے تھے۔ تقریباً ۱۲۷۷ھ میں عروس البلاد بمبئی میں پیدا ہوئے، حفظ قرآن پاک کی سعادت سے مکہ مکرمہ میں بہرہ ور ہوئے، حفظ قرآن کے بعد ابتدائی تعلیم بھی مکہ مکرمہ میں حاصل کی، اس کے بعد حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا

،حضرت محدث امروہوی چونکہ خود بہت محنتی اور باصلاحیت عالم تھے؛ اس لئے آپ کے تلامذہ میں بھی آپ کا یہ رنگ دیکھنے کو ملتا تھا۔اس کے بعد آخر میں مولانا عبدالرحمٰن امروہوی دیوبند تشریف لائے یہاں آپ نے تفسیر وحدیث کے کچھ اسباق حضرت نانوتوی قدس سرہٗ سے پڑھے،اس سے پہلے ''محدث امروہوی'' کی خدمت میں رہ کر (علومِ نانوتوی) سے کافی مناسبت ہوگئی تھی،اس لئے دیوبند میں جب یہی علوم براہ راست حضرت نانوتوی قدس سرہٗ سے حاصل کئے تو ذہن ودماغ میں اس طرح راسخ ہوئے کہ تاحیات آپ پر ان علوم قاسمیہ کا رنگ غالب رہا۔آپ کے تفسیر وحدیث کے درس میں بھی متکلمانہ رنگ غالب تھا،جو درحقیقت حضرت نانوتویؒ اور محدث امروہویؒ کے فیضِ صحبت کا اثر تھا۔مولانا عبدالرحمٰن امروہوی تدریسی اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے ،تمام علوم متداولہ بالخصوص علم کلام اور عقائد میں ان کی ذات بے مثال تھی اکثر وبیشتر حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے علوم کے حوالے دیتے تھے،تفسیر میں ان کو خاص کمال حاصل تھا۔

ملک کے کئی بڑے مدارس میں آپ نے درس وتدریس کی طویل مدت تک خدمت انجام دی،مدرسہ شاہی مراد آباد،بمبئی،جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور مدرسہ جامعہ اسلامیہ امروہہ میں ۶۰ رسال تک علوم دینیہ کی تدریس میں مشغول رہے،اسلئے ان کے فیض یافتگان کی تعداد کثرت سے پائی جاتی ہے۔

۱۳۶۲ھ میں کچھ عرصہ کے لئے دار العلوم دیوبند میں بھی تفسیر وحدیث کے اسباق پڑھائے،اسی عرصہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ نے بھی آپ سے علمی استفادہ کیا،اس کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ امروہہ تشریف لے گئے،اس تاریخی مدرسہ میں آپ کو شیخ الحدیث وشیخ التفسیر کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔حدیث وفقہ کے اعتبار سے ملک کے مقتدر اور چوٹی کے علماء میں آپ کا شمار تھا۔تفسیر بیضاوی پر آپ نے حاشیہ رقم فرمایا،اسی طرح مختصر اور مطول پر بھی مفید حواشی تحریر فرمائے،تصوف وسلوک میں آپ کے مرشد قطب عالم شیخ المشائخ حضرت ''حاجی امداد اللہ مہاجر مکی'' تھے۔اس مبارک راہ کے تمام مراحل اور مقامات حضرت شیخ المشائخ ہی کے زیر تربیت رہ کر کے طے کئے چنانچہ تربیت مکمل ہونے پر حضرت حاجی صاحب نے آپ کو اجازت بیعت سے بھی نوازا،پوری زندگی تقوی وطہارت کو اپنا شعار بنائے رکھا،علم میں گہرائی وگیرائی کے ساتھ اِنابت،خشیت،للّٰہیت،امت کی فکر،ملت کا درد اللہ واسطے دوستی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی،عمدہ اخلاق،برائیوں سے نفرت ذکاوت وذہانت درس وتدریس میں جامعیت آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔

۹۰ رسال کی عمر میں ۲۲ ر جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ کو واصل بحق ہوئے،جامع مسجد امروہہ کے صحن کے جنوبی گوشہ میں (جہاں پہلے سے آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ مدفون ہیں) آپ کو دفن کیا گیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق حقانی صاحب

بانی دار العلوم اکوڑہ خٹک:

(ولادت ۱۳۲۷ھ،وفات ۱۴۰۹ھ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق حقانی صاحب ان علمائے حقانی اور مشائخ ربانی میں سے تھے جن کے وجود سے علم ودانش زہد وتقوی اور یقین ومعرفت کی بنیادیں استوار ہوئی ہیں اور جن کے علم وعمل،اخلاص وللّٰہیت اور طہارت وتقوی پر زمانہ فخر کرتا ہے،آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے تلمیذ رشید بلکہ عکس جمیل تھے۔

۷ رمحرم الحرام ۱۳۲۷ھ بروز اتوار جناب الحاج ''معروف گل'' مرحوم کے گھر واقع اکوڑہ خٹک ضلع پیشاور میں پیدا ہوئے،ابتدائی تعلیم والدہ ماجدہ اور والد محترم سے حاصل کی۔پھر علاقہ کے علماء مولانا عنایت اللہ صاحب،مولانا عبدالجمیل صاحب،مولانا عبدالرزاق صاحب،شاہ منصوریؒ،مولانا عبد

القادر شیخ وغیرہم سے ''ملاحسن'' تک کی کتابیں پڑھ کر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان کا رخ کیا، دہلی، میرٹھ، کلکتہ، گلاؤٹھی، امروہہ میں رہ کر مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی۔

۱۳؍شوال ۱۳۴۷ھ کو دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور پانچ سال رہ کر از ہر ہند کے اساطینِ فضل وکمال سے اکتساب فیض کر کے ۱۳۵۲ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔ آپ کے زمانۂ طالبعلمی کی داستان بڑی صبر آزما، سبق آموز، ولولہ انگیز اور محنت ومجاہدہ سے بھرپور ہے، کئی کئی مہینہ صرف ایک روٹی پر اکتفا کرنا پڑا ہے، چھ چھ مہینے پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔

۱۳۶۲ھ میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مسند تدریس پر فائز ہوئے، جہاں ۱۳۶۶ھ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ تقسیم وطن کے بعد دیوبند واپسی نہ ہوسکی اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی بنیاد رکھی، جس کو پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کا نقش ثانی سمجھا جاتا ہے۔ عمر بھر اس دارالعلوم کے مہتمم اور شیخ الحدیث رہے، آپ کے تلامذہ کی تعداد ساڑھے چھ ہزار ہے۔ درس وتدریس ووعظ تبلیغ کے ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی رہا، ''مقام صحابہ، خلافت راشدہ، دعوت حق، حقائق السنن''، وغیرہ متعدد کتابیں منظر عام پر آئیں، اسی کے ساتھ پاکستان قومی اسمبلی کے ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۵ء میں تین مرتبہ اکثریت سے ممبر منتخب ہوئے اور قومی اسمبلی میں مسلسل حق کی آواز بلند کی، جس کی تفصیل قومی اسمبلی میں ''اسلامی معرکہ'' نامی کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

علم وعرفان کا یہ آفتاب ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ مطابق ۷؍ستمبر ۱۹۸۸ء کو غروب ہوگیا۔

(ماخوذ از ''حضرت فدائے ملت کے عظیم المرتبت استاذ'' مرتبہ: مولانا معزالدین، ندائے شاہی، فدائے ملت نمبر ص ۸۸)

حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب پنجابیؒ:

(ولادت ۱۳۱۹ھ وفات ۱۴۰۵ھ)

آپ حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، نہایت عالی قدر، محقق، فاضل ومحدث، جامع معقول ومنقول اور صاحب تصانیف جید عالم تھے، رئیس الفقہا اور سید المناظرین کے نام سے معروف تھے۔ ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں قاضی شیر محمد بن زین العابدینؒ کے گھر موضع پڑی داخلی ناڑا پنڈی گھیپ ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم بڑے بھائی مولانا قاضی ''نور محمد'' سے حاصل کی اور درس نظامی کی بیشتر کتابیں ''مدرسہ حسینیہ، انہی شریف'' میں ''غلام رسول بابا انہی والا'' اور مولانا ''ولی اللہؒ'' سے پڑھیں، حضرت مولانا ''حسین علی'' محدث بچھروال والا کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

۱۹۲۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسینؒ دیوبندیؒ، مولانا رسول خاں ہزارویؒ اور شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ، مدرسہ خادم الاسلام شرعیہ، مدرسہ اشاعت العلوم فیض آباد اور مختلف مدارس میں علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

۱۳۶۲ھ میں تقریباً ایک سال دارالعلوم دیوبند میں درس دیا، ۱۹۶۰ء میں ''جامعہ صدیقیہ گوجرانوالہ'' کی بنیاد رکھی، اور آخری دم تک اس کے شیخ الحدیث والتفسیر رہے، درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی سلسلہ جاری رہا، آپ کی قابل ذکر تصانیف میں ''الہام الباری فی حل مشکلات البخاری، انوار البیان فی اسرار القرآن، رسالۂ تراویح، سالک العلماء فی حیاۃ الانبیاء، شرح عبدالرسول اور افادات حسینیہ'' شاہکار کتابیں ہیں۔

آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ، احیائے سنت اور رد بدعت کی خاطر علمی وعملی جد وجہد میں گزاری۔ شیعوں، بریلویوں اور قادیانیوں سے مناظرے کئے

آپ حضرت مولانا حسین علی نقشبندیؒ کے خلیفہ ومجاز، عالم باعمل، متبع شریعت، صوفیٔ باصفات اور نفلی عبادات کا خاص اہتمام رکھنے والے عظیم پیکر

تھے، عمر بھر تہجد، اشراق وغیرہ نوافل کے پابند رہے، درسِ قرآن عمر بھر کا معمول رہا۔

۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ مطابق ۳۱؍مئی ۱۹۸۵ء کو وصال فرمایا مولانا عنایت شاہ بخاری (متوفی ۱۴۲۰ھ) نے نماز جنازہ پڑھائی اور گوجرانوالہ میں آخری آرام گاہ پائی (ندائے شاہی، فدائے ملت نمبر ص ۸۰)

حضرت مولانا عبد الخالق صاحب ملتانیؒ:

حضرت مولانا کے اساتذہ کی فہرست میں ایک واضح نام حضرت مولانا ''عبد الخالق صاحب ملتانیؒ'' کا ہے جن سے آپ نے کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ حضرت مولانا عبد الخالق صاحب ملتانی کا شمار دار العلوم دیوبند کے اہم اور کامیاب اساتذہ میں رہا۔ فنون کی کئی اہم کتابوں کے علاوہ ''بیضاوی شریف اور مشکوۃ شریف'' جیسی کتابوں کا سبق ایک عرصہ تک آپ کے متعلق رہا۔

۲۳؍ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ مطابق ۵؍مئی ۱۸۹۶ء بستی ''ولی محمد، جھنڈیہ، تحصیل شورکوٹ، ضلع جھنگ'' کے ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کی گذشتہ کئی پیڑھیاں علماء رہی ہیں، چنانچہ آپ کے والد محترم حضرت مولانا احمد دین صاحب اپنے علاقے کے مشہور عالم دین تھے، پورے خطے پر ان کے اثرات تھے۔ اسی طرح آپ کے دادا حضرت مولانا محمد امین صاحبؒ بھی مشہور عالم دین اور تقوی وطہارت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا نور الحق صاحب معقولات ومنقولات کے جید استاذ تھے، درس نظامی کی زیادہ تر کتابیں آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا نور الحق صاحب سے پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۴۱ھ میں دار العلوم حاضر ہوئے اور ۱۳۴۳ھ میں سند فراغت حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں علامہ انور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی، مولانا احمد صاحب ہزاروی، مولانا رسول خان ہزاروی، جیسے اساطین علم وفضل شامل ہیں۔ طبیعت میں نیکی اور شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اسی کے ساتھ شوق علم، محنت، لگن اور کثرتِ مطالعہ کی وجہ سے اساتذہ کی خصوصی توجہات کے حامل تھے۔

فراغت کے بعد ''کٹھال عبد الحکیم تحصیل کبیر والا، ضلع ملتان'' سے درس وتدریس کا آغاز کیا، اس کے بعد ''جامعہ عباسیہ بہاول پور'' میں تین سال تدریس کے فرائض انجام دئے پھر ملتان کے مدرسہ نعمانیہ میں پانچ سال تک پڑھایا، بعد ازاں محمد یہ نڑھال میں ۱۳؍سال تک متواتر تشنگان علوم کو اپنے چشمۂ علم سے سیراب کیا۔ پھر ۱۳۶۳ھ میں ارباب دار العلوم دیوبند کے تقاضہ پر آپ دار العلوم دیوبند تشریف لائے یہاں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ کم وبیش پانچ سال درس نظامی کی اعلیٰ ومتوسط کتابوں کا درس دیا۔ ۱۳۶۷ھ میں دار العلوم کبیر والا ملتان کی بنیاد رکھی اور اخیر عمر تک وہیں درس وتدریس میں مشغول رہے۔

زمانۂ طالب علمی میں حضرت مولانا ابو اسعد احمد صاحب بانی ''خانقاہ سراجیہ کندمان شریف'' سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے ابھی اوراد واشغال مکمل نہیں ہوئے تھے کہ آپ کے مرشد کا انتقال ہوگیا۔ ان کے جانشین حضرت مولانا عبد اللہ صاحب لدھیانوی سے تجدید بیعت کی اور ان کے خلیفہ ومجاز ہوئے۔ آپ ایک محقق عالم کامیاب مدرس، اچھے منتظم خوش پوش اور ہنس مکھ انسان تھے، پوری زندگی تجرد میں گذاردی۔

۱۵؍نومبر ۱۹۶۶ء یکم شعبان ۱۳۸۶ھ کو بعد نماز فجر مراقبہ کی حالت میں وصال ہوا اور احاطۂ دار العلوم کبیر والا میں آسودۂ خواب ہوئے۔

(از: حضرت فدائے ملت کے عظیم المرتبت استاذ، ندائے شاہی فدائے ملت نمبر واز اکابر علماء دیوبند مؤلفہ اکبر شاہ بخاری ملت نمبر)

شیخ القراء حضرت قاری حفظ الرحمن صاحبؒ:

(۱۳۸۸ھ)

دار العلوم دیوبند میں آپ کے قرأت کے استاذ شیخ القراء حضرت مولانا قاری ''حفظ الرحمٰن صاحبؒ'' پرتاپ گڑھی قدس سرہٗ ہیں۔ آپ نے قراءت کی تمام کتابیں مع مشق حدراً وترتیلاً حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ سے پڑھیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کا مختصر تعارف ''رجال قرأت'' پر لکھی گئی ایک اہم کتاب (حسن المحاضرات فی رجال القرأت مؤلفہ: حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم) سے نقل کر کے پیش کیا جارہا ہے۔

''حضرت قاری ''عبدالوحید'' خان صاحب کے انتقال کے بعد دارالعلوم دیوبند میں جب تجوید وقرأت کی مسند خالی ہوئی تو پھر کسی ایسی ہی باصلاحیت شخصیت کی تلاش ہوئی جو نہ صرف اس جگہ کو پر کرے بلکہ دارالعلوم کے جملہ شعبوں میں روزافزوں ترقیات کے پیش نظر ان کے دوش بدوش شعبۂ تجوید وقرأت کو مزید ترقی دے اور اپنے پیش روکی روایات کو اور آگے بڑھانے اور دارالعلوم دیوبند کو فن تجوید و

قرأت کی حیثیت سے نہ صرف ملک گیر بلکہ عالم گیر شہرت دینے کا باعث بنے، چنانچہ بالآخر شیخ القراء حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ ہی کے دوسرے مشہور ومحبوب شاگرد حضرت قاری ''حفظ الرحمٰن صاحبؒ'' پر نظر پڑی اور آپ کو اس شعبے کی مسند صدارت پر فائز کیا گیا۔

آپ ضلع پرتاپ گڑھ کے رہنے والے تھے، ولادت ۱۳۱۷ھ کی ہے، ۱۳۲۹ھ میں آپ نے جامع العلوم کانپور میں تین سال تک تعلیم حاصل کی، پھر اس کے بعد آگرہ تشریف لے گئے، جہاں شیخ القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے روایت حفص میں مہارت حاصل کی، اس کے بعد غالباً ۱۳۳۷ھ میں حضرت الاستاذ جناب قاری عبدالمالک صاحبؒ کے ہمراہ الہ آباد اور قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی کی خدمت میں حاضری دی، یہاں آپ نے قرأت سبعہ وعشرہ کی کتابیں ''التیسیر، شاطبیہ، رائیہ، الوجوہ المسفرہ، درّہ'' وغیرہ پڑھیں۔

ان نصابی کتابوں کی تکمیل کے بعد بھی آپ الہ آباد میں استاذ کے پاس مقیم رہے اور ہر سال طلبہ کی جدید جماعت کے ساتھ ان کتابوں میں شریک ہوتے رہے، اس طرح چار سال تک آپ نے حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ کی خدمت بابرکت میں رہ کر علم میں پختگی اور فن میں اتنی مشق ومہارت پیدا کر لی کہ جو کچھ استاذ سے پڑھا تھا، سب حفظ ہوگیا۔

الہ آباد سے فراغت کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے یہاں آپ نے چار سال تک درس نظامی کی تعلیم کی تکمیل کی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں صدر شعبہ کی حیثیت سے فائز کئے گئے، حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب کی آمد سے دارالعلوم دیوبند میں تجوید وقرأت کے درس کا انداز ہی بدل گیا، تعلیم کے وقت کتاب سے کم، خود اپنے حافظہ سے زیادہ کام لیتے، پڑھاتے وقت اصول وقواعد خود زبانی کہتے جاتے اور طالب علم اسے دہراتا جاتا، تاوقتیکہ طالب علم کو مسائل ازبر نہ ہوجاتے، خود خاموش نہ ہوتے اس طرح اساتذہ کا پڑھایا ہوا سبق دم کے دم میں طالب علم کے سینے میں محفوظ ہوجاتا، درس اور تعلیم کا یہ طریقہ اور انداز بلاشبہ محنت شاقہ اور نہایت ذوق لگن کا طالب ہے۔

آپ ماہر فن اور حافظ قرآن ہونے کے ساتھ بڑے خوش الحان اور خوش لہجہ بھی تھے ادائیگی پر کامل عبور تو تھا ہی، بے شمار عربی لہجوں کے جامع تھے، آپ کے زمانے میں ملک اور بیرون ملک سے فن تجوید کے شائقین طلبہ جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ اس شعبے کا فیض ملک سے باہر آپکے دور سے نمایاں نظر آتا ہے، آپ نے کم وبیش چالیس سال تک تجوید وقرأت کی خدمت دارالعلوم دیوبند میں انجام دی، آپ نے حضرت مولانا تھانویؒ کے مشہور ومقبول رسالہ ''جمال القرآن'' بنام ''تسہیل الفرقان'' پر ایک عمدہ اور بیش قیمت حاشیہ لکھا، آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، جن میں سے قابل ذکر تلامذہ درج ذیل ہیں۔

قاریٔ عشرہ، المقری فتح محمد نابینا پانی پتی، قاری عبدالشکور صاحب پانی پتی، قاری محمد حسن مالا باری، قاری محمد میاں، قاری عبدالجلیل، قاری عبداللہ سلیم صاحب دیوبندی، قاری محمد طیب صاحب فیض آبادی، قاری فیض الحسن جموی، قاری گل محمد قندھاری، قاری محمد عثمان سورتی، قاری محمد حسین صاحب راندیری وغیرہم۔

۲۴رشوال ۱۳۸۸ھ کو آپ ایک طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے، مزار قاسمی دیوبند میں مدفون ہیں۔

(دارالعلوم دیوبند اور خدمات تجوید وقرأت ص: ۱۰ تا ۱۲ تذکرہ قاریان ہند جلد ۳ ص ۳ سوانح قاری عبدالمالک۔ ص: ۲۰۰، ۲۰۱)

چوتھا باب

حضرت شیخ الحدیث

کا تدریسی دور

☆☆☆☆☆

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا آغاز:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب اپنے استاذ محترم حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب قدس سرہٗ کے معتمد تھے، حضرت مدنی قدس سرہٗ کو آپ کے علم وعمل اور تقوی پر کامل اعتماد اور بھروسہ تھا، اس لئے حضرت مدنیؒ نے آنجناب کو دارالعلوم کی تدریس کے لئے منتخب کیا، اور شوری میں تجویز پاس کرائی۔

ماہ ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ میں بحیثیت مدرس آپ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا۔ آپ کے دارالعلوم دیوبند میں تقرر کے سلسلے میں چونکہ تمام تر کوششیں آپ کے استاذ محترم اور خصوصی مربی حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی مرہون منت تھیں، اس لئے آپ کے اس تقرر پر حضرت مدنی قدس سرہٗ کو بھی غیر معمولی مسرت ہوئی۔

مولانا خود فرماتے تھے کہ: جب میرا تقرر ہو گیا تو حضرت مدنیؒ خود بھی بہت خوش تھے اور گھر آکر اپنی اہلیہ سے اس خوشی کا اظہار کیا، آپا جی (حضرت مدنی کی اہلیہ) فرماتی تھیں کہ جب حضرت نے مولانا نصیر احمد خان صاحب کا تقرر کیا تو گھر آکر بڑی خوشی کے ساتھ فرمایا کہ: ''آج ہم نے خان صاحب کا تقرر کر دیا''۔

دارالعلوم دیوبند میں اولاً اعزازی، ابتدائی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، پھر دو سال بعد ۲۸ رصفر ۱۳۶۷ھ کو باقاعدہ آپ کا تقرر عمل میں آیا اور اسی سال آپ کی حسنِ کارکردگی کی وجہ سے آپ کا استقلال بھی کر دیا گیا۔ سالِ تقرر سے آخری حیات تک آپ دارالعلوم کی مسند تدریس پر فائز رہے، اس درمیان ہزاروں تشنگانِ علوم نے آپ کے چشمۂ علمی سے استفادہ کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تدریسی خدمات کا عرصہ بہت طویل ہے، اتنا طویل کہ موجودہ زمانے میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اور شاید گذشتہ زمانے میں بھی اس قدر طویل مدت وابستگی کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ وہ سعادت اور فضیلت ہے جو ہر کسی کو میسر نہیں ہوتی۔

''ایں سعادت بزور بازو نیست''

تقریباً ۶۵ رسال تک آپ مسند درس پر جلوہ افروز ہو کر فیضانِ علم وہدایت کے گوہر لٹاتے رہے، اگر اس مدت میں تحصیل علم کی بھی مدت ملائی جا

ئے تو تقریباً ۷۰ رسال ہو جاتے ہیں جو موجودہ زمانے کے اعتبار سے نہایت طویل مدت ہے۔ آج کے زمانے میں ساٹھ یا ستر سال میں عموماً آدمی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، ایسے خوش نصیب کم ہی ہوتے ہیں جنہیں اس قدر طویل عمر اور طویل خدمت کا موقع مل جاتا ہے۔ قدرت نے آپ کو جو عمر طویل عنایت فرمائی اس کا بیشتر حصہ علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت میں ہی صرف ہوا، آج دارالعلوم دیوبند میں چھوٹے بڑے سب ہی اساتذہ تقریباً آپ کے شاگرد ہیں؛ بلکہ برصغیر، ہندو پاکستان اور بنگلہ دیش میں موجود علمائے کرام کا اکثر طبقہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کا فیض یافتہ ہے۔

آپ کے زیر درس کتابیں:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ کی اہم خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں درس نظامی کی اکثر کتب آپ کے زیر درس رہیں، چنانچہ آپ نے میزان الصرف اور منشعب سے تدریس کا آغاز کیا اور ''ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، سلم العلوم، مقامات حریری، مختصر المعانی، جلالین شریف، ہدایہ اولین، ہدایہ آخرین، ملاحسن، مؤطا امام مالکؒ، ترمذی شریف، طحاوی شریف، مسلم شریف، اور پھر بخاری شریف'' جو آخیر تک آپ کے زیر درس رہی، تمام ہی کتابیں آپ نے پڑھائیں۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ قدیم زمانے میں زیر درس کتابوں کے بدلنے کا دستور بہت کم تھا، ایک ہی استاذ ایک کتاب کو دس دس اور بیس بیس برس پڑھاتا تھا، اور بدلنے کی درخواست بھی عموماً کم ہی دی جاتی تھی، اس وجہ سے وہ حضرات اپنی اپنی زیر درس کتابوں کے امام ہوتے تھے، کتاب اور فن کتاب سے متعلق تمام مضامین حفظ ہو جاتے تھے، اسی کے ساتھ ارباب مدارس بھی ان کے لئے ان کے زیر درس کتب سے متعلق حواشی و شروحات جو دستیاب ہو سکتی تھیں؛ مہیا کراتے تھے، وہ استاذ تمام کتب و حواشی سے بھرپور فائدہ اٹھاتا تھا، جس کی وجہ سے کتاب اور فن کا امام بن جاتا تھا۔

دیوبند میں درس حدیث اور اس تعلق سے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ کی خدمات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، اور تقریرات کو حدیث کہا جاتا ہے جو بجائے خود وحی اور قرآن کریم کی جامع تشریح و توضیح ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو براہ راست سننے والے اور آپ کے مبارک اعمال و افعال کو بچشم خود دیکھنے والے صحابۂ کرام نے آپ سے حاصل شدہ اس علم و ہدایت کے خزانے کی غیر معمولی اہتمام کے ساتھ حفاظت کی اور پوری امانت کے ساتھ بعد والوں کو پہونچایا، پھر بعد کے قرنوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے بہترین افراد کو اس عظیم اور مبارک علم کی تدوین و ترتیب، تحقیق و تنقید، تعلیم و تعلم، ترجمہ و تشریح اور حفاظت و اشاعت جیسی خدمات کی ایسی توفیق دی جو کبھی کسی قوم اور کسی امت کو نہیں ملی، اسی کا نتیجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے تشریف لیجائے ہوئے اگرچہ چودہ صدیاں بیت گئیں مگر آپ کے ارشادات اور اسوۂ حسنہ ہر طرح سے محفوظ اور موجود اور ہر راہ رو کے لئے اسی طرح روشنی کا مینارہ ہیں جس طرح قرن اول میں تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ سلسلۂ نبوت ختم کردئے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی حفاظت کا یہ انتظام ہونا ضروری بھی تھا جبکہ آپ کے بعد کوئی نیا پیغمبر اب قیامت تک آنے والا نہیں ہے، اور آپ ہی جب اس دنیا کی آخری نسل تک کے لئے نبی ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کی تعلیمات و ہدایات اور آپ کا مبارک اسوہ اس دنیا کے آخری دن تک محفوظ رہے، تاکہ ہر زمانے کے طالبانِ ہدایت اس سے وہ نور اور روشنی حاصل کرتے رہیں جو آپ کے زمانے میں آپ پر ایمان لانے والے خوش نصیب آپ کے مقدس و منور ہستی سے حاصل کرتے تھے، آج یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ چودہ سو سال سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل یہ انتظام رہا ہے، اور آئندہ بھی ان شاء اللہ یہ خداوندی انتظام یوں ہی رہیگا۔

برصغیر ہند میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی علم حدیث کا چرچا ہو گیا تھا اور اس عظیم فن کی خدمت کے لئے کئی نابغۂ روزگار ہستیاں بھی اس سرزمین میں پیدا ہو چکی تھیں جن میں صاحب مجمع البحار ''شیخ محمد طاہر پٹنی'' اور صاحب کنز العمال ''شیخ علاؤ الدین علی متقی حنفی'' ان کے بعد ''شیخ عبدالحق محدث دہلوی

اور پھر یہ مبارک سلسلۂ ولی اللہی ۔''

مگر پھر عیار انگریز کی اسلام دشمن پالیسی سے اس مبارک علم کی تمام درسگاہیں بند ہوگئیں اور ایسے حالات ہوگئے کہ مسلمانوں کو اسلامی اوامر کے ساتھ جینا مشکل ہوگیا، قریب تھا کہ یہ علم اور تمام علوم اسلامیہ ارض ہند سے تمام آثار کے ساتھ مٹادئے جاتے ، ایسے میں اللہ تعالیٰ نے علمائے دیوبند کو اپنے پسندیدہ دین اسلام اور علوم اسلامیہ بالخصوص حدیث پاک کی حفاظت واشاعت کے لئے منتخب کرکے کھڑا کیا، یہ حضرات تن من دھن کی بازی لگا کر میدان عمل میں اترے اور مکمل جانفشانی، محنت اور جدوجہد کے ساتھ اس عظیم خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ کہنا چاہئے کہ برصغیر ہند میں علم حدیث کی نشأۃ ثانیہ کے علم بردار اور تمام ممالک مشرق میں اس فن کے واحد ترجمان و محافظ اور اس مبارک علم کی اشاعت و ترویج کے سب سے بڑے ذمہ دار حضرات اکابر دیوبند تھے، جس طرح علم حدیث کی حفاظت کے سلسلے میں علمائے دیوبند کی قربانیاں لازوال ہیں، ٹھیک اسی طرح اس علم کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں ان کا کردار بے مثال ہے اور انتہائی وقیع ہے، ان حضرات نے جذبۂ حفاظتِ حدیث کے پیش نظر تدریس حدیث کا ایک منفرد طریقہ ایجاد کیا جو اس سے پہلے حدیث کی درسگاہوں میں رائج نہیں تھا، تدریس حدیث کے اس جدید اسلوب سے پہلے تیرہویں صدی عیسوی کے وسط تک درس حدیث کا مروج طریقہ محض حدیث کے ترجمے، ائمۂ اربعہ کے مذاہب اور زیادہ سے زیادہ معروف اختلافات کی تشریحات پر مبنی تھا، چنانچہ علمائے دیوبند نے درس حدیث میں جامعیت اور تفصیلی نوعیت کی بنیاد ڈالی۔ ان حضرات نے ترجیحات، تنقیحات اور تعلیقات نیز مسلک احناف کے متدلات اور ان متدلات کے ترجیحی پہلو اور اس کے اوفق بالکتاب والسنہ ہونے کے دلائل و براہین کی ضروری وضاحت کو درس حدیث کا حصہ بنایا۔ اسی طرح احادیث کے مفہوم و مطالب میں غور وفکر، تدبر و تفکر اور صحیح معانی و مصداق کے تعین میں معیاری اور کامل تحقیق کو طریقۂ درس حدیث میں شامل کیا، اکابر دیوبند کا ایجاد کردہ یہ طریقۂ درس حدیث آج تقریباً تمام مشرقی ممالک میں رائج ہے، بیشمار ممالک بالخصوص ہند، پاکستان و بنگلہ دیش کے قریب قریب تمام مدارس دینیہ اور مراکز اسلامیہ میں جہاں بھی درس حدیث جاری ہے، اسی نہج پر جاری ہے۔

خود دار العلوم دیوبند میں طریقۂ درس کے اس معیار میں آج تک کمی نہیں آئی، دار العلوم دیوبند کے اولین اکابر (جو اس عظیم علم میں اپنا پایہ بہت بلند رکھتے تھے اور جن کی اس فن میں مہارت زمانے کو مسلم تھی) جو نظام درس اس وقت قائم کیا تھا ان کی روحانی اولاد نے آج تک وہ سلسلہ اسی طرح قائم رکھا ہے

۔

درس حدیث کا کوئی گوشہ یا پہلو ایسا نظر نہیں آئیگا جس پر علمائے دیوبند نے تشریحانہ اور مبصرانہ کلام نہ کیا ہو، علمائے دیوبند کے درس حدیث، انداز بیان، اور طرز تشریح سے متاثر ہوکر عرب کے مشہور قلم کار اور معروف علمی رسالہ ''المنار'' کے مدیر علامہ رشید رضا مصری جب ۱۹۱۳ء میں دار العلوم دیوبند تشریف لائے تو کھلے دل کے ساتھ علمائے دیوبند کی خدماتِ حدیث کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر ہمارے بھائی علمائے دیوبند کی توجہ اس زمانے میں ''علم حدیث'' کی طرف مبذول نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ مصر، شام، عراق، حجاز، میں دسویں صدی ہجری سے چودہویں صدی ہجری کے اوائل تک یہ علم ضعف کی آخری منزل پر پہونچ گیا تھا۔''

جن محدثین نے دار العلوم دیوبند میں رہ کر حدیث کی خدمت انجام دی ہے ان میں سرفہرست حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمود حسن صاحب المعروف بہ ''شیخ الہند'' دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ اور حضرت اقدس علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور پھر حضرت شیخ الاسلام کے جانشین مسندِ درسِ حدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ ہیں ۔ یہ حضرات حدیث سے متعلق تمام علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ تقوی وطہارت میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، یہاں ایک بات قابل لحاظ ہے کہ دار العلوم دیوبند میں تعلیم، وتعلم کے ساتھ تمام امور میں خواہ ان کا تعلق طلبہ سے ہو یا مدرسین سے تقوی وطہارت کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسی لئے مدرسین کو کتبِ تفسیر وحدیث دیتے وقت ارباب دار العلوم دیوبند نے ہمیشہ اس بات کو ملحوظ نظر رکھا ہے۔

دار العلوم دیوبند میں حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ کے درس حدیث کا آغاز ۱۳۹۱ھ سے ہوتا ہے۔

۱۳۹۱ء سے ۱۳۹۷ء تک حدیث شریف کی تین کتب آپ کے زیر درس رہیں، طحاوی شریف، موطا امام مالکؒ، مسلم شریف جلد ثانی، پھر ۱۳۹۷ھ سے بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق ہوگیا۔ پہلے سال بخاری شریف کی دونوں جلدیں آپ نے پڑھا ئیں، اگلے سال سے بخاری شریف جلد اول آپ سے متعلق رہی اور جلد ثانی مشتر کہ طور پر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا سالم صاحب صاحبزادہ حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ پڑھا تے رہے۔ بخاری شریف جلد اول کا سبق ۱۳۹۷ھ سے ۱۴۲۹ھ تک آپ کے پاس رہا، اس دوران آپ مکمل جاہ وجلال اور تمام آداب کی رعایت کے ساتھ اس عظیم کتاب کا درس دیتے رہے، عمر کے آخری مرحلہ میں آپ کی تقریر کی آواز سن کر آپ کی سن رسیدگی کا بالکل اندازہ نہیں ہوتا تھا، آپ نہایت جھوری الصوت تھے، قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ آپکو حسن صورت اور حسن سیرت، حسن صوت اور عمدہ اخلاق سے نوازا تھا، رفیع الصوت ہونے کے ساتھ آپ کی آواز نہایت شیریں اور دلکش تھی، اسی طرح لب ولہجہ اور ادائیگی حروف میں بھی نرالا پن تھا، آپ کی عمومی گفتگو بھی صحت تلفظ کے معیار سے گری ہوئی نہیں ہوتی تھی، درسی تقریر کا تو جواب ہی نہیں تھا، تقریر میں عام فہم اور مانوس الفاظ کا استعمال اس طرح فرماتے کہ غبی سے غبی طالب علم بھی آپ کی تقریر سے بخوبی استفادہ کر لیتا تھا، تاہم وقار وسنجیدگی آپ کے درس کا خصوصی امتیاز تھا۔

آپ کے درس بخاری کی خصوصیات:

آپ سے پہلے دار العلوم دیوبند میں مسندِ تدریسِ بخاری پر جلوہ افروز، جو اکابر تھے وہ سب اپنے اپنے وقت کے یگانۂ روزگار تھے۔ ان کے علم کے چرچے چہار دانگ عالم میں تھے، وہ ایک طرف علم وفن کے آفتاب وماہتاب تھے تو دوسری طرف میدان عمل کے بھی بے مثال اور کامیاب شہسوار تھے، ان کا بنیادی مشغلہ اگرچہ دار العلوم دیوبند میں درس وتدریس تھا مگر ساتھ ساتھ امت کی قیادت ورہنمائی کو بھی اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے، اور اس تعلق سے جب اور جہاں کہیں بھی امت نے ان کی ضرورت محسوس کی تو انہوں نے اپنے آپ کو پیش پیش رکھا۔

ظاہر ہے ایسے اکابر کی مسند نشینی کے لئے اعلیٰ اقدار اور خصوصیات کے حامل یا کم از کم ان نقوش قدسیہ کی پاکیزہ روایات کا محافظ کسی اعلیٰ پیکر کا انتخاب ضروری تھا چنانچہ ارباب دار العلوم دیوبند کی دوررس نگاہوں نے ان خصوصیات اور امتیازات کو بالاتفاق حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ میں بدرجۂ اتم پایا، جس کی وجہ سے آپ ہی اکابر کی اس عظیم مسند کے لئے منتخب کئے گئے۔

سب جانتے ہیں کہ آپ نے اس مسند کا مکمل حق ادا کیا، درس میں پابندی کے ساتھ آپ کی حاضری ضرب المثل تھی، آپ کی تدریسی اور طبعی تمام خصوصیات کو ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا، بہت سے اشخاص نے ان خصوصیات کو اپنا کر زندگی کے بہت سے مراحل میں کامیابی حاصل کی، آپ کے درس بخاری کی خصوصیات بیک نظر ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت مولانا قدس سرہٗ کا درس حبِّ نبوی اور عشق رسول سے معمور رہتا تھا، دوران سبق کئی مرتبہ آپ کی آواز بھرّا جاتی، دل امنڈ آتا، آنکھیں اشک بار ہو جاتیں، جس سے تمام طلبہ متأثر ہوتے اور اپنے دلوں میں عجیب کیف وسرور محسوس کرتے۔

(۲) سال کے آغاز میں ہر باب اور حدیث کے تحت طویل بحث فرماتے، اور پھر جب محسوس فرماتے کہ طلبہ کو کتاب سے یک گونہ مناسبت ہوگئی ہے تو طوالت سے احتراز فرماتے ہوئے ضروری تشریحات پر اکتفا فرماتے۔

(۳) درس میں تمام ائمۂ سلف، ائمۂ مجتہدین کا نام انتہائی ادب وعظمت سے لیتے حتی کہ بعض اہل علم جنہوں نے احناف کے ساتھ تنگ نظری کا معاملہ کیا ہے ، ان کا تذکرہ بھی آپ کی زبان سے ادب وعظمت سے ہوتا، بعض جگہ امام بخاریؒ کا حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے وہاں اعتدال قائم رکھنا ایک متصلب حنفی محدث کے لئے بڑا دشوار ہوتا ہے لیکن حضرت مولانا ایسے موقع پر حضرت امام بخاریؒ کا مکمل جواب دیتے ہوئے ان کی عظمت وجلالتِ قدر کا مکمل خیال فرماتے۔

(۴) سبق کے دوران اپنے اکابر علماء دیوبند کے علمی جواہر پارے کثرت سے نقل فرماتے بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ وغیرہما کے ارشادات وواقعات سے درس کا لطف دوبالا ہوجاتا

(۵) نفس حدیث میں اگر کہیں دشواری ہوتی ہے اور شرّاح بخاری نے بھی اس کو واضح نہیں کیا ہے بلکہ اس کی توضیح وتوجیہ کے بعد بھی الجھن باقی ہے تو اس کو خصوصیت سے دور فرماتے تھے۔

(٦) ائمہ کے مذاہب کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً احناف کے مسائل کے دلائل تفصیل سے بیان فرماتے۔ اگر روایت حنفیہ کے مسلک کے خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ احناف کا مسلک حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

(۷) آپ کی درسی تقریر مربوط ومسلسل اور دل نشیں ہوتی تھی، اسی طرح آپ کی تقریریں عام فہم اور سادہ الفاظ پر بھی مشتمل ہوتی تھیں، مشکل مضامین کو آسان اسلوب میں پیش کرنے کا قدرت نے آپ کو خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔

(۸) اگر کتاب میں مؤلف سے یا کسی راوی سے وہم واقع ہوا ہے یا کسی راوی پر کسی نوع کا کلام ہے تو اس پر ضرور تنبیہ فرماتے تھے اور اس راوی اور روایت کی اصل حیثیت کو واضح فرماتے تھے۔

(۹) حضرت امام بخاریؒ کے تراجم ابواب ہر دور میں مشکل ترسمجھے گئے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امام علام نے اپنی کتاب کے اندر تراجم کے سلسلے میں کسی عادت یا طریقے کا اظہار نہیں فرمایا ہے، حضرات شارحین نے اپنے اپنے مذاق سے احادیث پر نظر کرنے کے بعد اس کا مقصد ومطلب متعین کیا ہے ،جس کی وجہ سے مقاصد تراجم کی تعیین میں شارحین کے درمیان سب سے زیادہ اختلاف رہا ہے، حضرت شیخ الہند فرماتے تھے کہ ابھی بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ باقی ہے چنانچہ حضرت نے اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی لکھنا شروع کیا تھا مگر وہ مکمل نہ ہوسکا، اس رسالہ میں حضرت نے پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں۔ تراجم کے مشکل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عام طور پر تراجم کو دعویٰ کی حیثیت دیکر پیش کردہ حدیث کو بطور دلیل لایا جاتا ہے، حضرت امام بخاریؒ نے محدثین کرام کی اس عمومی عادت کی پابندی نہیں کی ہے، بلکہ آپ نے اپنے تراجم میں بہت سے علوم داخل فرمادئے ہیں مثلاً کسی موقع پر وہ حدیث کی تشریح کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، کسی موقع پر جمال کی تفصیل فرماتے ہیں، کسی موقع پر روایات کے اختلاف اور پھر اس اختلاف کے رفع کی صورت کو ظاہر فرماتے ہیں، کہیں اختلافِ ائمہ کا لحاظ کرکے ترجمہ کو سوال کی شکل میں لاکر احادیث لے آتے ہیں، تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ اس میں گنجائش ہے، خواہ اس مسلک کو قبول کرلو یا دوسرے کو اختیار کرلو، کہیں ترجمہ کا ظاہر کچھ اور ہوتا ہے لیکن حضرت امام صاحب کا مقصد ظاہر سے متعلق ہی نہیں ہوتا، بلکہ وہ کسی التزامی معنی کو مراد لیکر اسی کی مناسبت سے احادیث پیش فرماتے ہیں، ایسی صورت میں بعض بخاری پڑھنے پڑھانے والوں کو ابواب اور احادیث کی تطبیق کے سلسلے میں کافی دشواری ہوتی ہے، لیکن ہمارے تمام اکابر کے یہاں یہ بحث بہت آسانی سے حل کی جاتی تھی، حضرت والا قدس سرہٗ کا درس بھی چونکہ اکابر واسلاف کے درس کا نمونہ تھا اس لئے یہ بحث آپ کے یہاں بھی چٹکیوں میں حل کی جاتی تھی۔

(۱۰) تاریخی واقعات کے سلسلے میں بعض جگہوں پر روایات کے اختلاف واضطراب کی بناپر تطبیق بہت دشوار معلوم ہوتی ہے، حضرت مولانا اس اختلا ف واضطراب کو اس طرح دفع فرماتے تھے کہ ہر طرح تشفی ہوجاتی تھی۔

(۱۱) آپ دورانِ درس، حدیث کی عبارت صاف پڑھنے پر بہت زور دیتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ بھئی رسول اللہ ﷺ کی سنت تھی کہ آپ بات بہت صاف فرماتے تھے، آپ ﷺ کے کلام کا ایک ایک جملہ الگ الگ ہوتا تھا یہ احادیث آپ ﷺ کے ارشاد کی حکایت ہیں، لہذا حدیث نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام کو صاف صاف پڑھنا چاہئے۔

(۱۲) اکابر کے زمانے سے حدیث شریف کی عبارت صاف پڑھنے پر دارالعلوم میں خصوصی توجہ دیجاتی ہے، اس کی رفتار تیز نہ ہو، الفاظ کی ادائیگی میں شستگی ہو، بقدر ضرورت حروف میں تجوید کی رعایت ہو، آپ کے یہاں بھی ان سب امور کا اہتمام بدرجۂ اتم ہوتا۔

فن ہیئت سے آپ کا تعلق:

حضرتؒ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جملہ کتب درسیہ کے علاوہ فن ہیئت کا درس خصوصیت سے رہتا تھا، اس فن کی مشہور کتاب ''التصریح'' ہمیشہ آپ کے زیر درس رہی، رب علام نے آپ کو اس فن میں خصوصی درک عطا فرمایا تھا، حضرتؒ اس فن کے تمام نشیب وفراز اور ظاہر ومخفی گوشوں سے پوری طرح واقف تھے، آپؒ کی اس فن سے خصوصی مناسبت کے قائل آپ کے معاصر علماء بھی تھے۔ ان حضرات کو یہ اعتراف تھا کہ آپ کو اس فن میں ید طولیٰ حاصل ہے اورا س فن میں جو مہارت ولیاقت اللہ تعالیٰ نے مولانا کو عطا فرمائی ہے اس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

حضرت والاؒ اس فن خصوصی کے تمام اسباق ومتعلقات پر مکمل قابو یافتہ تھے، آپ عجیب وغریب انداز سے اس کی تشریحات فرماتے، اور فن کی ضروری بحثوں کی ایسی آسان اور دل نشین تقریر فرماتے کہ طلبہ کے سامنے یہ فن جو کہ خشک مضامین کا حامل ہے، دلچسپ بن جاتا، اس فن میں حضرت مولانا کے ہزار ہا شاگرد ہیں، جو ملک اور بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور علوم اسلامیہ کی عظیم خدمات میں مشغول ہیں، ابھی حال ہی میں آپ کے ایک خصوصی شاگرد رشید حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی مقیم حال لندن نے طلوع وغروب سے متعلق ایک عمدہ ڈائری تحریر فرمائی ہے، جو پوری دنیا کے طلوع وغروب کے اوقات کا تعین کرتی ہے، نیز رؤیت ہلال کے تعلق سے بھی اس میں انتہائی ضروری اور قیمتی ہدایات ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ مصنف علام کی اس خدمت کو قبول فرمائے (آمین)

دوران تدریس طلب علم کا شوق:

آج کل بہت سارے اصحاب درس تدریس کے میدان میں قدم رکھتے ہی اپنے آپ کو اساتذہ سے بے نیاز سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ دوران تدریس متعدد مقامات پر اپنے اساتذہ یا جو اس فن میں ماہر ہیں ان کی رہنمائی کی شدید ضرورت پڑتی ہے، ہمارے اکابر واسلاف کا یہ مزاج نہیں تھا، وہ ہر موقع پر بالخصوص علم وفن کے میدان میں اپنے آپ کو اپنے بڑوں کا محتاج سمجھتے تھے، بہت کچھ جاننے اور ہر طرح کی علمی صلاحیت واستعداد سے معمور ہونے کے باوجود اساتذہ سے اکتساب فیض اور ان کے فیوض وبرکات کو حاصل کرنے میں کسی قسم کی جھجک اور ادنیٰ شرم محسوس نہیں کرتے تھے، ہمارے اکابر کے حالات میں یہاں تک ملتا ہے کہ اگر ان کو دوران تدریس کسی قسم کی کوئی الجھن یا علمی اشکال پیش آیا تو وہ طلبہ کے سامنے ہی کتاب لیکر اٹھ گئے اور اپنے استاذ محترم کے سامنے برملا اپنا اشکال حل کیا، ان حضرات میں علمی تشنگی اور طلب علم کا شوق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، استاذ الاساتذہ اور مشائخ درس بننے کے بعد بھی اپنے آپ کو طالب علم کہتے تھے، خود ہمارے ممدوح، صاحبِ تذکرہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ نے بھی اس سلسلے میں اکابر کا مکمل اتباع کیا، ایک موقع پر عصر کے بعد والی مجلس میں انہوں نے خود کہا تھا کہ: میں جب دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوا تو دیگر اسباق کے ساتھ مجھے ''**نفحة العرب**''، بھی پڑھانے کے لئے دی گئی، ''**نفحة العرب**'' کے مصنف حضرت مولانا اعزاز علی صاحب میرے استاذ تھے، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت یہ کتاب میں آپ سے پڑھ کر پڑھاؤں گا، حضرت نے فرمایا: میاں جاؤ پڑھاؤ، تمہیں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے اصرار کیا تو حضرت نے تہجد کا وقت میرے لئے تجویز کیا، چنانچہ میں بوقت تہجد پابندی کے ساتھ حضرت موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر سبق پڑھتا اور دن میں طلبہ کو پڑھاتا، حضرت مولانا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ: کتاب اگر چہ مجھے حل تھی مگر میں برکت کے واسطے حضرت والا قدس سرہٗ سے پڑھتا تھا۔

حج بیت اللّٰہ :

حضرت مولانا نصیر احمد صاحب قدس سرہٗ نے اپنی زندگی میں تین حج کئے ہیں۔ آپ کا پہلا حج ۱۹۷۸ء میں ہوا، دوسرا حج ۱۹۸۴ء میں ہوا، تیسرا حج ۱۹۹۱ء میں ہوا۔

آپ کا تیسرا حج بڑی اہمیت کا حامل رہا۔ اس سفر میں عالم اسلام اور عالم عرب کے بڑے بڑے مشائخ سے ملاقات رہیں، جس کے دوران دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمانوں کو درپیش مسائل اور عالم اسلام کے عمومی وخصوصی احوال پر تبادلۂ خیالات اور ان کے مسائل کے حل کی کوششیں ہوئیں۔

رمضان المبارک کا معمول :

حضرت مولانا نصیر احمد صاحب قدس سرہٗ فرائض وواجبات کے علاوہ نوافل بالخصوص تہجد کے بڑے پابند تھے۔اسکے علاوہ قرآن کریم کی تلاوت کے بھی بڑے پابند تھے آپ کے یہ معمولات بلا ناغہ پورے سال جاری رہتے ،مگر جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو ان معمولات میں اضافہ ہوجاتا۔ نوافل کی کثرت کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت میں دن ورات کا اکثر حصہ صرف فرماتے۔آپ فرماتے تھے کہ بھئی! یہ تو قرآن کا مہینہ ہے لہذا اس میں قرآن کی کثرت ہونی چاہیئے۔

رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پاک سنانے کا معمول بڑے اہتمام کے ساتھ جاری رکھا۔تقریباً ۶۵/سال آپ نے تراویح میں قرآن پاک سنایا ہے۔

۱۳۵۰ھ سے آپ نے قرآن پاک تراویح میں سنانا شروع کیا اور آخری تراویح ۱۴۱۴ھ کو ''کوئمبتور،تمل ناڈو'' میں ہوئی، جو بوجہ علالت پوری نہ ہو سکی۔اس سال ۴/رمضان المبارک کو آپ کو قلب کا دورہ ہوا اور پھر آپ اسپتال میں داخل ہوگئے۔بعدازاں دیوبند تشریف لائے ،اس کے بعد آپ نے وفات تک تراویح میں قرآن پاک نہیں سنایا۔

کوئمبتور(تملناڈو) سے آپ کا تعلق:

کوئمبتور (صوبہ تملناڈ) کا مشہور ومعروف شہر ہے، جنوب ہند میں تجارتی نقطۂ نظر سے اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔تیس لاکھ سے زائد آبادی پر مشتمل یہ شہر کئی نوع سے خصوصیت کا حامل ہے، یہاں مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد آباد ہے، جن میں بیشتر لوگ اردو زبان سے ناواقف ہیں۔

یہ شہر صوبہ مالابار (کیرالہ) سے متصل ہے اس لئے یہاں کے مسلمان رسوم ومعتقدات میں اہل کیرالہ کی طرف زیادہ مائل ہیں۔البتہ نرم خوئی، نرم مزاجی، محبت اور الفت یہاں کے خمیر میں داخل ہے۔اسی کے ساتھ علمائے کرام سے عقیدت اور محبت بھی یہاں کے لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔

حضرت والاؒ ایک طویل عرصہ تک کوئمبتور (تملناڈو) تشریف لاتے رہے۔آپ کی یہ تشریف آوری رمضان المبارک کے مہینے میں ہوتی تھی۔آپ اس دوران تراویح میں قرآن پاک بھی سناتے تھے، اور پھر قرآن کریم کی تفسیر بھی فرماتے تھے۔اس کے علاوہ مختلف جگہ اصلاحی مواعظ کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔یہاں آپ نے ''ناگہ محلّہ'' کی مسجد میں نوسال قرآن پاک تراویح میں سنایا۔اور پھر مسجد حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ میں اٹھارہ سال تک قرآن پاک سنایا ۔جس کے ساتھ تفسیری سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔

شہر کوئمبتور(تملناڈو) میں آپ کے اثرات:

کوئمبتور (تملناڈو) میں علماء حقہ کی آمد کم رہی اس لئے یہاں بدعات ورسوم کا رواج بہت تھا۔حضرت والا قدس سرہٗ نے یہاں قدم رنجہ فرما کر دعوت واصلاح کا کام انتہائی لگن، فکر اور دلی جذبے کے ساتھ انجام دیا۔جس کے نتیجے میں لوگوں کے عقائد واعمال میں کافی سدھار آیا۔اس کے علاوہ یہاں علم دین سے بڑی بے گانگی تھی۔لوگ دین سے محبت کرنے والے بے شک بہت تھے مگر علم دین کی تحصیل کے لئے اپنی اولاد کو مدارس میں بھیجنے کے تصور سے بھی ناآشنا تھے۔اس سلسلے میں آپ نے لوگوں کو ترغیب دی، جس کے بعد کئی لوگوں نے اپنے بچوں کو مدارس اسلامیہ میں تحصیل علوم کے لئے داخل کیا۔یہ بچے طلبہ کی فہرست میں داخل ہوکر آج علمائے حقہ کی جماعت میں شامل ہیں اور مختلف مقامات پر دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

کوئمبتور(تملناڈو) کے مولانا محمد الیاس صاحب :

حضرت والا قدس سرہٗ کی ترغیب اور شوق دلانے سے دینی علوم وفنون کو حاصل کرنے والوں میں مولانا محمد الیاس صاحب کوئمبتوری بھی ہیں۔مولانا ایک مقامی چھوٹے سے مدرسے کے طالب علم تھے۔حضرت والا قدس سرہٗ سے محبت تھی۔حضرت جب رمضان میں تشریف لاتے تو خدمت عالیہ میں حاضر ہوکر سعادت حاصل کرتے۔اردو سے پوری طرح واقف نہ ہونے کے باوجود بھی حضرت والا قدس سرہٗ کی خدمت میں کثرت سے آتے اور ہر طرح

کی خدمت بجالانے کی کوشش کرتے۔ حضرت والا ان کے اس جذبے سے بہت خوش ہوتے تھے، اور دعاؤں سے نوازتے۔ مولانا محمد الیاس صاحب اس وقت عربی کے ابتدائی طالب علم تھے۔ حضرت والا قدس سرہٗ نے ان کو دیوبند آنے کی ترغیب دی، وہ دیوبند آئے۔ حضرت نے ہی ان کے داخلے کی مکمل سعی فرمائی۔ انہوں نے دارالعلوم میں رہ کر فراغت تک تعلیم حاصل کی۔ دوران تعلیم ان کی مکمل نگہداشت اور کفالت حضرت نے بذات خود فرمائی۔ مولانا محمد الیاس صاحب دیوبند کے زمانے میں بھی حضرت والاؒ کی کئی طرح کی خدمت انجام دیتے رہے، جس میں بازار سے گھر کا سامان وغیرہ لانا مولانا محمد الیاس صاحب ہی کے ذمہ تھا۔

مولانا محمد الیاس صاحب فراغت کے بعد کوئمبتور (تملناڈو) ہی میں دینی خدمت انجام دے رہے ہیں، انہوں نے حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کی یاد میں ایک مدرسہ بھی قائم فرمایا ہے۔ جس کا نام ''دارالعلوم نصیریہ'' ہے۔ اس مدرسہ میں فی الحال ناظرہ وحفظ، دینیات اور ابتدائی عربی کی تعلیم کا نظم ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے فضل سے اس کو قبول فرمائے! اپنے فضل سے اللہ اسے قبول فرمائے۔

اسانید عالیہ

حدیث میں آپ کا سلسلۂ اسناد:

برصغیر ہند میں علم حدیث کے جس قدر سلسلے مروج اور موجود ہیں۔ تقریباً ان سب کا آغاز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے ہوتا ہے، اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کو ''مُسند الہند'' کہا جاتا ہے۔

غیر منقسمہ ہندوستان میں ''کابل'' سے لے کر ''کنیا کماری'' تک دینی علوم کا جو کچھ ذوق ہے؛ وہ سب اسی گھرانے کا فیض ہے، ایک غیر ہندوستانی عالم کا بیان ہے کہ: اسے سارے ہندوستان سیاحت میں حدیث کا کوئی بھی ایسا عالم نہیں ملا جو حضرت شاہ عبدالعزیز کے واسطے سے حضرت شاہ ولی اللہ کا شاگرد نہ ہو۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۱: ص ۹۲)

اکابر دارالعلوم دیوبند کے سلسلۂ اسناد میں بھی آپ ہی کی ذات والا صفات مدار ومرجع ہے۔

شاہ صاحب کا خاندان اپنے علم وفضل اور ورع وتقویٰ کے لحاظ سے دہلی میں بہت ممتاز سمجھا جاتا تھا، شاہ صاحب کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ''فتاویٰ عالمگیری'' کے مصنفین میں سے ہیں۔ شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد سے تحصیل علم کی اور پندرہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت حاصل کی۔ شاہ صاحب کا سلسلۂ اسناد اپنے والد ماجد کے واسطے سے علامہ جلال الدین محقق دوانی (متوفی ۹۲۸ھ) تک پہونچتا ہے۔ اس زمانے میں ہندوستان کے نصاب میں معقولات کا عنصر غالب تھا، اسی لئے علم حدیث کی تکمیل اور سندِ روایت کے لئے شاہ صاحب نے حرمین شریفین کا سفر اختیار فرمایا اور وہاں شیخ ابوطاہر مدنی اور دیگر نامور مشائخ سے صحاح کی قرأت وروایت حدیث کی سند حاصل کی اور پھر ہندوستان آکر اس مبارک فن کی ایسے وقت میں خدمت کی جبکہ یہ مبارک فن عالم اسلام کی درسگاہوں میں انحطاط وزوال کے آخری درجہ پر پہونچ چکا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب کا سلسلۂ حدیث مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ تک کئی طرق سے پہونچتا ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

پہلا سلسلۂ حدیث:

آپ کے استاذ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، ان کے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، وہ شاگرد ہیں

حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے اور وہ شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے اور وہ شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے اور وہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے اور وہ اپنے والد محترم مُسنِد الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے۔

دوسرا سلسلۂ حدیث:

آپ کو اجازت حدیث حاصل ہے حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ سے، ان کو یہ اجازت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے حاصل تھی، ان کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ سے، ان کو حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے، ان کو شاہ ابوسعید دہلویؒ اور شاہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ سے اور ان دونوں بزرگوں نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے پڑھا اور انہوں نے اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے پڑھا۔

تیسرا سلسلۂ حدیث:

روایت حدیث کی آپ کو یہ اجازت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ سے ہے، ان کو حضرت شیخ الہند حضرت مو لانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ سے، ان کو تین مشائخ سے اجازت حاصل ہے۔ حضرت الشیخ المقری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ، اور حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ سے، ان تینوں حضرات کو حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے اور انہیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے اور وہ اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے
شاگرد ہیں

چوتھا سلسلۂ حدیث:

حضرت کے استاذ محترم حضرت مدنیؒ اور ان کے استاذ جلیل حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، ان کو اجازت دی حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ نے اور وہ شاگرد ہیں حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے اور وہ مولانا رشید الدین صاحب کے اور وہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے۔

پانچواں سلسلۂ حدیث:

آپ نے پڑھا حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے اور انہوں نے حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ سے، انہوں نے اجازت حاصل کی حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ سے، ان کو اجازت ملی حضرت مولانا عبدالحئی بڑھانویؒ سے، ان کو شاہ عبد القادر صاحب دہلویؒ سے ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے اور انہوں نے اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔

چھٹا سلسلۂ حدیث:

آپ کو روایت حدیث کی اجازت حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ نے دی، ان کو اجازت دی حضرت الامام مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے، اور ان کو شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے، اور آپ نے حضرت شاہ محمد اسحاق احمد صاحب دہلویؒ سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے اور انہوں نے اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے۔

ساتواں سلسلۂ حدیث:

آپ کو حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ سے اجازت حدیث حاصل ہوئی، ان کو حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے اور ان کو شاہ عبدالعزیزؒ صاحب محدث دہلویؒ سے اور ان کو اپنے والد محترم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے۔

نوٹ: آپ کی یہ سند بہت عالی ہے، صرف دو واسطوں سے شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ تک پہونچ رہی ہے، آپ کے دور آخر کے معاصرین میں کوئی اس قدر عالی سند کا حامل نظر نہیں آتا۔

آٹھواں سلسلۂ حدیث:

آپ کو شرف تلمذ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ سے حاصل ہے اور ان کو حدیث کی اجازت حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھیؒ سے حاصل ہوئی، ان کو حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ سے اور ان کو شاہ عبدالغنی صاحب مجددیؒ سے۔

نواں سلسلۂ حدیث:

آپ کے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ ہیں۔ان کو اجازت روایات حاصل ہوئی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے۔ان کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے، اور وہ شاگرد رشید ہیں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے۔اسی طرح مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کو شیخ عبدالقیوم بڈھانوی اور مولانا مظہر نانوتویؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے اور ان دونوں حضرات کو شاہ محمد اسحاق صاحب سے...............

دسواں سلسلۂ حدیث :

آپ نے حدیث پڑھی حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ سے۔ان کو روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے۔ان کو حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ سے۔ان کو حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ سے۔ان کو شیخ رشید الدین خان صاحبؒ سے اور ان کو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے.........................

گیارھواں سلسلۂ حدیث:

حدیث میں آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کو اجازت حدیث حاصل ہے شیخ حسب اللہ الشافعی المکی اور شیخ عبد الجلیل المدنی اور شیخ عثمان عبدالسلام مفتی الحنفیہ اور شیخ سید احمد برزنجیؒ سے۔ان سب کو اجازت حاصل ہوئی شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے........

بارھواں سلسلۂ حدیث :

آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی طرف سے آپ کو اجازت حدیث حاصل ہوئی۔ان کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ کی طرف سے۔ان کو اپنے استاذ محترم حضرت الامام النانوتویؒ کی طرف سے اور ان کو شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے........والسند تمامہ الی الشاہ ولی اللہ..........................

اجازت نامہ

از: حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاجازة المسندة لسائر الكتب والفنون المتداولة

مسـنـدات المحامد العالية لا تعتمد الاعليه ومسلسلات المدائح الفاتحة لا تتواتر الااليه ،اجازنی الخلائق بنعمه التى لاتحصى طرقها فهم عن اداء تشكراتها ضعفاء عاجزون وانباء المسلمين بمتون الاحاديث الدينية فهم لدى فقهها والروايات واقفون صحاح صلواته الغريبة لم تدر الاحول مركز النبوات وسنن تسليماته العزيزة لم ترفع الاالى عرش مفخر الرسالات ، اللهم فادم ديم رحمتك المشهورة هطالة على آحاد امته وائمتهم فى الرواية والروية و على المجتهدين منهم سيما من نال الدين القويم من الثرياالدريةأمابعد:

فقد استجازني الأخ في الله نصير أحمد بن عبد الشكور خان بلند شهرى عن كتب السنن المتداولة وما تجوز لى روايته من كتب الأصول والفنون الفرعيةبعد ما قرأ لدى بعض الأمهات الست الحديثية ولم يكن ذلك منه الابظنه الحسن فانى لست من فرسانها ولا رجا لتها السنية فقد استسمن ذا ورم ونفخ فى غير ضرم فا لح على الحاحا غير معتاد والجانى الى اسعاف ما اراد ولما لم اجد بدا استخرت الله تعالى ثم اجزته بالصحاح الست وغيرها من المنقول والمعقول واسفار الفروع والأصول حسماً اجازنى بها الائمة الفحول أجلهم وامجدهم بدر المحققين وامام أهل المعرفة واليقين العارف بالله شيخ الهند مولانا أبو ميمون محمود الحسن العثمانى الديوبندى موطناً والحنفى مسلكاً والجشتى النقشبندى القادرى السهر وردى مشربا (قدس الله سرهٔ العزيز) عن ائمة اعلام أجلهم مولانا شمس الاسلام والمسلمين العارف بالله مولانا أبو أحمد محمد قاسم العلوم والحكم النانوتوى موطناً الحنفى مسلكاًالجشتى النقشبندى القادرى السهروردى مشرباًوحضرة شمس العلماء العاملين امام أهل المعرفة واليقين أبى مسعود رشيد أحمد الحنفى الگنگوهى الجشتى النقشبندى القادرى السهروردى مشرباًرحمهماالله تعالىٰ وهما قد أخذا سائر الفنون والكتب الدرسيةخلا علم الحديث عن ائمة اعلام أجلهم مولانا الثبت الحجة أبى يعقوب مملوك العلى النانوتوى الحنفى والمفتى صدر الدين الدهلوى قدس الله اسرارهماوغيرهما من اساتذة الفنون بدهلى المعاصرين لهما عن ائمة اعلام اجلهم مولانا رشيد الدين الدهلوى عن الامام الحجة مولانا العارف بالله الشاه عبد العزيز الدهلوى الحنفى قدس الله سرهٔ العزيز ح ويروى الشمسان المؤمٰى اليهما سابقاً كتب الحديث والتفسير قراء ة واجا زة عن ائمة اعلام أجلهم شيخ مشائخ الحديث الامام الحجة العارف بالله الشيخ عبد الغنى المجددى الدهلوى ثم المدنى وعن الشيخ أحمد سعيد المجددى الدهلوى ثم المدنى ومولانا أحمد على السهارنفورى قدس الله اسرارهم كلهم عن الشهير فى الآفاق مولانا الامام الحجة محمد اسحاق الدهلوى ثم المكى قدس الله سرهٔ العزيز عن جده أبى أمه امام الائمة العارف بالله مولانا الشاه عبد العزيز الدهلوى قدس الله سرهٔ العزيز عن امام الائمة فى المعقول والمنقول مركز دوائر الفروع والأصول مولانا العارف بالله الشاه ولى الله الدهلوى النقشبندى واسانيده الى المحقق الدوانى والسيد الجرجانى والعلامة التفتازانى قدس الله اسرارهم مذكورة فى القول الجميل وغيره وكذلك اسانيده الى اصحاب السنن ومصنفى كتب الحديث مذكورة فى ثبته و كذلك فى اوائل الصحاح الست ح ويروى حضرة مولانا الشاه عبدالغنى الدهلوى المرحوم سائر الكتب سيماالصحاح الست عن الامام الحجة محمد عابد الانصارى السندى ثم المدنى صاحب التصانيف المشهورة واسانيده مذكورة فى ثبته المسمّٰى بحصر الشارد فى اسانيده الشيخ محمد عابد وكذلك فى ثبت الشيخ عبد الغنى المشهور باليانع الجنى ح ويروى شيخنا العلامة شيخ الهند المرحوم عن العلامة محمد مظهر النانوتوى ومولانا القارى عبد الرحمٰن الفانى فتٰى المرحوم كلاهما عن العارف بالله الشيخ محمد اسحاق المرحوم ح واروى هذه العلوم والكتب عن الشيخ الأجل مولانا عبد العلى قدس الله العزيز اكبر المدرسين فى مدرسة ''مولانا عبد الرب ''المرحوم بدهلى وعن الشيخ الأجل مولانا خليل احمد السهارنفورى ثم المدنى كلاهما عن أئمة اعلام سيما الشمسان المومٰى اليهما ح واروى عن مشيخةاعلام من الحجاز اجازة وقراء ة لأوائل بعض الكتب أجلهم شيخ التفسير حسب الله الشافعى

المكى ومولانا عبد الجليل برادة المدنى ومولانا عثمان عبد السلام الداغستانى مفتى الاحناف بالمدينة المنورة ومولانا السيد احمد البرزنجى مفتى الشافعية بالمدينة المنورة رحمهم الله تعالىٰ وارضاه هم وأوصى الأخ نصيرأحمد المؤمٰى اليه

ونفسی بالتقویٰ فی السر والعلن وترك الفواحش ماظهر منها وما بطن عاضا بالنواجذ علی ماكان عليه السلف الصالحون وائمة السنة والجماعة المتقنون و أن يجعل تقوى اللّٰه تعالٰی نصب عينيه خائفا عن القيام يوم المحشر بين يديه وأن يعرض عن الدنيا الدنيه ولذاتها صارفا انفاس عمره العزيز فی طاعات اللّٰه تعالیٰ وذكره فی غدواتها وروحا تها وان لا ينسانی ومشايخی الكرام عن الدعوات الصالحة فی خلواتها وجلواتها وصلى اللّٰه تعالٰی علی خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه وسلم .

قاله بلسانی ورقمه ببنانه افقرالعبادالی عفوربه الصمد العبد المدعوبين الانام ب"حسين أحمد"غفرله ولوالديه ومشائخه الرؤو ف الأحد خادم العلوم الدينية بدارالعلوم الديوبندية فی ٢٤/ من شعبان ١٣٧١ھ من هجرة من له العز والشرف عليه وعلى آله وصحبه الصلٰوة والسلام.

پانچواں باب

بیعت و سلوک

اور حضرت شیخ الحدیث

☆☆☆☆☆

بیعت وسلوک اور حضرت شیخ الحدیث:

سلوک وتصوف اکابر دیوبند کا اہم ترین مشغلہ تھا۔ یہ حضرات ایک جانب فقہ، حدیث اور علوم ظاہریہ میں ائمۂ مجتہدین اور ائمۂ حدیث کے حقیقی جا نشین اور سچے متبع تھے تو دوسری طرف تصوف وسلوک کے ائمہ جنید وشبلی اور بایزید بسطامی کے قدم بقدم تھے۔ ان اکابر نے سلوک وتصوف کو فقہ وحدیث کے ماتحت چلایا اور اپنے قول وفعل سے بتادیا کہ یہ مبارک فن درحقیقت قرآن وحدیث ہی کا ایک شعبہ ہے۔ بُعدِ زمانہ کی بنیاد پر جو رسوم وبدعات اس مبارک فن میں شامل ہوگئی تھیں ان حضرات اکابر نے ان سب کو چھانٹ دیا۔ اسی طرح بعض ناواقفوں نے غلو یا جہالت کی وجہ سے اس فن شریف کو ظاہر شریعت کا مقابل نہیں تو علیحدہ ضرور بنادیا تھا۔ ہمارے اسلاف نے اس نظریہ کی تردید کرکے حقیقی تصوف سے لوگوں کو روشناس کرایا، یہ امت پر ان کا بہت بڑا احسان تھا ۔

اسلاف دیوبند میں سے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے اپنی خودنوشت سوانح (آپ بیتی) میں اس مضمون کو بہت وضا حت سے لکھا ہے۔ انہوں نے بہت صفائی سے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ ہمارے اسلاف نے تصوف کو فقہ وحدیث کے ماتحت چلایا اور انہوں نے اپنے تمام اقوال وافعال سے اس بات کا ثبوت بھی دیا کہ سلوک وتصوف قرآن وحدیث ہی سے ماخوذ ہے۔ اور انہیں دونوں کا وہ عطر اور مغز ہے اس کی تفصیل حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہٗ نے اس طرح رقم فرمائی ہے:

''حقیقی تصوف جس کا دوسرا نام ''احسان'' ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے در یافت کرکے یہ واضح کردیا کہ یہ شریعت ہی کی روح اور مغز ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس سوال پر کہ ''احسان'' کیا چیز ہے؟

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک ارشاد نے ''ان تعبد اللّٰہ کأنك تراہ ''تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا کہ اس کو دیکھ رہا ہے، احسان کے معانی اور تصوف کی حقیقت واضح کردی۔

مذکورہ بالا عبارت میں تصوف کی اصل اور بنیاد اور اس کا حقیقی ماخذ متعین فرماکر آگے یہ حقیقت بھی واضح فرمادی کہ:

''عنوانات اس کے تو جو بھی اختیار کرلئے جائیں لیکن مرجع سب کا یہی حقیقت ہے''

چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ تو حقیقت ہے، اس کے بعد جو چیزیں ذکر و شغل، مجاہدات، ریاضات یہ حضرات تجویز کرتے ہیں، وہ حقیقت میں سب علاج ہیں۔ چونکہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جتنا بعد ہوتا جاتا ہے اتنا ہی قلوب میں زنگ اور امراض ردیہ دلوں میں پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں، جیسا کہ یونانی اطباء اور ڈاکٹر جدید امراض کے لئے تجربات یا قواعد سے وقتی اور نئی نئی دوائیں تجویز کرتے ہیں اسی طرح سے روحانی اطباء قلبی امراض کے لئے ہر شخص کے حال کے موافق اور ہر زمانے کے موافق دوائیں تجویز کرتے ہیں۔

تصوف کی تعریف:

علمائے تصوف نے تصوف کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ:

''وہ ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعہ نفوس کا تزکیہ، اخلاق کا تصفیہ اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں، جس کی غرض ابدی سعادت کی تکمیل ہے''

اس تعریف سے بھی یہ بات بہت آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ تصوف وسلوک درحقیقت شریعت ہی کا ایک شعبہ ہے کیونکہ نفوس کا تزکیہ اخلاق کا تصفیہ برائے ظاہر و باطن نیز نفس کو اعمال دین کا خوگر بنانا اور شریعت کو نفس کے حق میں وجدان بنالینا، یہ سب امور مقاصد شریعت ہیں۔ ان میں سے ہر ایک شيئ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کو پورا کرنے والی ہے۔

تصوف کی حقیقت :

سلوک وتصوف کی حقیقت کے متعلق سے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی تحریر سے ایک اقتباس اوپر نقل کیا جاچکا ہے۔ اسی مضمون کو قدرے وضاحت سے آپ بیتی صفحہ نمبر ۲۵۸ ج:۶ پر اس طرح تحریر فرمایا ہے جس سے تصوف کی حقیقت مکمل طور پر واضح ہوگئی ہے، لکھتے ہیں کہ:

''غرض ہم جس تصوف کے اثبات کے قائل ہیں وہ وہی ہے جس کو اصطلاح شرع میں ''احسان'' کہتے ہیں، جس کو'' **علم الاخلاق**'' کہا جاتا ہے یا'' **تعمیر الظّاهر و الباطن**'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ بانظم اور بااصول چیز ہے۔ اس میں مریدین کے لئے بھی شرائط ہیں اور شیخ کے لئے بھی اصول وآداب ہیں، جن کی رعایت کے بعد اس کو شریعت کا مغز اور لب لباب کہنا بجا ہے۔

اسی سلسلۂ کلام میں آگے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب ''**تفهيمات الٰهيه**'' سے ایک طویل عبارت کا ترجمہ تحریر فرماتے ہیں جس میں حضرت شاہ صاحب دہلویؒ نے ان خصوصی تین امور کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی دعوت دینے پر آپ خصوصی اہتمام فرماتے تھے، حضرت شاہ صاحب دہلویؒ کی مترجم عبارت ملاحظہ ہو:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی دعوت دی؛ ان میں سب سے مہتم بالشان تین امور ہیں:

(۱) تصحیح عقائد

جس کا ذمہ علمائے امت کے اہل اصول نے اٹھایا ہے۔ اللہ جل شانہٗ ان کی مساعی کو قبول فرمائے!

(۲) اعمال کا صحیح طور پر ادا کرنا اور سنت کے موافق ان سب کو ادا کرنا۔

اس فن کو امت کے فقہاء نے اپنے ذمہ لیا ہے؛ جن کی کوشش سے اللہ جل شانہٗ نے بہت سے لوگوں کو ہدایت فرمائی اور گمراہ فرقوں کے اعمال کو راہ راست پر لائے۔

(۳) اخلاص واحسان کی تصحیح۔ جو اس دین کی اصل ہے، جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے اخلاص واحسان کی آیات واحادیث تحریر فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ تیسرا جز شریعت کے مقاصد کا سب سے دقیق فن ہے اور بہت گہرا ہے، جملہ شرائع کے مقابلے میں۔ بمنزلۂ روح کے ہے، بدن کے مقابلے میں

۔اور اس کا تکفل صوفیہ نے کیا ہے کہ انہوں نے خود ہدایت پائی اور دوسروں کو ہدایت فرمائی۔خود سیراب ہوئے اور دوسروں کو سیراب کیا اور انتہائی سعادت کے ساتھ کامیاب ہوئے

حضرت شاہ صاحب کی مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اخلاص واحسان ایسی عظیم چیزیں ہیں کہ علوم واعمال کی ان کے بغیر حیثیت باقی نہیں رہتی۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی قدس سرہٗ نے تذکرۃ الرشید میں تصوف کی حقیقت اور اس کی ضرورت پر بہت تفصیلی کلام کیا ہے؛تحریر فرما تے ہیں کہ:سلوک نام ہے" **تعمیر الظاهر و الباطن** " کا یعنی اعضائے ظاہرہ اور قلب کا اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہٗ کی اطاعت اور خدمت میں مشغول رکھنا بایں طور کہ ہادیٔ عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ اور تعلیم فرمائی ہوئی شریعت کے اتباع کی اس درجہ خواور عادت پڑ جائے کہ سنت نبویہ پر عمل کرنا طبعی شیوہ اور خلقی شعار بن جائے ،تکلف کی حاجت نہ رہے۔

تصوف اصل ایمان ہے کوئی زائد شیٔ نہیں،یہی ایمان جس کا ہر مسلمان مدعی ہے۔اصلِ سلوک ہے؛بشرطیکہ اس کی اصلیت اور حلاوت قلب کو عطا ہو جائے۔یہی شریعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عالم کو سکھائی ہے۔اصل درویشی اور طریقت ہے مگر اس وقت جبکہ اعضاء سے متعدی ہو کر قلب تک پہونچ جائے ،اور عمل واکتساب قلبی انس وتعلق کا ثمرہ بن جائے۔ایک بیمار شخص جس کو مطلق بھوک نہ ہو،طبیب کے حکم سے غذاء کھاتا ہے مگر جبراً قہراً تاکہ طاقت بنی رہے۔دوسرا شخص وہ ہے جو بحالت تندرستی وصحت تامہ صادق اشتہاء پر غذا کھا رہا ہے۔غذا کھانے میں دونوں برابر ہیں مگر ایک جبراً وکراہت سے کھا رہا ہے اور دوسرا رغبت واشتہاء سے۔اسی طرح عام آدمی عبادت کرتا ہے مگر نفس کو مجبور بنا کر اور صاحب نسبت ولی اسی عبادت میں مشغول ہوتا ہے مگر بایں وجہ کہ دل کا تقاضا اس طاعت میں مشغول ہونے پر اس کو مجبور کر رہا ہے۔اسی صحت کاملہ کا نام طریقت ہے جو قلب کو حاصل ہوتی ہے اور اس روحانی غذا کا جس کو شریعت کہا جاتا ہے؛سچا خواہشمند اور شیدا بنا دیتا ہے۔

تصوف کی حقیقت امام ربانی کی ایک تحریر کی روشنی میں:

مولانا میرٹھی قدس سرہٗ نے ''تذکرۃ الرشید'' میں تصوف کی حقیقت اور اس کی ضرورت وغیرہ امور پر طویل کلام فرمانے کے بعد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی کی ایک تحریر نقل فرمائی ہے؛جس میں حضرت والا قدس سرہٗ نے چند سطروں میں ان تمام مباحث کا خلاصہ پیش کر دیا ہے جو طریقت کے مبارک فن میں ہزارہا ضخیم کتابوں کے اندر اولیاء اللہ نے جمع کئے ہیں۔حضرت والا کی یہ تحریر عربی میں ہے۔طوالت کے خوف سے صرف ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ملاحظہ ہو:

صوفیہ کا علم نام ہے علم دین کے ظاہر وباطن اور قوت یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے۔صوفیہ کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لولگائے رکھنا ہے،تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔صوفیہ کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق ہیں۔حسب فرمان خدا تعالیٰ کہ بیشک تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو،اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے:اس پر عمل اخلاق صوفیہ میں داخل ہے۔صوفیہ کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے کہ اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبر۔مخلوق کے ساتھ تکلف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کا برداشت کرنا۔نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا۔غیظ وغضب کا چھوڑ دینا۔ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح کا دینا خلق پر فرط شفقت کے ساتھ،جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے۔سخاوت کرنا۔درگذر اور خطا کا معاف کرنا۔خندہ روئی اور بشاشت جسم،سہولت اور نرم پہلو رکھنا۔تصنع اور تکلف کا چھوڑ دینا۔خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔خدا پر بھروسہ رکھنا۔تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا،جنگ وجدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ۔بغض،حسد،کینہ نہ رکھنا۔عزت وجاہ کا خواہش مند نہ ہونا۔وعدہ پورا کرنا۔بردباری،دور اندیشی،بھائیوں کے ساتھ موافقت ومحبت رکھنا۔اغیار سے علیحدہ رہنا۔محسن کی شکر گزاری،جاہ کا مسلمانوں کے لئے خرچ کرنا۔صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر وباطن مہذب بنالیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ سے منھ پھیر لیا جائے۔شرم اور اجلا وہیبت کے سبب بد

ترین معصیت نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔

(تذکرۃ الرشید ج:۲ص:۱۲)

تصوف وسلوک کی حقیقت کے بارے میں امام ربانیؒ کی جامع ومختصر تقریر:

آپ نے فرمایا کہ ''تمام اذکار واشغال ومراقبات وغیرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کواللہ تعالیٰ کی حضوری ہر وقت میسر رہے۔بعض نے اس حضوری کے بھی دو درجے کر دئے ہیں،جن میں سے ایک یہ ہے کہ اسم ذات مخیّلہ میں قائم ہو جائے،پھر اسم سے مسمّی کی طرف آسانی سے راستہ مل جاتا ہے،یہ جو بزرگوں نے چلہ وغیرہ کا طریقہ ایجاد کیا تھا،اسکا بھی یہی مطلب تھا کہ کوئی دوسرا خیال اور نقش مخیلہ پر نہ پڑے۔مثلاً باہر نکلوتو گھونگھٹ کر کے نکلو کہ کسی کو دیکھوگے تو اس کی صورت کا نقش مخیلہ کو مکدر کر دیگا جس طرح انسان کو اپنی ہستی کا ہمہ وقت علم ہے کہ میں ہوں بس ایسا ہی علم حق تعالیٰ کے ساتھ رہنا چاہئے۔

پہلے بزرگ اخلاق سیئہ کے چھڑانے کی محنتیں کرایا کرتے تھے تا کہ یہ کام آسان ہو جائے مگر متأخرین نے خصوصاً ہمارے سلسلے کے بزرگوں نے یہ طریقہ پسند کیا ہے کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ اخلاق ذکر کے نیچے دب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے۔اخلاق سیئہ بہت سے ہیں مگر اکثر نے دس میں محصور کر دیا ہے پھر ان دسوں کا خلاصہ تکبر کو بتایا ہے کہ اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دور ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس کوئی شخص بیس سال رہا۔ایک دن عرض کیا کہ حضرت اتنی مدت میں مجھے تو آپ سے کچھ حاصل نہ ہوا وہ شخص اپنی قوم کا سردار اور برادری میں ممتاز تھا۔آپ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں بڑائی ہے۔فرمایا کہ اچھا ایک کام کرو!اخروٹوں کا ایک ٹوکرا بھر کر خانقاہ کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور پکارو کہ جو شخص مجھے ایک جوتا مارے گا اسے ایک اخروٹ دوں گا اور جو دو جوتا مارے گا تو دو دونگا۔اسی طرح کرتے جاؤ!جب یہ کام کر چکو اور اخروٹ کا ٹوکرا خالی ہو جائے تب میرے پاس آؤ!۔اس شخص نے کہالا الـه الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه۔حضرت یہ کام تو مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔حضرت جنید نے فرمایا یہ وہ مبارک کلمہ ہے کہ اگر ستر برس کا کافر اس کو صدق دل سے پڑھ لے تو واللہ مومن ہو جائے مگر تو اس وقت اس کے پڑھنے سے کافر طریقت ہو گیا۔جا نکل جا!تجھے مجھ سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

دوسرے کسی بزرگ کا نام لیکر فرمایا کہ ان کے پاس ایک شخص مدتوں رہا اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہ ہوئی۔شیخ نے فرمایا کہ میاں!درستی سے تمہارا کیا مقصود ہے؟اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت!جو نعمت آپ سے ملے گی آپ سے لیکر دوسروں کو پہونچاؤں گا۔شیخ نے کہا بس!اسی نیت کی تو ساری خرابی ہے کہ پہلے ہی سے پیر بننے کی ٹھان رکھی ہے۔اس بیہودہ خیال کو جی سے نکال دو!اور یوں خیال کرو کہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں طرح طرح کی نعمتیں دی ہیں ان کا شکر اور بندگی ہم پر فرض ہے۔پس اس امید پر جو لوگ ذکر وشغل کرتے یا نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اس کا نفع ملے یہ ان کی حماقت ہے۔ان کی نیت میں فساد ہے۔کیسا نفع؟کہاں کا اجر؟یہ ہستی،یہ جسم،یہ آنکھیں،یہ کان،یہ ناک،یہ زبان،یہ حواس حق تعالیٰ نے ہمیں دے رکھے ہیں۔پہلے ان کے شکریہ سے تو فراغت ہولے!تب دوسرے نفع اور اجر کی توقع کرے!

حافظ زاہد حسن صاحب نے اس موقع پر سوال کیا کہ حضرت جیسا کہ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص ہر وقت اللہ کو یاد رکھے تو بس کافی ہے اور کچھ اس کے واسطے ضروری نہیں۔آپ نے فرمایا کہ بس فرائض اور سنن مؤکدہ اور اللہ کا ذکر کرنا ہی زندگی کا فائدہ ہے؟باقی تمام نقصان ہی نقصان ہے۔اگر کسی سے بحضور قلب نہ ہو سکے زبان ہی زبان تک رہے تا ہم فائدے سے خالی نہیں۔

(تذکرۃ الرشید ج:۲ص:۱۳)

راہ تصوف میں بیعت اور اس کا شرعی ثبوت

بیعت کی تعریف:

شریعت کی کسی بات کے لئے لوگوں سے عہد لیا جائے کہ وہ اس کام کو سرانجام دیں گے خواہ پوری شریعت کا عہد لیا جائے یا کسی خاص بات کا عہد لیا

جائے اس کو بیعت کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے موقعوں پر اللہ کے حکم سے اس امر کو انجام دیا ہے صحابۂ کرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چار طرح کی بیعت کی ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) بیعت اسلام

اللہ کے نبی لوگوں کو دین اسلام میں داخل کرنے اور کفر وشرک سے توبہ کے لئے یہ بیعت لیا کرتے تھے۔ اس کی مثال بیعت عقبۂ اولیٰ وثانیہ ہے۔

(۲) بیعت جهاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی لڑائی کے وقت صحابۂ کرامؓ سے عہد لیا تھا کہ اگر دشمن سے مقابلہ کی نوبت آئے تو بھاگیں گے نہیں بلکہ جب تک زندہ رہیں گے، دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ یہ بیعت جہاد تھی۔ ارشاد باری ہے:

"لقد رضی اللّٰه عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة"

بالتحقیق اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ یہ بیعت اللہ کو بہت پسند آئی اسی لئے اللہ نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ارشاد فرمایا کہ:

"ان الذين يبايعونك انما يبايعون اللّٰه . يداللّٰه فوق ايديهم"

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

(۳) بیعت هجرت

اللہ کی راہ میں ہجرت پر بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ حضرت حارث بن زیاد ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ میں یوم خندق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ہجرت پر بیعت لے رہے تھے۔ میرا گمان ہوا کہ یہ موجودہ بیعت پر بلائے جا رہے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس سے بھی ہجرت پر بیعت لے لیجئے! فرمایا یہ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ میرے چچیرے بھائی "حوط ابن یزید" ہیں یا یزید ابن حوط"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم لوگوں سے بیعت نہیں لیتا۔ لوگ تو تمہاری طرف ہجرت کر کے آتے ہیں۔ لوگوں کی طرف ہجرت کر کے نہ جاؤ گے!

(۴) بیعت توبه یا بیعت طریقت:

امت کی تعلیم کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات صحابۂ کرام سے بعض گناہوں کے نہ کرنے پر بیعت لی ہے۔ یہ بیعت طریقت ہے۔ اس کی دلیل حضرت عبادہ ابن صامت کی روایت کردہ وہ حدیث ہے جس کو بخاری ومسلم دونوں میں تخریج کیا گیا ہے۔ روایت یہ ہے:

"عن عبادة بن الصامت قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وحوله عصابة من اصحابه ،بايعونى على ان لا تشركو اباللّٰه شيئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولا دكم ولا تأتوا ببهتان تفترونه بين ايديكم وارجلكم ولاتعصوا فى معروف فمن وفٰى منكم فاجرهٗ على الله ومن أصاب من ذلك شيئاًفعوقب به فى الدنيا فهو كفارة له ومن اصاب من ذلك ثم ستره اللّٰه عليه فهو الى اللّٰه ان شاء عفا عنهٗ وان شاء عاقبهٗ فبايعنا ه على ذلك (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن الصامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (جس موقع پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت (آپ کے صحابہ آپ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے) آپ نے ان سے کہا مجھ سے بیعت کرو اس چیز پر کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، اور کوئی بہتان نہیں باندھو گے جس کو اپنی طرف سے گڑھو اور کسی معروف چیز میں نافرمانی نہیں ہوگی پس جو اس عہد کو پورا کریگا اس کا اجر اللہ پر ہوگا اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کی خلاف ورزی کرے اس کو دنیا میں سزا مل جائے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور

جو شخص اس میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے تو اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے چاہے معاف کر دے اور چاہے اس کو سزا دے۔

امت کے کچھ افراد بیعت طریقت کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ بیعت طریقت یا بیعت اصلاح کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے بیعت علی الاسلام یا بیعت علی الجہاد ثابت ہے۔ آج کل بزرگوں کے یہاں جو بیعت اصلاح رائج ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، لہذا وہ بدعت ہے۔

حدیث مذکور سے ان حضرات کے اس غلط خیال کی کھلم کھلا تردید ہوگئی۔ کیونکہ حدیث مذکور میں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت اسلام ہے اور نہ بیعت جہاد۔ کیونکہ وہ سب حضرات پہلے سے مسلمان تھے۔ اسی طرح اس میں جہاد کا تذکرہ تک نہیں ہے بلکہ صاف صاف یہ بیعت اعمال یا بیعت اصلاح ہے جو ہر دور میں مشائخ کے یہاں معمول بہ رہی ہے، لہذا اس کو بدعت کہنا نری جہالت ہے۔

بیعت کی ضرورت عقل کی روشنی میں:

بیعت شرعاً نہ فرض ہے نہ واجب، آدمی اس کے بغیر بھی مرشد کی رہنمائی میں اصلاح نفس کا مقصد حاصل کر سکتا ہے مگر چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ سے بیعت لی ہے اس لئے یہ سنت ہے اور کئی اعتبار سے یہ مفید ہے۔ کیونکہ اس سے فریقین یعنی شیخ اور مرید دونوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس مضبوطی کے ساتھ رہتا ہے۔ اس لئے بیعت سے اس مقصد کے حصول میں آسانی اور برکت ہوجاتی ہے۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی ذہن نشیں رہے کہ شیخ روحانی معالج ہوتا ہے، باطنی بیماریوں کے علاج کے لئے اس کا قرب اس سے حسن ظن اور کامل محبت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں بیعت سے حاصل ہوتی ہیں اس لئے بیعت ایک ضرورت کی چیز ہے۔

سلوک وتصوف میں مرشد کی اہمیت وضرورت اور اس کی پہچان:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ: ”ظاہری اعمال اور ان کے مسائل سیکھنے کے لئے بھی عادتاً استاذ کی ضرورت ہوتی ہے، بغیر استاذ کے ایک کام بھی درست نہیں ہوتا لیکن اعمال باطنہ جن میں بعض فرائض وواجبات اور کچھ حرام ومکروہ ہیں، جو تصوف وطریقت میں بیان کئے جاتے ہیں ان کا علم حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے استاذ کی ضرورت اس سے زیادہ ہے۔ ان مسائل کے استاذ کو اصطلاح میں شیخ یا مرشد یا پیر کہا جاتا ہے۔ باطنی رذائل کو سمجھنا اور ان کا علاج کرنا عادتاً شیخ اور مرشد کے بغیر نہیں ہوسکتا اس لئے جو شخص اس طریق میں قدم رکھے اس کے لئے ضروری ہے کہ شیخ ومرشد کی تلاش کرے۔ جب وہ مل جائے تو اس کی طرف رجوع کرلے اور اس کی تعلیم کا پورا پورا اتباع کرے۔ توبہ پر عمل کرنا شروع کریگا تو معلوم ہوگا کہ اس تکمیل میں بھی جگہ جگہ پیر ومرشد کی ضرورت ہے۔ بغیر شیخ کامل کی رہبری کے توبہ بھی مکمل ہونا مشکل ہے۔

(تسہیل قصد السبیل ص:۱۹)

حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے تذکیۂ اخلاق کے لئے مرشد کی اہمیت وضرورت پر بڑے واضح انداز میں کلام فرمایا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ مرشد کامل کی پہچان اور علامتیں بھی سامنے آجائیں اس کے لئے حضرت اقدس مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی مدظلۂ العالی کی ایک تحریر ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں کہ:

”اس کے عقائد قرآن وحدیث کے مطابق ہوں، اخلاق نبویہ کے ساتھ متصف ہو ضروریات دین کا علم رکھتا ہو، متبع سنت ہو، مال وجاہ کا لالچی نہ ہو، آخرت درست کرنے کی ہر وقت فکر ہو، مخلوق پر شفیق ہو، کسی کامل بزرگ کی صحبت اور تعلیم کے ذریعہ اپنے نفس کی اصلاح کی ہو اور ان بزرگ نے اس پر اعتماد کیا ہو، اس کی صحبت میں بیٹھنے والوں کی حالت روز بروز درست ہوتی ہو یعنی دنیا کی رغبت کم اور آخرت کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہو۔

(معارف تصوف مع سلاسل الذہب ص:۱۳)

انتخاب مرشد اور بیعت:

دنیا میں جسمانی معالج کے انتخاب کے وقت دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں ایک مہارت فن اور دوسرے مناسبت مزاج۔ بالکل اسی طرح روحانی معالج

کے انتخاب میں بھی مہارت فن اور اوصاف ضروریہ کے ساتھ مناسبت مزاج کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو بچپن ہی سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ سے نہ صرف عقیدت بلکہ مزاج کے اعتبار سے بھی کامل مناسبت تھی ۔ جب آپ کی عمر دس یا گیارہ سال کی تھی ۔ اس وقت حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی تشریف لائے تھے ۔ اسی دوران آپ کے دل میں حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت نے مرشد کامل تلاش کرلیا تھا ۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے حضرت مدنی کی خدمت میں پہونچادے! اللہ نے آپ کی دعا قبول کی اور آپ دیوبند میں داخل ہو کر حضرت مدنی قدس سرہٗ کے شاگرد بھی ہوئے اور دست گرفتہ بھی ۔

آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوتے ہی حضرت مدنی قدس سرہٗ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم فرما چکے تھے ۔ اس مقصد کے لئے آپ حضرت شیخ الاسلام کی مجالس میں ان کے فیض صحبت کو حاصل کرنے کے لئے برابر شریک ہونے کے ساتھ اطلاع احوال اور اتباع شیخ پر بھی عامل تھے ۔ مگر باقاعدہ بیعت فراغت کے بعد کی ۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ سے آپ کو عقیدت پہلے ہی سے تھی ۔ بیعت کے بعد عقیدت اور ترقی کرگئی اسی کے ساتھ شیخ کے ساتھ ربط قلب والی کیفیت بھی آپ کو حاصل ہوئی جس کے متعلق صوفیاء کا کہنا ہے کہ ربط شیخ سے سلوک کا راستہ بہت جلد طے ہوجاتا ہے ۔ کہ برسوں اور سالوں کا کام ہفتوں اور دنوں میں ہوجاتا ہے اور شیخ کی توجہ باطنی سے طالب کہیں سے کہیں پہونچ جاتا ہے اور یہ ترقی اس طرح ہوتی ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں کہ اتنی جلدی یہ کہاں سے کہاں پہونچ گئے ۔ اور کیا سے کیا ہوگئے ۔

صحبت شیخ کی تأثیر :

گلاب کی صحبت سے مٹی بھی خوشبودار ہوجاتی ہے ۔ اس سے لوگوں کو نہ صرف حیرانی ہوتی ہے بلکہ بہت سے احباب اس کی خوشبو سے مست ہو کر پکار اٹھتے ہیں ۔

گلے خوشبوئے درحمام روزے ☆ رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ☆ کہ از بوئے دل آویز تو مستم

ایک دن حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے مجھے خوشبودار مٹی ملی ۔ میں نے اس سے کہا کہ: تو مشک ہے یا عنبر کہ تیری دل آویز خوشبو سے میں مست ہوگیا ہوں ۔ مٹی نے زبان حال سے جواب دیا:

بگفتا من گل ناچیز بودم ☆ ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد ☆ وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

اس نے کہا میں وہی ناچیز مٹی ہوں، لیکن ایک مدت تک گلاب کی صحبت میں رہی ہوں ۔ جمال ہمنشیں نے میرے اندر اثر کیا ہے ۔ ورنہ میں وہی مٹی ہوں جو ہوں ۔

جب مٹی گلاب کی صحبت کا اثر قبول کر کے خوشبودار بن جاتی ہے تو ایک طالب صادق، شیخ کامل کی صحبت سے کیوں خوشبودار نہیں بن سکتا چنانچہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی بافیض صحبت سے مالا مال ہوئے اور آپ کی پر اثر صحبت سے بے شمار فیوض و برکات حاصل کیں ۔ نیز اس صحبت کی تأثیر سے آپ کے اخلاق میں جو بلندی اور حسن پیدا ہوا، موت تک باقی رہا ۔

اخلاق حسنہ (جن میں تواضع، رحم، نرمی، خوش خلقی، سخاوت، درگذر، خندہ روی، بشاشت، سہولت، تصنع اور تکلف کا ترک، توکل علی اللہ، قناعت، پرہیزگاری، ایفائے عہد، بردباری، دور اندیشی، بغض، حسد اور کینہ سے کلیۃً صفائی شامل ہے) سے آراستہ ہونا راہ سلوک کا اہم مقصد ہے ۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کو اس مقصد میں مکمل کامیابی حاصل ہوگئی تھی اور آپ تمام اخلاق حسنہ اور عمدہ اوصاف سے مزین تھے ۔

اجازت وخلافت:

سلسلۂ چشتیہ میں اولاً اذکار جہر یہ تلقین کئے جاتے ہیں پھر بالکل آخری مرحلے میں مراقبات، اذکار خفیہ تلقین کئے جاتے ہیں۔ جبکہ سلسلۂ نقشبندیہ کا مزاج اس کے برعکس ہے۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ کے یہاں سالکین کی تربیت طریقۂ چشتیہ کے مطابق ہوتی تھی۔ اس لئے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کی تربیت بھی اسی طریقۂ تعلیم پر شروع کی گئی۔ مزاج میں مناسبت اور طلب صادق تو حاصل تھی ہی، اس لئے بہت تیزی سے اس راہ میں آگے بڑھے۔ سلوک کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد جب آپ مراقبات کے اسباق میں مشغول تھے تو آپ کے مرشد حضرت مدنی قدس سرہٗ آپ کو داغ مفارقت دے گئے۔ اس صدمۂ جانکاہ کا آپ کی طبیعت پر بہت اثر ہوا۔ چنانچہ آپ اس حادثہ کے بعد حد درجہ مغموم اور بے چین رہنے لگے، آپ حادثہ کے اثر سے اپنے آپ کو بے سہارا اور ٹوٹا ہوا محسوس کرتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ کی وفات کے بعد آپ کو قلبی تعلق اور دلی محبت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سے ہوئی۔ حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ مولانا مرحوم کے طحاوی شریف کے استاذ تھے۔ اس لئے استاذ سے عقیدت ومحبت کے جو جذبات سعادت مند شاگردوں کے دلوں میں ہوتے ہیں، وہ آپ کو حاصل تھے، مگر جب مرشد کامل حضرت مدنی قدس سرہٗ وفات پاگئے تو حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہی آپ کی نگاہ میں بحیثیت مربی ومرشد ٹھہرے

حضرت حکیم الاسلام سے آپ نے رجوع کب کیا۔ اس کی صراحت تو کہیں نہیں ملتی البتہ حضرت حکیم الاسلام سے آپ کو جو مریدانہ اور مسترشدانہ تعلق رہا ہے اس کا ثبوت اور اس کی صراحت آپ ہی کی زبان سے درجنوں مرتبہ سننے کو ملی ہے

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی دور بین آنکھیں اس دُرِّ فرید اور جوہر گراں مایہ کی صلاحیت سے بخوبی واقف تھیں۔ اس لئے حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے آپ کو اجازت وخلافت عطا فرمائی مگر چونکہ اللہ نے آپ کو تواضع وانکساری میں ممتاز مقام عطا فرمایا تھا اس لئے آپ نے اپنی دیگر خوبیوں کی طرح اس خوبی اور کمال کو بھی پوری زندگی چھپایا۔

ایک روز اچانک آپ نے عصر کے بعد والی مجلس میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا اور ساتھ میں یہ تاکید بھی کردی کہ دوسروں کو نہ بتانا! اس واقعہ کی تفصیل حضرت قاری شفیق الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی کی ڈائری میں اس طرح منقول ہے لکھتے ہیں:

’’آپ کو حضرت مدنیؒ سے بے حد عقیدت تھی جس کا اظہار آپ اپنی مجلس میں اکثر فرماتے رہتے تھے۔ اور بیعت بھی حضرت ہی سے تھے۔ حضرت کی وفات ہوگئی اس کے بعد کسی سے رجوع کیا یا نہیں، اس بارے میں آپ ہمیشہ خاموش رہے۔ اچانک ایک روز معلوم کرنے پر آپ نے بتایا کہ مجھ کو حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے اجازت وخلافت حاصل ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! آج تک ہم لوگوں کو معلوم نہ ہوسکا اور آپ نے کبھی اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ تو فرمایا کہ آج آپ کو بتادیا ہے مگر آپ کسی سے کہیں گے نہیں! پھر فرمایا کہ میں نے آپ سے پہلے کسی کو بتایا نہیں ہے اور نہ آج تک کسی کو بیعت کیا ہے۔ اور فرمایا کہ بھائی میرا مزاج نہیں ہے یہ تو بڑے حضرات کے کام ہیں۔

(یادداشت از قاری صاحب مدظلہٗ العالی؛ بعنوان احوال ص:۷)

نسبت کا فیضان:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ کو اپنے دونوں مرشدوں کی نسبت کا کامل فیض ملا تھا۔ جس کے اثرات آپ کی پوری زندگی میں نمایاں رہے۔ اسی نسبت کا فیضان تھا کہ آپ جہاں علم کے اتھاہ سمندر کے غواص تھے، وہیں عمل اور تقویٰ اور تعلق مع اللہ میں بھی بہت مضبوط تھے۔ آپ کی پوری زندگی اور زندگی کے تمام شعبے اور نشست وبرخاست اور آپ کی گفتگو اور آپ کے معاملات اور حسن معاشرت، عبادت، طہارت اور نیکی ان سب میں آپ کی عالی نسبت کا فیضان اور اس کا اثر مترشح تھا۔ نسبت ہی کا اثر تھا کہ آپ پر اکثر اوقات خشیت الٰہیہ کا غلبہ رہتا تھا۔ ہمہ وقت محبت الٰہیہ، معرفت الٰہیہ اور فکر آخرت کی باتیں آپ کی زبان فیض سے جاری رہتیں۔ چنانچہ آپ عصر کے بعد جو کچھ ارشاد فرماتے اس میں زیادہ تر اسی طرح کی باتیں ہوتیں۔ اس کا اندازہ

آپ کو کتاب میں موجود آپ کے ارشادات وملفوظات کے مطالعہ سے بخوبی ہو جائیگا۔آپ کی ارشاد فرمودہ زیادہ تر باتیں اور حکایتیں،معرفت،حقائق،اللہ والوں کے قصے اور ناصحانہ حکایات پر مشتمل ہیں۔آپ کو اپنے مرشد اول اور خصوصی مربی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ سے باعتبار تواضع کے نسبت اتحادی حاصل تھی۔اسی لئے آپ کے بیشتر کمالات تواضع کے پردے میں چھپے رہے۔آپ بہت بڑے تھے اور بہت کچھ تھے مگر کبھی بھی اپنے آپ کو نہ تو کچھ سمجھا اور نہ اوروں کو سمجھانے کی کوشش کی

تصوف کے تعلق سے آپ کا ایک گراں قدر ملفوظ :

تصوف کے تعلق سے حضرت تھانویؒ کی ایک کتاب بنام ''التکشف فی مھمات التصوف '' نئے حواشی اور تخریج احادیث کے ساتھ حضرت کی خدمت میں پیش کی گئی۔حضرت نے اسے بہت پسند فرمایا پھر فرمایا کہ: مسائل تصوف اور سلوک کے مدارج تو کسی شیخ کامل کی خدمت میں رہ کر ہی آتے ہیں۔شیخ ہر ایک کے مزاج کے مطابق اس سے محنت کراتا ہے،مجاہدے اور ریاضتیں کراتا ہے،اس کی اچھی طرح گھسائی کراتا ہے۔تب کہیں جا کر اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور انہیں اعلیٰ اخلاق کا نام تصوف ہے۔یہ محض کتابوں میں پڑھنے سے نہیں آتے۔کتابوں میں پڑھنے سے تو بس اتنا ہوتا ہے کہ تصوف کا علم آ گیا ہے اور اس علم سے متعلق کچھ باتیں یاد ہوگئیں پھر انہوں نے کبھی ان مسائل کو بیان کر دیا تو لوگ سمجھتے ہیں کہ صاحب یہ بڑے صوفی اور بزرگ ہیں حالانکہ اس کو تصوف نہیں کہتے۔یہ تو شیخ کامل کی خدمت ہی سے آتا ہے۔اسی وجہ سے پہلے لوگ خوب مجاہدے کراتے تھے اور سالکین سے خوب محنتیں کراتے تھے۔خدمت کے کام کراتے تھے،تاکہ خدمت خلق سیکھ سکیں اور پھر اللہ کے بندوں کی خدمت کریں۔اور یہی حاصل تصوف ہے۔

چھٹا باب

آپ کے چند مشہور اور نامور تلامذہ

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ

حضرت مولانا کیرانویؒ حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں۔ مولانا کیرانویؒ دار العلوم کی ان تاریخی شخصیات میں سے ایک ہیں جو مردم گری اور افراد سازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کا تعلق ''کیرانہ'' کے ایک ایسے گھرانے سے تھا جس میں کئی پشتوں سے علماء اور فضلاء کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ خود آپ کے والد محترم ایک جید اور صالح عالم دین تھے، مولانا کے والد محترم مولانا مسیح الزماں، قاضی مولانا محمد اسماعیل کے فرزند تھے، یہ سب حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

ولادت:

۱۷ فروری ۱۹۳۰ء کو آپ قصبہ ''کیرانہ، ضلع مظفر نگر، صوبہ یوپی'' کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کی دادی نواب قطب الدین صاحب مصنف مظاہر حق کی نواسی تھیں۔

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تعلیم مدرسہ عربیہ جامع مسجد کیرانہ میں ہوئی۔ ۱۹۴۶ء میں بغرض تعلیم حیدر آباد گئے اور ایک سال قیام رہا لیکن تقسیم ہند کے المناک قضیہ کی بنا پر تعلیم کا کوئی نظم نہ ہو سکا۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں دار العلوم دیوبند آئے، مولانا نے دوران تعلیم اپنی تمام تر توجہ علم و عمل کے تقاضوں کو پورا کرنے پر رکھی، اسی لئے تعلیم کے دوران ہی آپ ممتاز طلبہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ عربی زبان و ادب کا ذوق شروع ہی سے تھا اس لئے زمانۂ تعلیم میں بھی اس پر خاص توجہ رکھی، دوران تعلیم عربی زبان کی اشاعت کے لئے ''سلسلة الدروس العربية'' کے نام سے اسباق لکھ کر آویزاں کرتے تھے اور طلبہ کو مشق بھی کراتے تھے، دار العلوم دیوبند میں آنے والے عربی مہمانوں کے استقبال اور سپاس نامے وغیرہ لکھنے کا کام آپ ہی انجام دیتے تھے، مختلف جلسوں میں عربی مقالے پیش کرنے کے علاوہ دار العلوم دیوبند میں عربی کے تحریری کام بھی آپ انجام دیتے تھے۔

فراغت کے بعد:

فراغت کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ ''رئیس الاحرار'' کے پرائیویٹ سکریٹری رہے۔ قدرت نے تصنیف و تالیف میں ستھرا ذوق عطا فرمایا تھا جس کی بنیاد پر کئی اہم تصانیف ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۹ء تک تحریر فرمائیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

''آخرت کا سفر نامہ، شرعی نماز، انسانیت کا پیغام، اچھا خاندان، تقسیم ہند اور مسلمان (مصنفہ: محمد احمد کاظمی مرحوم) کا عربی میں ترجمہ'' اور پھر اسی

زمانہ میں عظیم تخلیقی شاہکار اردو، عربی ڈکشنری جو ''القاموس الجدید'' کے نام سے معروف ہے منظر عام پر آئی، آپ کی یہ کتاب زبان وادب عربی سے تعلق رکھنے والے تمام اہل علم کی ضرورت بن گئی ہے۔ آپ نے '' دار الفکر '' نام سے دیوبند میں ایک ادارہ بھی قائم فرمایا تھا جس کے تحت عربی اور انگریزی زبان کی کلاسیں جاری کی گئیں اور ماہنامہ ''القاسم'' بھی اسی ادارے سے جاری کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرر :

۱۹۶۳ء میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ اور حضرت العلام محمد ابراہیم بلیاوی قدس سرہٗ نے دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت عربی مدرس تقرر کردیا ۔ دو سال بعد سہ ماہی مجلّہ ''دعوۃ الحق'' کا اجراء عمل میں آیا تو آپ کو اس کی ادارت سپرد کی گئی۔ آپ کی بے پناہ تدریسی صلاحیتوں کے پیش نظر عربی زبان وادب کے ساتھ حدیث کی دو مشہور کتابوں ''طحاوی شریف اور نسائی شریف'' کا درس بھی آپ کے سپرد کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے دوران آپ کا ایک بڑا کارنامہ طلبہ میں عربی زبان وادب میں مہارت پیدا کرنے کی غرض سے ''النادی الادبی'' کے نام سے ایک عربی انجمن کا قیام ہے۔ اس انجمن سے ہر سال تقریباً تین سو طلبہ وابستہ ہو کر عربی زبان کی تحریری وتقریری مشق کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ کئی قلمی پرچے بھی اسی انجمن کے تحت نکالے جاتے تھے۔ ایک طویل عرصہ تک ''جمعیۃ علمائے ہند'' کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور اس کے پندرہ روزہ عربی اخبار ''الکفاح'' کے چیف ایڈیٹر رہے۔ جمعیۃ علمائے ہند کے توسط سے آپ نے ایک وفد کی سربراہی کرتے ہوئے متعدد عربی ممالک (سعودی عرب، بحرین، متحدہ عرب امارات وغیرہ) کا دورہ کیا۔ اس کے علاوہ جمعیۃ کے تصنیفی شعبے ''مرکز دعوت اسلام'' کے ڈائرکٹر بھی رہے، جس سے متعدد علمی واصلاحی کتابیں شائع کی گئیں دارالعلوم دیوبند میں اجلاس صد سالہ کے عنوان سے جو تاریخی جلسہ کیا گیا تھا، اس کی تیاری کے لئے بنائی گئی تمام کمیٹیوں کا آپ کو امیر بنایا گیا تھا، چنانچہ بے شمار جدید تعمیرات، بوسیدہ اور مرمت طلب عمارتوں کی اصلاح وترمیم اسی دوران آپ کے ذریعہ انجام پذیر ہوئیں۔

۱۹۸۲ء میں جب دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ میں تبدیلی آئی تو آپ کو کچھ عرصہ بعد ۱۹۸۳ء میں ناظم مجلس تعلیمی بنایا گیا اور اسی سال آپ نے ''ماریشش، انگلینڈ، مصر، پیرس'' کا سفر کیا۔ شوریٰ نے دیکھ لیا تھا کہ آپ انتظامی صلاحیتوں کے حامل انسان ہیں اس لئے ۱۹۸۵ء میں آپ کو معاون مہتمم بھی بنایا گیا۔ اس زمانے میں بہت سی نئی تعمیرات اور دفتری نظام میں اصلاح، طریقۂ کار میں پھرتی اور تیز رفتاری اور نظام تعلیم میں پختگی جیسی بہت سی نمایاں خدمات انجام دیں اور اسی دوران پندرہ روزہ '' آئینۂ دارالعلوم'' کا اجراء کیا۔ ایک عرصہ بعد دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد ''دارالمؤلفین'' کے نام سے ایک علمی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے نے نوجوان فضلائے دارالعلوم دیوبند کی علمی رفاقت ومعاونت حاصل کرکے دو سال کے قلیل عرصہ میں تقریباً دو درجن کتابیں شائع کیں۔

۱۹۹۰ء تک آپ دارالعلوم دیوبند میں رجال ساز اور مردم گر معلمِ کامل کی حیثیت سے رہے، بعد ازاں آپ یکسو ہو کر ملی اور علمی کاموں میں مشغول ہو گئے چنانچہ آپ باتفاق رائے ''ملی جمعیۃ علمائے ہند'' اور ''مرکزی جمعیۃ علمائے ہند'' کے صدر منتخب ہوئے اسی درمیان آپ نے ایک ضخیم قاموس ''القاموس الوحید'' کے نام سے تالیف فرمائی۔ اس سے فارغ ہو کر مفتی شفیع احمد صاحبؒ کی ''معارف القرآن'' سے اہم علمی وتحقیقی مباحث کو کئی جلدوں میں ''جواہر المعارف'' کے نام سے جمع فرمایا اور مشکوٰۃ شریف سے اخلاق وآداب ومعاشرت پر مشتمل احادیث کا ایک قیمتی مجموعہ مرتب فرمایا۔

کمالات واوصاف:

بعض لوگ متنوع کمالات اور اتنی مختلف خصوصیات کے حامل ہوئے ہیں کہ ایک چھوٹے سے مضمون میں ان کی خصوصیات اور کمالات کو سمیٹنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔ ایسے حضرات کی فہرست میں مولانا موصوف کا بھی اسم گرامی شامل ہے۔

مولانا مرحوم کے عمدہ کمالات اور بے مثال خصوصیات کو نہایت مگر جامع الفاظ میں پرکشش اسلوب اور خوبصورت طرز ادا کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے استاذ محترم حضرت مولانا خلیل امینی صاحب نے انوکھے اور البیلے انداز میں تحریر فرمایا ہے، مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی لکھتے ہیں:

’’حضرت مولانا کی زندگی پر (...............) محض طائرانہ نظر ڈالنے سے بھی ہر کس و ناکس کو یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ خدائی صنعت کی خاص دین تھے، خدائے حکیم نے انہیں تعلیم و تربیت کی دنیا میں ممتاز رول کی ادائیگی اور مدرسی ماحول کی ہمہ گیر اصلاح اور انقلاب آفریں عمل کے انجام دہی کے لئے خلق کیا تھا، انہوں نے قدیم ماحول میں ہی تعلیمی سفر طے کیا؛ لیکن جدید ترین اداؤں سے جتنے وہ واقف تھے کہا جاسکتا ہے کہ خاص جدید ماحول کے پروردہ کو بھی شاید اتنی ہمہ گیر اور ثمر آور واقفیت نہیں ہوتی، وہ بیک وقت عبقری معلم جلیل القدر مربی، بے نظیر مصلح، مفید تر اور انوکھے موضوعات کے مصنف، ہنر مند قلم کار و قلم کارگر، نئے سمت کے صحافی و صحافی ساز، مدبر عالم، منتظم، ذمہ دار، لدنی انجینئر و آرکیٹیکٹ، خوش نوا و پر جوش و سحر خیز مقرر اور فن کار و پر کار تعلیم یافتہ اور اس کے علاوہ بہت کچھ تھے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ماحول اور زمانے کے راویوں کو بہت دور تک بہت واضح طور پر دیکھ لیتے تھے؛ اسی لئے کام کا خاکہ بنانے اور اس خاکے میں رنگ بھرنے میں کسی ابہام کا شکار نہ ہوتے تھے نہ الجھاؤ کا۔ ان میں بے پناہ لینے کی صلاحیت تھی اور اس سے کہیں زیادہ دینے کی، جو لیتا نہیں وہ کیا دے سکتا ہے‘‘ (پس مرگ زندہ، ص:۲۷۶)

حضرت مولانا کیرانویؒ طبعًا بہت سادہ اور کھلے دماغ کے آدمی تھے، وہ ظریف الطبع اور خوش مزاج ہونے کے ساتھ حد درجہ سنجیدہ و باوقار بھی تھے، عالم اسلام کا یہ عبقری معلم عظیم محقق اور صاحب طرز ادیب ۱۵؍ اپریل ۱۹۹۵ء میں اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً)

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا قاضی مجاهد الاسلام صاحبؒ:

دار العلوم دیو بند کے نمایاں فاضل اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے تلمیذ رشید حضرت قاضی مجاہد الاسلام قدس سرہٗ امت کے نہایت قیمتی سرمایہ تھے، وہ اپنی خداداد ذہانت اور فقہی بصارت کے حوالے سے برصغیر کے ممتاز علماء میں سے تھے، حضرت قاضی مجاہد الاسلام قدس سرہٗ عالم بے بدل، مفتئ لاثانی، حامل عدالت قاضی، سحر انگیز خطیب اور اعلیٰ درجہ کے قائد و مفکر تھے، آپ کے والد محترم حضرت مولانا عبد الاحد صاحب؛ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیو بندیؒ کے اولین شاگردوں میں سے تھے۔ مولانا عبد الاحد صاحب عالِ باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر طبیب بھی تھے۔ انہوں نے ۱۳۹۰ھ میں دیو بند سے اعلیٰ نمبرات کے ساتھ کامیابی حاصل کی، کچھ دنوں حضرت تھانویؒ سے استفادہ کیا اور پھر ڈیڑھ سال تک حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہے آپ باقاعدہ طبیب بھی تھے، طبابت ہی کو آپ نے اپنا پیشہ بنایا اور دینی تعلیم و تدریس کو ہمیشہ حسبۃً للہ انجام دیا، ایسی باخدا اور صاحب علم شخصیت کے یہاں؛ حضرت قاضی صاحبؒ ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں بڑے بھائی حضرت مولانا زین العابدین صاحب سے پڑھیں اور میزان الصرف اپنے والد ماجد حضرت مولانا عبد الاحد صاحب سے پڑھیں۔ والد محترم کی وفات کے بعد ’’مدرسہ محمود العلوم، دملہ، ضلع مدھوبنی‘‘ میں زیر تعلیم رہے۔ پھر ’’مدرسہ امدادیہ، دربھنگہ‘‘ اور ’’دار العلوم مؤ ناتھ بھنجن‘‘ میں متوسط و ثانی تعلیم کے مراحل طے کئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے عالم اسلام کی مشہور دینی درسگاہ دار العلوم دیو بند میں داخل ہوئے۔ یہاں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۵ء تک رہ کر بڑے بڑے اساتذۂ علم و فن سے مکمل اور بھر پور علمی استفادہ کیا۔ بخاری شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھی دیگر علوم و فنون کی کتابیں حضرت مولانا اعزاز صاحبؒ، حضرت مولانا ابراہیم صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب بلیاویؒ (صاحب مصباح اللغات)، مولانا محمد حسین صاحب بہاریؒ، مولانا فخر الحسن صاحبؒ، مولانا بشیر احمد خان صاحب، اور حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ سے پڑھیں۔

فراغت کے بعد ۱۳۷۴ء میں ’’جامعہ رحمانیہ مونگیر‘‘ میں آپ کا تقرر ہوا؛ یہاں تقریباً ۸؍ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۸۲ھ کو امارت شرعیہ کی نظامت اور قضاء کا عہدہ قبول کرتے ہوئے پھلواری شریف پٹنہ تشریف لائے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے سلسلے میں آپ حضرت حکیم

الاسلام اور حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کے دوش بدوش رہے۔

۲۲/اپریل ۲۰۰۰ء آپ اس عظیم تنظیم کے صدر منتخب ہوئے۔ قاضی صاحب نے محسوس کیا کہ مغربی تہذیب کے غلبہ، جدید وسائل کی فراوانی اور مغربی تمدن سے تاثر کی وجہ سے بہت سے نئے مسائل امت کو درپیش ہیں؛ اس کے لئے انہوں نے ''فقہ اکیڈمی'' قائم کی۔ جس میں مسائل کے حل کے لئے علوم جدیدہ کے ماہرین سے مدد کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۱۹۸۹ء کو انہوں نے ''فقہ اکیڈمی'' کی بنیاد رکھی، جس کا پہلا فقہی اجلاس ۳/اپریل ۱۹۸۹ء کو ہمدرد یونیورسٹی کے سیمینار ہال میں منعقد ہوا۔ حضرت قاضی مجاہد الاسلام قدس سرہٗ نے گراں قدر علمی و تالیفی نقوش چھوڑے ہیں جو مقدار و معیار دونوں اعتبار سے غیر معمولی ہیں اور موت کے بعد کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں۔

ان کی مشہور تالیف ''اسلامی عدالت'' ہے جو آپ کی علمی بصیرت، قاضیانہ فراست و پختہ ذہن کی آئینہ دار ہے، وہ عرصہ پہلے چھپ کر عام ہو چکی ہے، اس کا عربی ترجمہ ''نظام القضاء فی الاسلام'' کے عنوان سے بیروت سے شائع ہو کر عرب اہل علم حضرات سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اسی طرح'' قضایا فقہیہ معاصرہ، فقہ المشکلات، الذبائح، دراسیات فقہیہ، دراسیات علمیہ، بحوث فقہیہ اور الوقف'' کے عنوان سے کئی عدد کتابیں اردو سے عربی میں ترجمہ ہو کر عالم عربی میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ سخت بیماری میں جب کہ آپ بستر مرگ پر تھے ''صنوان القضاء'' نام کی عظیم فقہی کتاب کو چار جلدوں میں ایڈیٹ کیا، جو کویت کی ''وزارت اوقاف'' اور ''امور مذہبی'' کی طرف سے شائع ہوئی۔ اسی کے ساتھ آپ کی قلمی اور فقہی کاوشوں کو تحقیق کے ساتھ منظر عام پر لانے والا مجلّہ ''بحث و نظر'' کا اجراء بھی آپ ہی کا مرہون منت ہے۔

جمعرات ۲۰/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ مطابق ۴/اپریل ۲۰۰۲ء کو یہ آفتاب فقہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، تدفین ان کی سسرال ''مہدولی، ضلع دربھنگہ، بہار'' میں ہوئی۔ مختلف عہدے اور مناصب جو آپ کے ذمہ رہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے

☆ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

☆ صدر و مؤسس اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆ صدر و مؤسس آل انڈیا ملی کونسل

☆ قاضی القضاۃ و نائب امیر شریعہ، بہار واڑیسہ و جھارکھنڈ

☆ صدر وفاق المدارس الاسلامیہ بہار

☆ صدر مولانا سجاد اسپتال امارت شرعیہ

☆ رکن فقہ اسلامک اکیڈمی مکہ مکرمہ

☆ اکسپرٹ ممبر انٹرنیشنل، اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ

☆ رکن المجمع العلمی العالمی، دمشق

☆ رکن اعزازی الھیئۃا لأخیریۃ الاسلامیۃ العالمیۃ، کویت

قاضی صاحب اپنی صلاحیت، تواضع، خلوص و محبت اور مزاج کے توازن واعتدال کی وجہ سے ہر حلقے کے محبوب تھے، ان کے معاصر علماء نے ان کو سراہا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے ان کو دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز علماء کی ایک معتبر کڑی قرار دیا تھا؛؛

اسی طرح مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ نے انہیں فقہ اسلامی میں منفرد شخصیت کہا تھا، اسکے علاوہ قریب قریب تمام ہی مکاتب فکر کے ترجمانوں نے آپ کو بہترین خراج عقیدت پیش کیا۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا قاری حبیب الرحمن صاحب بلند شہریؒ

شاگرد و خادم خاص حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

آپ کا اسم گرامی حبیب الرحمٰن ہے، والد محترم کا اسم گرامی عبدالرحیم صاحب جو آغا عبدالرحیم کے نام سے جانے جاتے تھے۔

۶/ جون ۱۹۵۳ء میں بلند شہر کے مردم خیز علاقہ (اوپر کوٹ محلّہ منیہاران) میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم آپ کی جامع مسجد بلند شہر کی ہے، یہاں کے قدیم استاذ جناب حافظ عبدالوحید صاحب مرحوم سے آپ نے ناظرہ قرآن پاک پڑھا، اس کے بعد فارسی وعربی کی کتب کالی مسجد بلند شہر کے مدرسہ قاسمیہ عربیہ بلند شہر میں پڑھیں۔ یہاں آپ کے استاذ گرامی حضرت مولانا صدیق حسن صاحب سہنسپوری بجنوری تھے۔ تقریباً شرح جامی تک کی تمام کتب آپ نے مولانا موصوف سے ہی پڑھیں، مولانا صدیق حسن صاحبؒ مدرسہ کے صدر مدرس بھی تھے اور فارسی وعربی کی کی جملہ کتب کے مدرس بھی۔

دارالعلوم میں داخلہ اور فراغت :

اس کے بعد آپ شوال ۱۳۸۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوگئے یہاں کئی سال آپ کا قیام رہا اور ۱۹۷۱ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، بخاری شریف اول حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ سے اور بخاری جلد ثانی حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ سے پڑھی۔

حضرت شیخ صاحبؒ سے خاص تعلق:

دیگر اساتذہ میں حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ، حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا میاں اختر حسین صاحبؒ، حضرت مولانا شریف الحسن صاحبؒ۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ، حضرت مولانا بہاری صاحبؒ، حضرت مولانا بشیر احمد خانصاحبؒ، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ وغیرہ بھی ہیں، تاہم مؤخر الذکر حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب سے آپ کو غایت درجہ تعلق تھا اور ہر وقت کے آپ کے حاضر باش تھے، آپ کو مولانا سے انتہائی تعلق تھا اور بے حد اعتقاد اور تادم آخر یہ تعلق باقی رہا، مولانا درس کے دوران اکثر وبیشتر حضرت شیخ کا تذکرہ کر کے آبدیدہ ہو جاتے تھے، اسی وقت سے آپ کے شاگرد خاص حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب استاذ قرأت دارالعلوم دیوبند کو بھی مولانا سے غائبانہ تعلق ہوگیا تھا اور پھر دارالعلوم دیوبند آ کر حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی ایسی خدمت اور ایسا قرب نصیب ہوگیا جو آخری وقت تک رہا۔

مولانا قاری اور مقری بھی تھے :

دارالعلوم دیوبند میں دیگر علوم کے ساتھ مولانا نے تجوید وقرأت کا فن بھی سیکھا تھا۔ فن تجوید وقرأت میں آپ کے اساتذہ حضرت قاری سعید عالم صاحب مظفر نگریؒ، وقاری محمد نعمان صاحب ابن علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور حضرت مولانا قاری عتیق الرحمٰن صاحبؒ ہیں، مؤخر الذکر سے آپ نے قرأت سبعہ پڑھی ہے مولانا کی مشق بڑی عمدہ تھی، کئی عربی لہجوں پر آپ کو عبور تھا۔ ادائیگی میں اعلیٰ درجہ کا کمال تھا۔ نہایت خوش الحان بھی تھے، تلاوت ترتیلاً ہو یا حدر وتدویر میں ہو نماز میں ہو یا مجلس میں ہر حال میں آپ کی تلاوت ادائیگی کا اعلیٰ نمونہ ہوتی تھی۔

آپ عمدہ خطاط بھی تھے :

آپ بہت عمدہ اور بے نظیر کاتب بھی تھے، کئی مختلف خطوط آپنے اساتذہ سے سیکھے تھے ''خط ثلث، خط رقاع، خط دیوانی،، خط کوفی، اور نستعلیق کے آپ ماہر تھے بہت عمدہ لکھتے تھے ان کی عام تحریر بھی نہایت عمدہ ہوتی تھی، تحریر دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ تحریر نہیں بلکہ موتیوں کی لڑی ہے، حروف کی نشست وبرخاست عام تحریر میں بھی خوبصورت رہتی تھی غرض یہ کہ ہر علمی کمالات سے اللہ تعالیٰ نے مولانا کو نوازا تھا۔ خوش نویسی میں آپ کے خصوصی استاذ مولانا اشتیاق احمد صاحب علیہ الرحمہ تھے جو دارالعلوم میں شعبۂ کتابت کے صدر تھے۔

تدریس کا آغاز:

فراغت کے بعد کئی سال تک آپ نے دہلی ''قصاب پورہ'' کی ایک مسجد میں امامت اور خطابت، تفسیر قرآن پاک کے فرائض انجام دیے، بہت سے طلبہ فارسی، عربی کی ابتدائی کتب اور مشق وتجوید میں بھی آپ سے استفادہ کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا صدیق حسن صاحبؒ کے حکم سے بلند شہر آ گئے اور تقریباً دس سال بلند شہر میں قیام رہا۔ ابتداءً ''کالی مسجد'' میں تدریس اور جامع مسجد میں امامت کی، پھر تدریس کا سلسلہ بھی جامع مسجد ہی میں شروع فرمایا۔ یہاں امامت اور خطابت کے ساتھ تفسیر قرآن کریم کا مبارک سلسلہ بھی جاری رکھا۔ عربی وفارسی کی کتب میں بھی طلبہ آپ سے برابر استفادہ کرتے رہے نیز مشق تجوید کا بھی سلسلہ رہا۔ آپ ایک جید الاستعداد عالم تھے درس وتدریس کا انداز نہایت عمدہ تھا۔

اسی زمانے میں والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب نے بھی آپ سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ ''ابتدائی مشق ترتیلاً، جمال القرآن ،شرح جامی بحث فعل وحروف، شرح ابن عقیل، شرح تہذیب، قطبی نفحۃ العرب، قدوری، ترجمۂ قرآن پاک'' وغیرہ کتب پڑھیں۔

مولانا جسامت کے اعتبار سے ہلکے پھلکے آدمی تھے مگر کمالات بے شمار اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے، اخلاق وعادات بھی آپ کے بڑے عمدہ تھے ،احباب سے بڑی بے تکلفی کے ساتھ پیش آتے، آپ کو غصہ بھی بڑی شدت سے آتا مگر اس کے باوجود طلبہ اور شاگردوں پر شفقت اور مہربانیاں بھی بے شمار فر ماتے تھے، طلبہ کو تو ہمیشہ حقیقی باپ کی سی شفقتوں اور عنایتوں سے نوازتے تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں مشق کراتے وقت ایک آیت یا اس کے کسی جز کو بار بار پڑھکر سناتے، لہجہ بتاتے۔ طلبہ کی سمجھ میں لہجہ نہیں آتا تو مولانا ناراضگی کا اظہار نہ فرماتے بلکہ یوں فرما دیتے کہ آئندہ سمجھ میں آ جائیگا۔

پھر دھلی ھی واپسی:

بہر حال تقریباً دس سال کے بعد پھر آپ دہلی تشریف لے آئے اور تادم آخر دہلی ہی میں قیام رہا۔ ''املی والی مسجد، گلی ایشوری پرشاد باڑہ ہندوراؤ'' میں امامت اور خطابت، تفسیر قرآن پاک اور مسجد ہی سے متصل ''مدرسہ مصباح العلوم'' کی صدارت؛ یہ تھے آپ کے فرائض۔

کتب فارسی اور عربی اور تجوید میں بھی برابر طلبہ آپ سے استفادہ کرتے رہے، آپ عمدہ مقرر بھی تھے اس لئے دہلی کے بہت سے جلسوں میں بھی آپ کی تقاریر ہوتی تھیں، تقریر میں مضامین بہت صاف اور ستھرے اور قرآن وحدیث سے مستفاد ہوتے۔ بڑی مہذب، شستہ، سلیس آپ کی تقریر ہوتی کہ سننے والا سنتا ہی رہ جائے۔ تقریر میں بھی آپ کا تلفظ اور حروف کی دائیگی بہت صاف ستھری ہوتی تھی، کبھی کسی حروف کو جلدی ادا نہ کرتے۔ بلکہ پورے وثوق اور جماؤ کے ساتھ ادا کرتے بہر حال تقریر کا پورا مضمون متانت اور سنجیدگی کا مظہر ہوتا اور اسی طرح دو گھنٹے اور ڈھائی گھنٹے تک با آسانی کلام فرماتے رہتے تھے آپ کی تقریر میں ضرورت سے زیادہ جوش نہیں ہوتا تھا بلکہ طرز گفتگو میں ایسا تسلسل ہوتا تھا کہ سننے والے محو ہو جاتے تھے، تقریر میں موضوع کی مناسبت سے سنجیدہ اور معتبر واقعات بھی گاہ بگاہ بیان فرماتے جو اثر انگیز ہوتے تھے۔

حضرت شیخؒ کوبھی شاگرد سے بھت محبت تھی:

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کو بھی اپنے شاگرد مولانا قاری حبیب الرحمٰن صاحب سے اتنا گہرا تعلق تھا کہ جب بھی آپ دہلی سے گذرتے تو مولانا کے مکان پر ضرور تشریف لے جاتے، کبھی دیوبند سے جاتے وقت تو کبھی واپسی کے وقت، اور اگر وقت تنگ ہوتا تو پھر مولانا کو ہی اطلاع کر کے بلا لیتے کہ گھر جا نے کا وقت نہیں ہے۔ یہیں آ جائیں تو مولانا مع احباب ملاقات کے لئے جاتے اور راستے کے لئے حضرت کے لئے ضروریات خورد ونوش وغیرہ کی چیزیں پیش کر دیتے اور حضرت بہت خوشی کے ساتھ قبول فرما لیتے اور دعائیں دیتے، اسی طرح جب مولانا حضرت کے مکان پر تشریف لاتے تو حضرت بھی ان کی بہت تعظیم وتوقیر فرماتے اور کئی کئی دن تک قیام کراتے، بڑی مشکل سے دو تین دن میں اجازت ملتی اور رخصتی سے قبل آنیکا وعدہ لیتے، جلدی آنے کے وعدے پر رخصت ملتی یہ معاملہ احقر نے خود اپنی نگاہوں سے دیکھا ہے اور احقر کو بہت تعجب بھی ہوتا کہ کس قدر استاذ محترم کو اپنے شاگرد سے تعلق ہے۔

حضرت مو لانا کا حفظ قرآن پاک :

مولانا قاری حبیب الرحمٰن صاحب نے حفظ قرآن پاک بچپن میں نہیں کیا تھا، اس لئے دارالعلوم دیوبند کے قیام کے زمانے میں تھوڑا تھوڑا یاد کرتے رہے اور اس طرح بفضلہٖ آپ حافظ بھی ہو گئے اور دورۂ حدیث کے اگلے سال آپ نے کئی علوم کی تکمیل بھی فرمائی۔ حفظ کی پختگی اور قرأت کی تکمیل اسی طرح تکمیلات کی بعض کتب اسی سال آپ نے مکمل فرمائیں۔ دہلی کے قیام کے دوران رمضان المبارک میں تراویح میں اور اسی طرح جہری نمازوں میں ترتیب کے ساتھ قرآن پاک پڑھنے کا کئی سال آپ کا معمول رہا اور جب یہ نمازوں والا قرآن پاک ختم ہوتا تو غیر معمولی خوشی کا اظہار فرماتے، لوگوں کو مدعو فرماتے، جلسہ کرتے، ایک مرتبہ اسطرح کے موقع پر دیوبند سے حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب بھی تشریف لے گئے اور عشاء کے بعد تقریر فرمائی۔

آخری عمر میں قرآن پاک کے ساتھ غیر معمولی شغف

وفات سے کئی سال قبل آپ کو دو مرتبہ اٹیک ہو چکا تھا۔ یوں تو آپ کو قرآن پاک کی تلاوت سے ہمیشہ ہی شغف رہا تاہم زندگی کے آخری چند سالوں میں اس میں کافی اضافہ ہو گیا تھا، رات کا اکثر حصہ قرآن پاک کی تلاوت اور لمبی لمبی نوافل میں گذارتے۔ رات کا سونا کم کر دیا تھا، کبھی نماز میں کبھی بیٹھے بیٹھے اور کبھی ٹہلتے ٹہلتے تلاوت فرماتے تھے اور اہل خانہ کو تاکید کر کے سلا دیتے مگر خود بہت کم سوتے گویا اپنے رب حقیقی سے ملنے کے لئے انہوں نے کئی سالوں تک تیاریاں کیں اور اپنی راتوں کو زندہ اور روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے! اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)

وفات:

''کل نفس ذائقة الموت'' جو بھی دنیا میں آیا ہے اس کو جانا ہے۔ یہاں کوئی نہیں ٹھہرتا۔ انبیاء، اولیاء، اصدقاء، بادشاہ و وزیر و تاجر، امیر و غریب سب کو جانا ہے، جان تو جانی ہی ہے جا کر ہی رہے گی، موت تو آنی ہی ہے آکر ہی رہے گی۔ مولانا کا بھی اجل مسمّی، وقت مقرر آچکا تھا، پیمانۂ زندگی لبریز ہو چکا تھا۔ ۲۲/ جون جمعہ کی مبارک شب میں تقریباً ڈیڑھ بجے قرآن کی تلاوت کر کے آپ لیٹ گئے تھے آخری شب میں آپ کے قلب پر حملہ ہوا، جس کا صدمہ آپ برداشت نہ کر سکے اور اپنے رب کریم سے جا ملے (اناللہ وانا الیہ راجعون)

پسماندگان:

آپ کے پسماندگا میں اہلیہ صاحبہ، دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں اللہ تعالیٰ سب کو صحت وسلامتی کے ساتھ زندہ رکھے اور دین پر استقامت نصیب فرمائے (آمین) اور مولانا علیہ الرحمہ کی بال بال مغفرت فرمائے (آمین) بہت سے تلامذہ آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں احقر بھی مولانا کے خوشہ چینوں میں رہا ہے مولانا کے لئے ہمیشہ دعا نکلتی ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کو اپنی جوار رحمت میں خاص مقام عطا فرمائے (آمین)

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

مولانا خورشید عالم صاحبؒ

شیخ الحدیث وقف دارالعلوم دیوبند

آپ دیوبند کے عثمانی شیوخ میں سے ہیں جو دیوبند کا ایک قدیم علمی خاندان ہے، علم، عمل، سنجیدگی اور وقار اس خاندان کے خصوصی امتیازات میں سے ہے۔ کئی بڑے علماء وفضلاء جو بین الاقوامی شہرت کے حامل بنے۔ دیوبند کے اسی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا مفتی شفیع احمد صاحب عثمانی اور اب عالمی شہرت یافتہ عالم دین، پاکستان کے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی بھی اسی خانوادے سے ہیں۔

ان میں سے اول الذکر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانی دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ہیں جبکہ حضرت مفتی شفیع صاحب عثمانی دارالعلوم دیوبند کے مفتیٔ اعظم تھے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دارالعلوم کے قدیم اور اولوالعزم مدرسین میں سے تھے۔ مولانا خورشید احمد صاحب کے دادا محترم کا نام حضرت مولانا محمد منظور الحسن صاحب دیوبندیؒ تھا۔ جو حضرت مولانا محمد یاسین صاحب والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے حقیقی بھائی تھے۔ اس اعتبار سے پاکستان کے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم آپ کے بہت قریبی عزیزوں میں سے ہیں۔

مولانا خورشید احمد صاحب ۱۹۳۶ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم والد محترم کی نگرانی میں ہوئی۔ آپ کی مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ وقت کے اساطین علم اور موقر علماء کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ جن میں سرفہرست شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، امام المعقول والمنقول حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا ظہور احمد صاحب قدس اللہ اسرارہم ہیں۔

زمانۂ طالب علمی میں آپ کا شمار محنتی اور سنجیدہ طلبہ میں ہوتا تھا۔ استاذ کی نگاہ میں آپ معتمد تھے اس لئے آپ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی خدمت تدریس کے لئے آپ کے اساتذۂ عظام کے مشورہ سے منتخب کرلیا گیا۔ ایک طویل عرصہ تک آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ کم وبیش بیس سال تک غیر منقسمہ دارالعلوم میں آپ کی زریں خدمات کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر جب دارالعلوم وقف وجود میں آیا تو اس ادارہ کی تقویت، تاسیس اور ترقی میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دارالعلوم دیوبند میں تدریس سے پہلے کئی سال تک آپ نے دارالعلوم کراچی میں بھی تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ پھر ۱۹۶۳ء میں جب آپ کے والد محترم کی وفات ہوئی تو آپ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس مقرر کیا گیا۔ اللہ نے آپ کو اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا۔ اس کی بنیاد پر آپ کو دارالعلوم کے انتظامی امور بھی سپرد ہوئے۔ چنانچہ غیر منقسمہ دارالعلوم میں پہلے آپ نائب ناظم تعلیمات رہے۔ پھر ایک عرصہ تک امور تعلیمات کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے تعلیمی اور انتظامی شعبوں میں بہت سی مفید اور کارآمد اصلاحات کیں۔ جن سے دارالعلوم کے نظام تعلیم وتربیت کو زیادہ نتیجہ خیز اور کارگر بنانے میں مدد ملی۔ آپ کی خداداد انتظامی صلاحیتوں سے دارالعلوم وقف کو بھی بہت فائدہ پہونچا۔ آپ دارالعلوم وقف میں بھی پہلے ناظم تعلیمات رہے اور پھر امور تعلیمات کے ناظم اعلیٰ بھی۔ پھر آخر میں نیابت اہتمام کی ذمہ داری بھی آپ کے حصہ میں آئی۔ آپ کا اصل کمال تدریس تھا اس میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ تمام مضامین جو درسی کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں، آپ کی مکمل گرفت میں تھے۔ سبق میں عبارت کا کوئی گوشہ آب تشنہ نہ چھوڑتے تھے۔ آپ کو ہمیشہ باکمال اور کامیاب مدرسین کی فہرست میں شمار کیا گیا۔ طلبہ ان کے سبق میں ذوق و شوق سے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کی درسی تقریریں عام فہم، سہل اور مربوط ہوتی تھیں۔ آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے تلامذہ کی تعداد ہزاروں

سے متجاوز ہے۔ جن میں بہت سے وقت کے جبل علم اور عالمی شہرت یافتہ علماء بھی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی بھی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ دیگر نامور تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

☆ حضرت مولانا فضیل احمد صاحب قاسمی مدظلہٗ العالی

☆ حضرت مولانا شکیل احمد صاحب سیتاپوری مدظلہٗ العالی

☆ مناظر اسلام حضرت مولانا طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہٗ العالی

☆ حضرت مولانا سید قاری عثمان صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

☆ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

☆ حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی مدیر ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند

☆ حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب قاسمی مدظلہٗ العالی رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند ورکن پارلیمینٹ

☆ حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی شیخ القراء دارالعلوم دیوبند و خلیفہ ومجاز محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی نوراللہ مرقدہٗ

☆ حضرت مولانا عتیق احمد صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ

آپ نے درس نظامیہ کی تقریباً تمام ہی کتب کا درس دیا۔ شروع میں فنون کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھاتے رہے پھر ترقی کرتے کرتے امہات کتب کا درس آپ سے متعلق رہا۔ اور اخیر میں حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند کے انتقال کے بعد **أصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف** کا درس آپ کے ذمہ رہا۔

مولانا خورشید صاحب اخلاق وکردار کے اعتبار سے بھی بہت عظیم انسان تھے۔ خوش اخلاقی خوش طبعی، خوش کلامی، بے نیازی، ملن ساری، مہمان نوازی، علم، شفقت، حسن معاشرت، حسن معاملگی، مزاج میں یکسوئی، بات میں صداقت، احساس میں لطافت، کردار کی پاکیزگی، نگاہ کی بلندی، تبحر علمی آپ کے خصوصی اوصاف ہیں۔

یوں تو آپ تمام اخلاق واوصاف میں اسلاف کے سچے پیروکار اور قدم بقدم تھے مگر ایک خصوصی وصف اور عمدہ خصلت جس میں آپ بہت ممتاز تھے، یہ تھا کہ آپ اپنے تمام کام بنفس نفیس خود انجام دیتے دوسروں سے خدمت لینے سے بہت گریز کرتے۔ آپ کو دیکھنے والے سب جانتے ہیں کہ آپ اپنے گھر کے لئے سامان ضرورت خود لاتے۔ کئی مرتبہ بازار میں جب آپ کے ہاتھ میں آپ سے محبت کرنے والے یا آپ کے تلامذہ سبزیوں اور دیگر سامان کا بڑا سا تھیلا دیکھتے تو لینے کی کوشش کرتے۔ مگر آپ اصرار کے ساتھ منع فرمادیتے صلۂ رحمی اور داد ودہش میں بھی آپ کافی کشادہ دست واقع ہوئے تھے۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا معاملہ اخیر تک رہا۔ اس سلسلے میں آپ اتنے وسیع الظرف تھے کہ خاندان اور پڑوس کی ایک سے زیادہ بیوہ اور ضرورتمند عورتوں کی خاموشی کے ساتھ امداد واعانت آپ کا معمول رہا۔

مولانا مرحوم فطرتاً خاموش مزاج تھے۔ عزم، متانت، سنجیدگی اور وقار کے آثار آپ کے چہرہ، بشرہ سے خوب مترشح ہوتے تھے۔ مولانا موصوف نے اپنا اصل مشغلہ تو تعلیم وتدریس ہی کو رکھا مگر جب بعض احباب نے کچھ لکھنے کی فرمائش کی تو کئی عمدہ تحریریں کاوشیں آپ کے رشحات قلم سے صادر ہوئیں۔ جن میں فتاویٰ عبدالحئی کا ترجمہ اور ابوداؤد شریف کا ترجمہ وتشریح خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر کتاب دیوبند سے شائع ہوئی اور دوسری

کتابیں پاکستان کے ایک اشاعتی ادارہ سے ابتک برابر شائع ہورہی ہیں۔اس سے اہل علم کا ایک بڑا طبقہ مستفیض ہورہا ہے۔آپ کے پسماندگان میں دو صاحبزادے: مولانا عارف صاحب اور مولانا قاری واصف صاحب دارالعلوم وقف دیوبند کے مقبول اساتذہ میں سے ہیں۔ان کے علاوہ اہلیہ محترمہ، چھ بیٹیاں اور آپ کے تمام تلامذہ پسماندگان میں سے ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے پسماندگان اور تمام تلامذہ اور محبان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے (آمین)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

تقریباً ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں موضع کالیڑہ ضلع بناس کانٹھا (شمالی) گجرات میں پیدا ہوئے، آپ کا نام والدین نے صرف ''احمد'' رکھا تھا لیکن جب ''مظاہر العلوم سہارنپور'' میں داخلہ لیا تو آپ نے اپنا نام ''سعید احمد'' خود لکھوایا تھا، بناس کانٹھا ایک ضلع ہے جس کا مرکزی شہر پالنپور ہے موضع کالیڑہ پالنپور کی مشہور بستی ہے جو پالنپور سے جنوب مشرق میں تیس میل کے فاصلے پر ہے۔

تعلیم وتربیت:

پانچ یا چھ سال کے ہوئے تو آپ کے والد محترم نے گاؤں کے مکتب میں تعلیم کے لئے بٹھا دیا، مکتب کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد موصوف اپنے ماموں مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ ''چھاپی'' تشریف لے گئے، یہاں چھ ماہ تک اپنے ماموں اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھتے رہے، چھ ماہ کے بعد ماموں چونکہ تدریس چھوڑ کر گھر واپس آگئے تھے۔اس لئے آپ بھی ماموں کے ساتھ گھر تشریف لے آئے اور چھ ماہ تک ماموں کے گھر ان سے فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے، اس کے بعد چار سال تک پالنپور کے مدرسہ میں حضرت مولانا ہاشم صاحب بخاری اور مفتی محمد اکبر میاں صاحب سے عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں۔

۱۳۷۷ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیکر تین سال تک نحو و منطق اور فلسفہ کی کتابیں پڑھیں، پھر فقہ، تفسیر، حدیث اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں مولانا سید محمد اختر حسین صاحب، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ، مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ، مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوریؒ، مولانا بشیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ، اور حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ شامل ہیں۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سے آپ نے دو کتابیں پڑھیں ''الفوز الکبیر، جلالین شریف'' آپ بچپن ہی سے ذہین، فطین، کتب بینی اور محنت کے عادی تھے، دارالعلوم دیوبند کی طالبعلمانہ زندگی میں بھی کمال شوق، لگن اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم میں مشغول رہے، اسی لئے دورۂ حدیث میں آپ نے اول نمبر سے کامیابی حاصل کی۔

۱۳۸۳ھ اور ۱۳۸۴ھ میں آپ نے حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحبؒ کی نگرانی میں فتوی نویسی کی مشق کی، جس میں مہارت کے سبب ارباب دارالعلوم دیوبند نے آپ کو ''معین مفتی'' کی حیثیت سے دارالعلوم میں مقرر کر دیا۔

تدریسی زمانہ:

ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ میں بحیثیت مدرس علیا آپ دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) تشریف لائے، موصوف نے یہاں ''ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، طحاوی شریف، شمائل، موطین، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، مشکوۃ شریف جلالین شریف مع فوز الکبیر'' اور دیگر کتب پڑھانے کے ساتھ تصنیف و

تالیف کا مبارک مشغلہ بھی جاری رکھا، یہاں رہتے ہوئے آپ نے ''داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، حرمت مصاہرت، العون الکبیر'' اور علامہ طاہر پٹنی کی ''المغنی'' کی شرح عربی زبان میں تحریر فرمائی نیز اسی زمانہ میں آپ نے حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کی تسہیل اور تشریح کا گراں قدر کام کا آغاز فرمایا۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس:

۱۳۹۳ھ میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا اور بحمداللہ اس وقت سے آج تک دارالعلوم دیوبند میں تسلسل کے ساتھ تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

۹۸، ۱۳۹۷ھ میں باقاعدہ حدیث کا درس ارباب دارالعلوم دیوبند نے آپکو تفویض کیا، پہلے سال مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبۃ الفکر کا سبق آپ سے متعلق رہا پھر اگلے سال مشکوٰۃ شریف کے ساتھ موطا امام مالکؒ اور نسائی شریف کا سبق متعلق ہوا، پھر ۱۴۰۲ھ سے تقریباً ۱۴۳۰ھ تک ترمذی شریف کا سبق مکمل جاہ وجلال کے ساتھ پڑھاتے رہے اور اب الحمدللہ اپنے استاذ محترم حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ کے بعد سے بخاری شریف کا سبق بھی اسی شان وشوکت سے پڑھا رہے ہیں۔

درس کی خصوصیات:

حضرت مفتی صاحب دام اقبالہ کے درس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ رسوخ فی العلم کے ساتھ مرتب مضامین کو سلیقہ مندی اور سلجھی ہوئی زبان میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ طالب علم آپ کا سبق باآسانی سمجھ لیتا ہے، طلبۂ حدیث آپ کے درس میں حاضری کے لئے خصوصی شوق کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ اکثر طلبہ آپ کی ہر بات نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوران درس سنت کے مطابق ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے ہیں اور ائمۂ سلف، ائمۂ مجتہدین اور محدثین کرام کا ذکر انتہائی ادب وعظمت سے کرتے ہیں۔

درس میں فقہا کے مذاہب اور دلائل کی وضاحت میں جو طریقہ اختیار کرتے ہیں، وہ عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ انوکھا اور نرالا ہوتا ہے۔ اسی طرح اقوال مختلفہ کی تنقیح اس انداز پر کرتے ہیں کہ ہر امام کا قول حدیث شریف کے قریب نظر آتا ہے اور ہر طالب علم محسوس کرتا ہے کہ اکثر مسائل میں اختلاف کی بنیاد نص فہمی کا اختلاف ہے، دلائل کا اختلاف نہیں۔ ایک بڑی خوبی آپ کے درس کی یہ بھی ہے کہ پورے سال درس اس ٹھہراؤ اور ترتیب سے ہوتا ہے کہ کتاب بحسن وخوبی مکمل ہو جاتی ہے، یہ نہیں ہوتا کہ مشہور مباحث میں وقت صرف کر کے بقیہ کتاب پر ضروری توجہ نہ دی جائے، آپ کے یہاں اختلاف ائمہ کے بجائے مدارک اجتہاد (یعنی اختلاف کی بنیادیں، بیان کرنے پر زیادہ زور ہے۔ آپ کے درس کی یہ خصوصیت ترمذی شریف کے درس کے دوران کھل کر سامنے آتی ہے اور یہ بات تو آپ کا ہر شاگرد جانتا ہے کہ سبق کے دوران آپ صرف مسائل ہی بیان نہیں کرتے بلکہ کتاب بھی پڑھاتے ہیں اور فن بھی سمجھاتے ہیں۔

تصنیفی خدمات :

حضرت والا دامت برکاتہم کی جملہ تصانیف مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کی بیشتر تصانیف کثرت سے شائع ہو کر مشرق و مغرب میں پہونچ چکی ہیں، جن کو ہر جگہ کے علماء نے قدر کی نگاہ سے دیکھا، آپ کی تصانیف میں جو زیادہ مشہور ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے:-

''تفسیر ہدایت القرآن، العون الکبیر، (الفوز الکبیر کی عربی شرح) فیض المنعم شرح مقدمۂ مسلم، تحفۃ الدرر شرح نخبۃ الفکر، مبادئ الفلسفہ، معین الفلسفہ، اسلام تغیر پذیر دنیا میں، داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، تسہیل ادلۂ کاملہ، رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ (مکمل پانچ جلدوں میں) تہذیب المغنی (المغنی کی عربی شرح) زبدۃ الطحاوی، تحفۃ الالمعی شرح ترمذی (مکمل آٹھ جلدیں) تحفۃ القاری شرح بخاری''

حضرت والا دامت برکاتہم کی مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ بھی اور تصانیف ہیں، آپ کی تمام تصانیف اور تمام تحریروں کا قدر مشترک یہ ہے کہ ان میں ترتیب، توضیح اور جامعیت خوب ہے، اسی لئے آپ کی کئی تصانیف دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب میں شامل ہیں۔

اوصاف وکمالات:

قدرت نے آپ کو بے شمار خوبیوں اور عمدہ اوصاف وکمالات سے نوازا ہے، اس تعلق سے آپ کے برادر صغیر حضرت مفتی امین صاحب پالنپوری کی تحریر ملاحظہ ہو:

''استاذ محترم کو اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، آپ کا ذوق؛ لطیف، طبیعت؛ سادہ اور نفیس ہے، مزاج میں استقلال اور اعتدال ہے، فطرت میں سلامت روی اور ذہن رسا کے مالک ہیں، زودنویس اور خوشنویس ہیں، حق وباطل اور صواب وخطاء کے درمیان امتیاز کرنے کی وافر صلاحیت رکھتے ہیں اور حقائق کے ادراک میں یکتائے زمانہ ہیں۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موصوف اپنے کاموں میں نہایت چست اور حالات کا جواں مردی سے مقابلہ کرنے والے ہیں، میں نے حضرت اقدس جیسا شب وروز محنت کرنے والا اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، آپ کے تمام شاگرد جانتے ہیں کہ آپ کا درس کتنا مقبول ہے. آپ کی تصانیف اور تقاریر کتنی پر مغز، مرتب اور جامع ہوتی ہیں''

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کی ذات گرامی کا ایک بڑا وصف خوردنوازی بھی ہے اپنے چھوٹوں کی اصلاح وتربیت اور ان کو آگے بڑھانے کے لئے راہ کی تعیین اور ان کے دینی علمی تخلیقی کارناموں پر ان کی تحسین وحوصلہ افزائی بھی آپ کی خصوصی عادات میں سے ہیں۔

تصوف وسلوک سے آپ کا تعلق:

حضرت والا دامت برکاتہم زمانۂ طالبعلمی سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ سے بیعت ہیں۔ اسی کے ساتھ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کی عرفانی واصلاحی مجالس میں شرکت کرتے رہے ہیں، اور آخر میں حضرت مولانا مفتی محمد مظفر حسین صاحب قدس سرہٗ سے تعلق قائم کیا۔ حضرت مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہٗ نے باقاعدہ آپ کو اجازت بیعت وارشاد سے نوازا۔

اہل وعیال کی تربیت:

اہل وعیال کی تربیت آپ نے جس طریقۂ کار کو سامنے رکھ کر انجام دی ہے، وہ ایک انوکھی مثال ہے، آپ نے سب سے پہلے اپنی اہلیہ محترمہ (نور اللہ مرقدہا) کو قرآن کریم حفظ کرایا، پھر تمام بچوں کے حفظ کی ذمہ داری اہلیہ محترمہ (نور اللہ مرقدہا) کو سپرد کی۔ ماشاء اللہ انہوں نے تمام صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کو حفظ قرآن مکمل کرادیا نیز صاحبزادوں کی دلہنوں کو بھی حفظ قرآن کی دولت سے بہرہ مند کیا۔

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے کثرت اولاد کی نعمت عظمیٰ سے بھی نوازا ہے، چنانچہ گیارہ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں جن میں بڑے صاحبزادے جناب حافظ مولوی مفتی رشید احمد صاحب ۱۹۹۵ء کے ایک حادثہ میں شہید ہوگئے اور ایک صاحبزادی بچپن میں انتقال کرگئیں۔ ماشاء اللہ دس صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں بقید حیات ہیں، اہلیہ محترمہ چند عرصہ پہلے اللہ کو پیاری ہوگئیں بلاشبہ حضرت کی علمی ترقیوں میں ان کا بھی حصہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھردے (آمین)

حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علمائے ہند

خوش اخلاق، خوش افکار، جامع علم وعمل اور صاحب کردار، تقویٰ اور طہارت میں ممتاز، بے انتہا شجاع اور نڈر، حق بات کہنے میں دلیر اور کبھی نہ چو

کنے والے، نگہ بلند اور سخن دلنواز کے پیکر، میدان خطابت کے شہسوار، اللہ واسطے کی دوستی اور اللہ ہی واسطے کی دشمنی میں اپنی مثال آپ، فیاضی اور دریا دلی میں بے نظیر، عشق الٰہی اور عشق رسول میں غرق، صحابہ سے عقیدت، اسلاف سے محبت اور اولیاء اللہ کی عظمت، جن کی فکروں کا سب سے بڑا محور امت کا غم، ملت کا درد، دعوت واصلاح کے جذبے سے ہمہ وقت سرشار، حلیم، دانا اور غیور، احسانی کیفیت اور آداب طریقت سے معمور، حق گوئی، بے باکی اور معاملات میں صداقت جن کا شعار، مروت اور اصول پرستی کی واضح علامت، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی عظیم یادگار اور ان کے سچے جانشین، اور اس کے علاوہ دیگر بہت سی خصوصیات کے حامل ہیں۔ **حضرت اقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی دام ظلہٗ العالی** یہ جامع صفات شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے منجھلے صاحبزادۂ گرامی ہیں۔

۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں آپ پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم دیوبند ہی میں حضرت مولانا اصغر علی صاحب سہسپوری خلیفہ ومجاز وخادم خاص حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے زیر نگرانی حاصل کی، متوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لئے باضابطہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور اس وقت کے عباقرۂ علم سے استفادہ کیا، چونکہ صاحبزادۂ شیخ تھے، اس لئے اساتذۂ عظام نے بھی ان کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ سے کام لیا۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سے آپ نے ''شرح عقائد، مسامرہ، اور مقامات حریری'' پڑھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۶۵ء کے آغاز سے صوبۂ بہار کے معروف مدرسہ ''جامعہ قاسمیہ ضلع گیا'' میں مدرس مقرر ہوئے۔ کم وبیش ڈیڑھ سال یہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر آپ ۱۹۶۷ء کے شروع میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے؛ اور تقریباً چودہ ماہ وہاں گذار کر دوبارہ ہندوستان تشریف لے آئے۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا فخر الدین صاحب سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، اسی طرح حضرت بھی آپ کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، اور آپ کی ترقی کے لئے فکر مند رہتے تھے، چنانچہ جوں ہی آپ مدینہ منورہ سے تشریف لائے حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ نے آپ کو ''مدرسہ شاہی مرادآباد'' میں خدمت تدریس کا مشورہ دیا۔ آپ نے بصد نیاز استاذ محترم کا یہ قیمتی مشورہ قبول کیا اور ''جامعہ شاہی مرادآباد'' میں خدمت پر مامور ہو گئے یہاں رہ کر آپ نے کتب متوسطہ کے علاوہ ''مشکوٰۃ شریف، مسلم شریف، اور موطا امام مالک'' وغیرہ اعلیٰ کتابوں کا درس دیا۔ بے پناہ علمی صلاحیتوں کے ساتھ مدبرانہ ومنتظمانہ صلاحیت بھی آپ میں بدرجۂ اتم تھی، اسلئے مدرسہ شاہی میں ارباب مدرسہ کی طرف سے کچھ انتظامی امور بھی آپ کو سپرد کئے گئے جن کو آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔

قدرت آپ سے بڑا کام لینا چاہتی تھی اس لئے آپ کو ایشیاء کی سب سے عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے لئے منتخب کیا گیا۔ آپ ۱۴۰۳ھ میں بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے یہاں آ کر آپ نے درس نظامی کی اعلیٰ کتابوں میں ''مسلم شریف، ترمذی شریف جلد ثانی اور مشکوٰۃ شریف'' کا درس دیا اور تادم تحریر بھی یہ اسباق آپ ہی سے متعلق ہیں۔ آپ کی درسی تقریریں مربوط، مسلسل اور پر جوش ہوتی ہیں، طلبہ شوق وذوق سے آپ کے درس میں حاضر ہوتے ہیں۔ ارباب شوریٰ نے متفقہ طور پر آپ کو نظامت تعلیم کی ذمہ داری تفویض کی جس کو آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ آپ نے اپنی بہترین مدبرانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظام تعلیم کو مستحکم کیا۔ بالخصوص ابتدائی درجات کی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ حفظ قرآن کریم کے شعبوں میں کئی درسگاہوں کا اضافہ کیا اور اس شعبہ کے شایان شان اس کو ترقی دینے میں گراں قدر کوشش کی۔

اپنے والد محترم (حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ) اور برادر اکبر (حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ) کی طرح آپ کو بھی قومی وملی سرگرمیوں سے خاص دلچسپی ہے، ایک طویل عرصہ تک جمعیۃ علمائے ہند کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن رکین رہے اور اب جمعیۃ کی قیادت وصدارت کے فرائض بھی آپ ہی کے ذمہ ہیں۔ صدارت جمعیۃ کے معزز عہدے سے سرفراز ہونے کے بعد آپ کی عوامی تقریروں کا زیادہ تر موضوع فرقہ پرستی کی زہر ناکیاں ہے۔ آپ نے جمعیۃ کے تمام بڑے اسٹیجوں سے ارباب اقتدار کو ملک وملت کے لئے زہر سے زیادہ مہلک اس بیماری کے دفاع کی طرف متوجہ کیا

ہے۔آپ نے زندگی کے تمام شعبوں میں جرأت، حق گوئی، بے باکی، استقلال وعزیمت اور اصول پرستی کو اپنا شیوہ بنائے رکھا ہے۔

تہجد گزاری، ذکر واذکار کی پابندی، چلتے پھرتے تلاوت کلام اللہ پر مواظبت، آپ کے نہ چھوٹنے والے مشاغل میں سے ہے؛ آپ کا ایک خوبصورت معمول نماز صبح کے لئے طلبۂ دارالعلوم کو اپنی گھن گرج آواز کے ساتھ جگانا ہے۔ دیوبند رہتے ہوئے آپ کا یہ معمول بلاناغہ جاری رہتا ہے۔ دارالعلوم میں فراغت کے سال تمام طلبہ اپنے الوداعی ترانوں میں آپ کی اس ادا کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں۔

ہمارے فراغت کے سال جو ترانے پڑھے گئے ان میں آپ کے تعلق سے جو اشعار کہے گئے ہیں زیادہ تر اسی صفت کے حامل ہیں۔ایک ساتھی نے ''اسلام کا مرکز نمبرون میرے مادر علمی دیوبند'' کے نام سے نظم کہی جس میں حضرت والا کا ذکر اس اس طرح کیا ہے:

لو شیر خدا کی صدا آئی.....ارے جاگو جاگو صبح ہوئی

ہیں ارشد مدنی تجھ پہ مگن.....میرے مادر علمی دیوبند

ایک رفیق درس نے اپنے الوادعی نظم بنام ''درد گلزار محبت'' میں آپ کی اس صفت کو اس طرح ادا کیا ہے:

سب دوڑ کے مسجد جاتے تھے.....جب ارشد مدنی آتے تھے

اس شیر ببر کے تیور سے.....سارے شیطاں گھبراتے تھے

آپ کا ایک بڑا علمی کارنامہ قرآن مجید کے ترجمۂ شیخ الہند اور تفسیر عثمانی کو ہندی زبان میں منتقل کرنا ہے۔ یہ کام آپ نے مسلسل بارہ سال کی محنت کے بعد مکمل فرمایا ہے۔ بلاشبہ یہ ایسی عظیم خدمت ہے جس پر آپ کو جتنا بھی سراہا جائے کم ہے، اس کے علاوہ علامہ عینی کی ''نخب الافکار'' جو'' شرح معانی الآثار'' کی بہت ہی عمدہ شرح ہے، اب تک مخطوطہ کی شکل میں تھی، آپ نے اس کو بڑی محنت اور عرق ریزی سے ایڈٹ کر کے شائع کیا اور بھی کئی چھوٹی بڑی کتابیں آپ کی تصنیف کردہ ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور تادیر آپ کا سایہ قائم ودائم رکھے! (آمین)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب مد ظلہٗ

مہتمم واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

ولادت وابتدائی تعلیم:

حضرت اقدس مولانا ومفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم مہتمم واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی ولادت ۲۲ رصفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴ رجنوری ۱۹۴۷ء کو برادران وطن کی عقیدت گاہ شہر ''بنارس'' کے محلّہ مدنپورہ میں ہوئی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی اپنی والدہ محترمہ اور داداجان جناب قاری نظام الدین علیہ الرحمہ سے حاصل کی۔ یہ تعلیم قاعدہ بغدادی، ناظرۂ قرآن اور اردو حساب کے مبادیات تک ہوسکی، پھر اپنے ہی محلّہ کے مدرسہ یعنی ''جامعہ اسلامیہ مدنپورہ'' میں پرائمری کے درجۂ دوم میں داخل ہوئے۔ جہاں آپ نے درجات پرائمری کی تکمیل کے بعد فارسی اور درس نظامی کے مطابق سال اول عربی کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں ''دارالعلوم مؤ'' میں داخلہ لیا، اور سال سوم تک کی تعلیم یہیں جاری رہی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ تعلیم اور سیرت میں امتیازی شان:

شوال ۱۳۸۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں سال چہارم میں داخلہ ہوا۔ قابل ذکر ہے کہ اسی سال دارالعلوم دیوبند کے قیام کی ایک صدی مکمل ہوئی۔

۱۳۸۷ھ میں شعبۂ فضیلت سے امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد ایک سال تکمیل افتاء سے منسلک رہے اور اسی سال حضرت مولانا وحید الزماں صاحبؒ کے حسن انتخاب کے نتیجہ میں صف عربی کا درس بھی آپ کے متعلق رہا۔ دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالبعلمی میں آپ کا شمار محنتی، نیک اور اساتذہ کے معتمد طلبہ میں رہا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب خصوصیت سے شامل ہیں، حضرت والاقدس سرہٗ سے آپ نے ''مختصر المعانی'' پڑھی۔

آپ کے ہمعصر ومشہور صاحب قلم اور معتبر عالم دین حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب شیخوپوری کے بقول

''مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممتاز ترین طالب علم تھے، اساتذہ کی نگاہ میں بااعتماد تھے''

راہ طریقت سے تعلق اور بیعت کا ذکر:

حضرت مہتمم صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی ہی میں مشکوٰۃ شریف کے سال شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ سے اصلاح ورشد کا سلسلہ قائم کرلیا تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے انتقال کے بعد فقیہ الامت حضرمفتی محمود الحسن صاحبؒ سے رجوع کیا اور حضرت سے ہی خلافت واجازت حاصل ہوئی۔ آپ کا شمار حضرت فقیہ الامت کے اجل خلفاء میں ہے، چنانچہ جنوبی افریقہ کی سرزمین پر کہ جہاں حضرت کا وصال ہوا، حضرت والا کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آپ ہی کو مقدم کیا گیا۔

میدان عمل میں:

۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ''جامعہ اسلامیہ ریڑھی تالاب، بنارس'' میں بحیثیت استاذ تقرری عمل میں آئی، اور ۲۰۱۱ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے منتخب ہونے تک وہیں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اور طویل عرصہ تک شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز رہے تدریسی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ آپ نے بنارس میں بکثرت پائی جانے والی بدعات ورسومات کو مٹانے کا بیڑہ اٹھایا اور تن تنہا دعوت وارشاد کے میدان میں نہایت جفاکشی اور مجاہدہ سے کام لیا، حتیٰ کہ آپ کو مذہب بیزاری کے ماحول میں تبلیغ ودعوت اور اصلاح کا کام کرنے کے لئے لاؤڈ اسپیکر اور فرش وغیرہ جملہ ضروریات اجلاس کا انتظام بھی خود کرنا ہوتا تھا۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ ہر ہفتہ محلّہ میں کسی صاحب کی ذہن سازی فرماتے۔ لوگوں کو ان صاحب کے گھر ترغیب دے کر جمع فرماتے اور پھر جلسہ کی کاروائی اس طرح انجام پاتی کہ آپ خود ہی اجلاس کا سامان لیکر تشریف لاتے، خود ہی فرش بچھا کر لاؤڈ اسپیکر لگاتے، تلاوت فرماتے اور نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے اور کسی دینی موضوع پر خطاب فرماتے، دعا کے بعد سامان اجلاس اپنے کندھے پر لاد کر واپس تشریف لاتے آپ نے اصلاحی کاموں کو منظم اور مرتب کرنے نیز ان کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے ''انجمن اصلاح المسلمین'' قائم فرمائی۔ جس سے نوجوانوں کو مربوط کیا اور مدنپورہ کی ''بلال مسجد'' میں اپنے پیر طریقت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ سابق مفتیٔ اعظم دارالعلوم دیوبند کے نام سے منسوب ''خانقاہ محمودیہ'' قائم فرمائی۔ جہاں ذکر وتلقین کے علاوہ درس قرآن کریم اور درس حدیث شریف کے حلقے قائم ہوتے رہے، اور ہزاروں بندگان خدا نے بے پناہ فیض حاصل کیا۔

قابل ذکر ہے کہ ذکر وفکر اور تلقین وارشاد کا سلسلہ دارالعلوم دیوبند میں تشریف لانے کے بعد دیوبند میں بھی شروع ہو چکا ہے۔ طلبہ واساتذہ وعوام مستفید ہو رہے ہیں اور یہ سلسلہ تعطیل کے اوقات میں قیام بنارس کے دوران بھی باقی رکھا گیا ہے۔ اس وقت آپ کا حلقۂ ارادت ہزاروں سے متجاوز ہے اور آپ کا فیض ہندوستان ہی نہیں اطراف عالم کو سیراب کر رہا ہے (اللھم زد فزد)

تحریری خدمات:

آپ کا تحریری خدمات کا کچھ اجمالی ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ آپ کے درس حدیث کی ترتیب کا کام جاری ہے اور اس کا پہلا حصہ ''اسباق حدیث'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور دوسرا حصہ زیر طبع ہے۔ علاوہ ازیں ''حج وعمرہ کے مسائل، معمولات یومیہ'' اور ''مجلۂ

ترجمان الاسلام‘ اور دیگر مجلّات میں شائع ہونے والے آپ کے علمی مضامین اور مختلف سیمیناروں و کانفرنسوں کے لئے لکھے گئے مقالات آپ کا بیش قیمت تحریری سرمایہ ہے۔

رفاهی خدمات:

رفاہی کاموں میں بھی آپ نے ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم ’’جمعیۃ علمائے ہند‘‘ سے منسلک ہوکر علاقائی، صوبائی، اور مرکزی ذمہ داریاں انجام دیں اور اب دارالعلوم دیوبند کے منصب اعلیٰ کی اہم ترین ذمہ داریوں کی وجہ سے عملی شرکت نہیں ہو پاتی لیکن ’’جمعیۃ علمائے ہند‘‘ سے آپ کو لگاؤ اس قدر ہے کہ خود فرمایا کرتے ہیں کہ میں بچپن سے جمعیۃ کا رکن رہا ہوں، اس سے الگ کیسے ہوسکتا ہوں؟

دارالعلوم دیوبند سے انتظامی اورتدریسی تعلق:

۱۹۹۱ء میں دارالعلوم دیوبند کے انتظامی امور کے لئے آپ بحیثیت رکن شوریٰ ورکن مجلس عاملہ منسلک کئے گئے تا آنکہ فروری ۲۰۱۱ء میں دارالعلوم دیوبند کے بااختیار، کارگزار مہتمم اور جولائی ۲۰۱۱ء میں باضابطہ مہتمم منتخب کئے گئے اور نئے تعلیمی سال سے حدیث شریف کی مشہورترین کتاب جامع ترمذی کے ایک حصہ کا درس بھی آپ سے متعلق ہوا۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے انتقال کے بعد دارالعلوم کے منصب اہتمام کو لیکر جو اضطراب وتشویش اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی، اور میڈیا نے اسے مزید خوفناک بنایا ہوا تھا۔

الحمدللہ حضرت کے انتخاب سے حالات معمول پر آگئے اور تمام فتنے ختم ہوگئے، امید ہے کہ حق تعالیٰ حضرت والا سے اس سرمایۂ ملت کی نگہبانی کی خدمت لیں گے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ حضرت والا کی زندگی دراز فرمائے، اور آپ کے سایۂ عاطفت میں دارالعلوم دیوبند کو دن دونی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے (آمین یارب العالمین)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا قاری سید عثمان صاحب منصورپوری مد ظله

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے داماد، دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم، استاذ حدیث اور کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم بلکہ روح رواں ہیں، حسن وجمال، فضل وکمال، شرافت ونجابت، اور تقویٰ وطہارت کے ساتھ قدرت فیاض سے حسن تربیت اور نظم ونسق کی اعلیٰ صلاحیت عطا ہوئی ہے، طالبان علوم نبوت کے ساتھ ہمدردی وغمگساری اور فریادرسی آپ کا خصوصی امتیاز ہے، جبکہ اصول پسندی طبعی وصف ہے۔

آپ کا وطن منصور پور، ضلع مظفرنگر ہے، جہاں ۱۲/اگست ۱۹۴۴ء کو سادات کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے، والد گرامی نواب سید محمد عیسیٰ مرحوم انتہائی متمول رئیس اور زمیندار تھے۔ اسی کے ساتھ نہایت صالح، متقی اور حد درجہ پابند شریعت، خلاف شرع امور کے لئے ان کی طبیعت میں کوئی گنجائش نہ تھی، اولاد کو علم وعمل سے آراستہ کرنے کا بے پناہ جذبہ اور انتہائی لگن تھی، اس کے خاطر گھر چھوڑ کر دیوبند اقامت اختیار کرلی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں دیوبند ہی میں انتقال ہوا، مزار قاسمی میں مدفون ہیں۔

آپ نے ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی اور حفظ کلام اللہ والد مرحوم کے پاس کیا۔ پھر فارسی درجات سے دورۂ حدیث شریف تک کی مکمل تعلیم مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ ہمیشہ امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے۔ ۱۹۶۵ء میں دورۂ حدیث شریف کے امتحان میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔

۱۹۶۶ء میں دیگر فنون کی تکمیل کی۔شیخ القراء حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے تجوید وقرأت اور ادیب اریب مولانا وحید الزماں کیرانویؒ سے عربی زبان وادب میں کمال حاصل کیا۔امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ سے سلوک ومعرفت کی تکمیل کی اور خلافت واجازت سے مشرف ہو ئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۵ر سال ''جامعہ قاسمیہ، گیا، بہار'' میں اور گیارہ سال ''جامعہ اسلامیہ، جامع مسجد امروہہ'' میں تدریسی خدمات انجام دیں، مختلف علوم وفنون کی کتابیں زیر درس رہیں، ساتھ ہی ''جمعیۃ علمائے ہند'' کے پلیٹ فارم سے ملی خدمات کا سلسلہ بھی رہا۔۱۹۷۹ء میں ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' کے پہلے دور میں ایک جتھہ کی قیادت کرتے ہوئے گرفتاری دی اور دس دن تہاڑ جیل میں رہے۔

۱۹۸۲ء سے از ہر ہند دار العلوم دیوبند میں تدریسی فرائض کے ساتھ مختلف انتظامی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔آپ کا درس حشو وزوائد سے پاک، انتہائی متین، سنجیدہ اور عالمانہ ہوتا ہے۔زبان صاف ستھری اور ترجمہ انتہائی سلیس اور شستہ ہوتا ہے

اکتوبر ۱۹۸۶ء میں عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت کا انعقاد ہوا، جس کے آپ امیر تھے اس موقعہ پر ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا قیام عمل میں آیا، آپ ناظم منتخب ہوئے۔جس پر تادم تحریر فائز ہیں، اس ادارے نے ملک کے طول وعرض میں فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے عظیم تر خدمات انجام دیں، جو دار العلوم دیوبند کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ یہ تمام خدمات آپ کی ایمانی حس وحمیت، انتھک جد وجہد اور بے پناہ دینی جذبہ کا ثمرہ ہے، یقیناً آپ ''یقاتلون أهل الفتن'' کے وصف سے ممتاز ''الآخرون السابقون'' کی اس جماعت میں شامل ہیں، جنھیں ارشاد نبوی ''لهم أجر مثل اولهم'' کا شرف وافتخار حاصل ہے۔

۱۹۹۹ء سے ان فرائض وذمہ داریوں کے ساتھ نیابت اہتمام کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، ہجوم ومشاغل کی بنا پر تصنیف وتالیف کا کوئی معتد بہ ذخیرہ نہیں

تاہم کچھ رسائل ومقالات ہیں جس سے تحریر وتصنیف کا ستھرا ذوق معلوم ہوتا ہے۔

۱۹۶۶ء شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی صاحبزادی.....سے آپ کا عقد مسنون ہوا، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ نے نکاح پڑھایا، دو ہونہار سعادت آثار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں، بڑے صاحبزادے مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری ''مدرسہ شاہی مراد آباد'' کے مفتی واستاذ حدیث اور ''ندائے شاہی'' کے مدیر اور ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔دوسرے مولوی حافظ قاری سید محمد عفان صاحب ''جامع مسجد امروہہ'' میں استاذ حدیث ہیں۔ماشاء اللہ لکھنے کا بھی ستھرا ذوق رکھتے ہیں یہ آپ کی حسن تربیت کی عمدہ مثال ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہٗ

استاذ حدیث وسابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند

۹/مارچ ۱۹۴۰ء کو علی گڑھ کے محلّہ ''حکیم سرائے'' میں پیدا ہوئے، جہاں آپ کے والد بزرگوار جناب منشی فراست علی صاحب مرحوم بسلسلۂ ملا زمت مقیم تھے آبائی وطن ''موضع حبیب والاضلع بجنور'' ہے جہاں عہد اکبری سے شیوخ انصار آباد ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ سے جا ملتا ہے۔ اعلیٰ درجے کے ذہین وفطین اور مردم شناس انسان ہیں، حذاقت ولیاقت اور مومنانہ فراست سے مالامال نیز علم وعمل کی گہرائی وگیرائی اور تقوی وطہارت میں بھی امتیازی شان رکھنے میں بے مثال ہیں۔ بہت کم لوگ ہیں جن کو آپ جیسی دوراندیشی، معاملہ فہمی، دلداری وہمدردی سے نوازا گیا ہو، ان اوصاف میں آپ اسلاف عظام کی روایات کے مکمل وارث وامین ہیں، مہمانوں کی بے غرض خاطر ومدارات اور بے لوث خدمت آپ کی اور آپ کے اہل وعیال کی خصوصی عادت ہے۔

عصر کے بعد روزانہ آپ کے یہاں دارالعلوم کے اساتذہ، بعض طلبہ اور دیگر واردین واحباب جمع ہوتے ہیں، سب کے لئے چائے کا نظام رہتا ہے اور کئی مرتبہ چائے کے ساتھ لوازمات بھی ہوتے ہیں، آپ کی درسی تقریریں عام فہم، مسلسل اور فصیح وبلیغ زبان میں ہوتی ہیں، راقم کو چار کتابیں آپ سے پڑھنے کی توفیق ہوئی ہے۔ ''مقدمۂ شیخ عبدالحق، شرح نخبۃ الفکر، مشکوٰۃ شریف (اول)، ابن ماجہ شریف''

الحمدللہ ان تمام کتابوں کے اسباق میں پابندی کے ساتھ حاضری کی توفیق ہوئی، اس دوران میں نے آپ کی تمام تقریروں میں خصوصیت کے ساتھ یہ بات نوٹ کی کہ آپ کی گفتگو کا کوئی حصہ بلکہ کوئی بھی لفظ ادبی معیار سے ہٹ کر نہیں ہوتا تھا، سلیقہ کے ساتھ مافی الضمیر کی ادائیگی (جس میں الفاظ کا حسن انتخاب، خوب صورت تعبیریں، جملوں کی عمدہ ترتیب اور طرز ادا میں موقع ومحل کی رعایت شامل ہو) مخاطب کے لئے یقیناً اثرانگیزی کا باعث ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو یہ وصف خصوصیت سے مرحمت فرمایا ہے۔ دوران درس اگر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے مخالفین کا ذکر آجاتا تو امام صاحب کے دفاع اور ان کی حمایت میں آپ کا جوش اور آپ کے تیور دیکھنے کے ہوتے، ایسے موقع پر آپ کی گفتگو اور انداز دونوں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے والہانہ اور جذباتی عقیدت ومحبت خوب مترشح ہوتی تھی، اختلاف مذاہب کو بیان کرتے ہوئے مسلک احناف کے ترجیحی دلائل کو بھی آپ اسی کیفیت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

۱۹۵۱ء میں آپ نے درجۂ پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد گیارہ سال کی عمر میں اپنے پھوپھاجان حضرت مولانا سلطان الحق صاحب قدس سرہٗ کے ہمراہ دیوبند تشریف لے آئے اور یہاں رہ کر علوم عالیہ کی چھوٹی بڑی تمام کتابیں پڑھیں۔

۱۹۵۸ء میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے اور اول درجہ سے کامیابی حاصل کی۔ دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد اپنے استاذ محترم حضرت مولانا فخرالدین صاحب قدس سرہٗ کے دامن علم سے وابستہ ہوکر مسلسل تیرہ سال تک استفادہ کرتے رہے، اسی دوران علی گڑھ سے ادیب کامل کا امتحان پاس کیا، جس میں ''سرسید میڈل'' سے نوازے گئے اور پھر ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس تقرر عمل میں آیا۔ موصوف چونکہ عمدہ تحریری صلاحیت کے بھی حامل تھے۔ اس لئے ۱۹۲۰ء میں ''رسالۂ دارالعلوم دیوبند'' کی ادارت آپ کے سپرد کی گئی۔ دوسال تک آپ نے رسالہ دارالعلوم کا اداریہ لکھا۔ آپ کی تحریر سادہ شستہ، برجستہ، آسان اور زبان وادب کے اسلوب کے مکمل مطابق ہوتی ہے۔ ''ایضاح البخاری شرح بخاری، شوریٰ کی شرعی حیثیت'' اور شعری کلام کا مجموعہ ''نغمۂ سحر'' آپ کی عمدہ تحریر اور خوبصورت طرز نگارش کا عظیم شاہکار ہیں۔

آپ میں فطری اعتبار سے بہترین تدبیری وتنظیمی صلاحیتیں ہیں، شوریٰ نے اس کا احساس کرکے آپ کو ۱۴۰۵ھ میں مجلس تعلیمی کا ناظم مقرر کیا

، چنانچہ آپ نے امید کے مطابق اس شعبہ کا نظام مستحکم کیا اور کئی قابل قدر اصلاحات کیں، تعلیمات کے موجودہ نظام کار میں جو سدھار، انفرادیت اور استحکام نمایاں ہے یہ سب آپ ہی کی فراست، بیدار مغزی اور اعلیٰ صلاحیت کا نتیجہ ہے۔

۱۴۰۸ھ میں مجلس شوریٰ نے آپ کو ''شیخ الہند اکیڈمی'' کا نگراں مقرر کیا، آپ کی فعال قیادت کے زیر اثر چند سال میں شیخ الہند اکیڈمی سے متعدد معیاری اور علمی کتابیں شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکی ہیں، اب جبکہ عمر مبارک ۷۰ رسال سے متجاوز ہو چکی ہے، جس کی بنیاد پر طبیعت بہت زیادہ کام کی متحمل نہیں رہی اس لئے آپ نے تمام انتظامی امور سے یکسوئی اختیار کر کے صرف تدریس اور ایضاح البخاری کی باقی جلدوں کی ترتیب اور اشاعت میں اپنے آپ کو مصروف کر لیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ آپ کو کامل صحت سے مالا مال فرمائے اور آپ کے تمام علمی کاموں کو سہولت اور عافیت کے ساتھ تکمیل تک پہونچائے (آمین)

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی مدظلہٗ

نائب مہتمم دار العلوم دیوبند

احاطۂ دار العلوم دیوبند میں فرزندان قاسمی؛ جن علم و ہنر، فضل و کمال، سیرت و کردار نیز معیاری اخلاق اور اعلیٰ صفات کے مختلف مذاق، مگر صاف شفاف چشموں سے سیراب ہوتے ہیں، جن کا ایک ایک قطرہ آب حیات سے زیادہ کارگر اور زود اثر ہوتا ہے اور جن کی فیاضی اور فراخ دلی، ہر زاویے سے باد صبا کی طرح عام اور ہر کس و ناکس کی پرسان حال ہوتی ہے؛ انہیں میں سے ایک انتہائی خوش مذاق، روح افزا اور حوصلہ پرور سرچشمہ، حضرت الاستاذ مولا نا مفتی ''عبد الخالق صاحب مدراسی'' دامت برکاتہم کی محبوب اور ہر دل عزیز شخصیت ہے کہ: جسمانی وجاہت اور قدرتی رعب وجلال جن کی پہچان، تو علمی لیاقت اور فنی عبقریت ان کی شناخت ''علم حدیث و ادب'' ان کی روح تو فہم و فراست اور ذکاوت و ذہانت حرز جان؛ فصاحت و بلاغت ان پر نازاں تو طلاقت و سلاست انگشت بدنداں؛ آپ کی باوقار شخصیت اعلیٰ دماغی اور بلند پروازی کا ترجمان، تو حسن انتخاب اور سلیقۂ انتظام کا مکمل نمونہ؛ جہاں سنجیدگی میں بانکپن اور وقار میں بے باکی کا سنگم، وہیں علم و تقوی، زہد و ورع، اخلاص و للّٰہیت اور جود و سخا کا حسین امتزاج؛ جس طرح مادر علمی جیسی عظیم یونیورسٹی کی تعمیر نو کے شہنشاہ، اسی طرح تعمیری دنیا کی عظیم شاہکار ''جامع رشید'' کے بے تاج بادشاہ؛ ایک طرف جغرافیائی علوم کے ماہر تو دوسری طرف جدید سائنس کی نوک و پلک سنوارنے کی مکمل صلاحیت کے حامل؛ وسعت ظرفی کا یہ عالم کہ بحر ذخار بھی اپنی تنگئ دامانی پر نادم، تعلیم و تربیت، ہمت افزائی اور ذہن سازی کا ایسا ملکہ کہ مایوس سے مایوس طبیعت بھی اپنے فکر و عمل سے ایک نئی تاریخ رقم کرنے پر آمادہ، بلکہ بے چین و مضطرب اور حسن معاشرت، مساوات و یکسانیت کا ایسا نرالا انداز کہ شاہ و گدا دونوں ہی محو حیرت اور سراپا تشکر و امتنان، اس قدر علو مرتبت کے باوجود، عاجزی و انکساری اور عفت و پاکدامنی کا یہ حال کہ: ع

دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

علوم و فنون کی اس مایۂ ناز ہستی کا نام نامی اسم گرامی ''حضرت مولانا مفتی عبد الخالق ابن جناب عبد القدوس صاحب مدراسی'' (مرحوم) ہے۔

تاریخ ولادت:

ظاہری و باطنی حسن و جمال کا مظہر، یہ نیر تاباں ۱۰ر دسمبر ۱۹۵۰ء کو موضع ''جدوال، ضلع شمالی آرکاٹ، تمل ناڈو'' کے مطلع فیض سے اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ طلوع ہوا۔ **ابتدائی تعلیم**:

قرآن شریف، اردو، حساب اور دینیات وغیرہ کی ابتدائی تعلیم آپ نے مدرسہ ''امداد المسلمین، جدوال'' اور انگریزی، حساب، جغرافیہ ودیگر علوم عصریہ ''للہ مدرسہ''، بلنج پور (تمل ناڈو) میں۔ جبکہ فارسی زبان کی تعلیم ''مدرسہ باقیات الصالحات، ویلور، تمل ناڈو'' میں ۱۹۶۱ء میں حاصل فرمائی۔

عربی تعلیم اور مادر علمی میں داخلہ:

آپ نے عربی تعلیم کا سفر ۱۹۶۳ء میں ''دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور'' سے شروع فرمایا۔ ۱۹۶۹ء میں ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی ''دارالعلوم دیوبند'' میں اپنی خداداد صلاحیت اور خصوصی فضل ربانی کی بناپر ''دورۂ حدیث شریف'' کے لئے منتخب کر لئے گئے۔ دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد ۱۹۷۰ء میں صف نہائی عربی (تکمیل ادب)۔ ۱۹۷۱ء میں تکمیل معقولات اور ۱۹۷۲،۷۳ء میں تکمیل افتاء کا نصاب مکمل فرمایا۔

تدریس کا آغاز:

آپ کی علمی لیاقت، ادبی کمال اور فکری جمال نیز بلند ذہنیت کا ہر سو اس قدر چرچا ہو چلا تھا کہ شروع ہی سے ارباب حل وعقد کی جوہر شناس نگاہیں آپ پر مرکوز تھیں، چنانچہ اسی سال مادر علمی کو ایک لائق وفائق، خوش اسلوب اور صاحب طرز ادیب کی ضرورت پیش آئی، جس کے لئے آپ کی ادب نواز شخصیت صدفی صد موزوں سمجھی گئی، چنانچہ ۱۹۷۲ء میں ''استاذ الادب العربی'' کی حیثیت سے مادر علمی میں آپ کا تقرر ہوا، اور بڑے آن بان کے ساتھ آپ نے تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا۔

نیابت اہتمام:

چونکہ آپ جہاں عظیم علمی حیثیت کے مالک ہیں، وہیں اپنی خداداد صلاحیت اور ایمانی فراست کی بدولت، اہتمام وانتظام کا بھی بہت ہی نرالا ذوق رکھتے ہیں، اس لئے ۱۹۹۹ء میں ارباب شوریٰ کی دور اندیش نگاہوں نے نیابت اہتمام کے منصب جلیل کے لئے برمحل اور بروقت آپ کا انتخاب فرما کر امانت امت کی یہ عظیم ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کر دی، جسے تمام تر نزاکتوں کے باوجود اب تک حضرت کی ذات والا صفات بحسن وخوبی، نہایت دلچسپی اور لگن کے ساتھ انجام دے رہی ہے اور دیتی رہے گی (ان شاء اللہ)

متعلقہ کتب:

بتایا جاتا ہے کہ ''ادب'' میں غیر معمولی مہارت کے باعث آپ کا تقرر ''**استاذ الأدب العربی**'' کی حیثیت سے ہوا تھا، اس لئے ابتداءً آپ سے اکثر ''فن ادب'' کی کتب ہی متعلق رہیں، مثلاً ''القراءۃ الواضحہ، (اول، دوم، سوم) دیوان متنبّی، تاریخ الادب العربی'' پھر ''جلالین شریف'' بھی اور فی الوقت ''شمائل ترمذی، مشکوۃ المصابیح، دیوان متنبّی'' آپ سے متعلق ہیں، یہ کہنے کی اب بالکل ضرورت نہیں ہے کہ حضرت سے جو کتاب بھی متعلق کی گئی، آپ نے اس کا حق ادا کر دیا؛ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے ہر فن میں اس کے انداز درس وتدریس کے میدان میں تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔ (**فجزاہ اللّٰہ عنا وعن سائر المسلمین**) اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم پر تادیر قائم ودائم رکھے۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا عبد الخالق صاحب سنبھلی مدظلہٗ

استاذ حدیث وادب ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

اخلاق وکردار اور علم وعمل کی جامع شخصیت کا نام ہے: حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی مدظلہٗ العالی۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے ان قدیم اساتذہ میں سے ہیں جن کو تمام وابستگان دارالعلوم دیوبند عقیدت اور انتہائی محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حلم، تواضع، خداترسی، اللہ واسطے کی محبت، ہمدردی ومحبت، دنیا سے بے نیازی، خوداعتمادی، سخاوت اور اعلیٰ درجے کی ضیافت، بڑوں کا مکمل احترام اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت ہمہ وقت خفیف سی دل آویز مسنون مسکراہٹ آپ کے خصوصی اوصاف ہیں۔ قدرت نے ایک عجیب گرویدگی اور شیفتگی آپ کی شخصیت میں رکھی ہے، اس لئے آپ سے صرف ایک بار ملنے والا بھی آپ کو بھلا نہیں پاتا، اسی طرح سادگی اور تواضع میں بھی آپ بے مثال اور لاثانی ہیں اس سلسلے میں آپ اسلاف کے مکمل نمونہ اور ان کی پاکیزہ روایات کے امین ہیں، راقم الحروف کو ایک ماہ آپ کی خدمت میں اس وقت رہنے کا مکمل موقع ملا جبکہ آپ قرآن پاک کی تفسیر کے لئے ماہ رمضان ۲۰۰۲ء میں ''کوئمبتور'' تشریف لائے تھے۔ اور راقم آپ کے ہمراہ بطور خادم تھا، اس دوران بلند اخلاقی کریم النفسی، شرافت طبعی، شفقت ورحمت اور حلیمانہ برتاؤ کی جو ادائیں آپ میں دیکھیں، آنکھیں دوسری جگہ ایسی ادائیں دیکھنے سے آج تک قاصر ہیں۔

پیدائش:

آن محترم کی پیدائش ''قصبہ سنبھل ضلع مرادآباد'' میں ۴؍جنوری ۱۹۵۰ء کو ہوئی، آپ کے والد محترم کا اسم گرامی نصیر احمد ہے جو کہ ایک خوش اطوار، خوش مزاج، رقیق القلب، متواضع، سادگی پسند اور تمکنت سے خالی انسان تھے، وہ ایک خوش گو شاعر بھی تھے، ان کا کام صاف ستھرا شریفانہ، دلچسپ اور دل آویز تھا، آپ جب کبھی دیوبند تشریف لاتے تو باذوق طلبہ آپ کے کلام سے بہت محظوظ ہوتے اور کئی دفعہ تو آپ کا عمدہ کلام سننے کے لئے طلبہ کی بھیڑ لگ جاتی، عام طور پر یہ خوش نما منظر عصر کے بعد دیکھنے کو ملتا۔

آغاز تعلیم:

آپ کے محلّہ میں گھر کے قریب مدرسہ ''خیر المدارس'' میں آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا، اس وقت وہاں حضرت مفتی محمد آفتاب علی صاحب مدرس تھے، کچھ دنوں بعد حضرت مفتی آفتاب علی خان صاحب ''مدرسہ شمس العلوم'' منتقل ہو گئے، تو آپ بھی وہیں چلے گئے۔ اس مدرسہ میں آپ نے حافظ فرید الدین صاحب سے قرآن کریم حفظ کی تکمیل کی۔ فارسی اور ابتدائی عربی سے شرح جامی تک کی تمام کتب حضرت اقدس مولانا مفتی محمد آفتاب صاحب سے پڑھیں اور پھر ۱۹۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔

حضرت مولانا بچپن ہی سے بڑے ذہین طباع اور غیر معمولی دماغی قوت وصلاحیت سے معمور تھے، اس لئے زمانۂ طالب علمی میں ہی ''دارالعلوم دیوبند'' پہونچ کر آپ کے علمی گوہر کھلنے لگے، اور اسی بنیاد پر آپ ہمیشہ اپنے ہم درسوں اور ہم چشموں سے ممتاز رہے، کم وبیش پانچ سال آپ دارالعلوم دیوبند میں رہے اس دوران آپ نے اپنے تمام اوقات کو تعلیمی مشاغل میں ہی صرف کیا، اسباق کی پابندی، مطالعہ میں انہماک، اساتذہ وآلات علم کا مکمل احترام اور اعمال پر مواظبت جیسے عمدہ اوصاف آپ کی علامت تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ قیام میں کتب متداولہ کی تکمیل وقت کے عباقرۂ فن اور اساطین علم کے سامنے ہوئی، جس میں بخاری شریف حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحبؒ اور حضرت مولانا شریف الحسن صاحب سے پڑھی، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ سے ''طحاوی شریف اور التصریح'' پڑھی۔

۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں دورۂ حدیث شریف میں تیسری پوزیشن سے کامیابی حاصل کی۔ادب سے دلچسپی شروع ہی سے تھی اس لئے ہمیشہ امتحان کے جوابات عربی میں لکھے،فراغت کے بعد ایک سال تکمیل ادب میں رہ کر حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ سے خصوصی استفادہ کیا۔

تدریسی دور:

آنمحترم کی تدریسی زندگی کا آغاز ۱۹۷۳ء میں ''خادم الاسلام، ہاپوڑ'' سے ہوا، یہاں آپ ہی کے ہم وطن ،محقق عصر، عالم دین حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب سنبھلی پہلے ہی سے داد تحسین حاصل کر رہے تھے،آپ یہاں آکر ان سے گھل مل گئے ان دونوں حضرات کے خادم الاسلام میں جمع ہونے سے خادم الاسلام کی علمی سرگرمیوں میں قابل قدر اضافہ ہوا،آپ نے یہاں علیا تک کی کتابیں پڑھائیں، چھ سال تک آپ اپنی علمی ضیاپاشیوں سے خادم الاسلام کی فضاء کو منور کرتے رہے،اس دوران آپ کی تدریسی صلاحیت،عمدہ استعداد اور تبحر علمی کے چرچے بہت دور تک ہونے لگے تھے۔

۱۹۷۹ء میں مرادآباد ''مدرسہ جامع الہدیٰ'' کی خدمات کے لئے منتخب کئے گئے، یہاں ۳؍سال تک بحسن وخوبی تدریسی خدمات انجام دیں۔اس کے بعد آپ از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات کے لئے منتخب کر لئے گئے، دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ۱۹۸۲ء میں ہوا اس وقت سے آج تک آپ دارالعلوم کے مایہ ناز استاذ ہونے کی حیثیت سے معروف ہیں۔آپ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے ان جلیل القدر اساتذہ میں ہیں جو علمی لیاقت، فنی مہارت، حاضر جوابی، علمی گہرائی، وسعت قلبی اور بصیرت مندی میں فائق رہے ہیں۔فقہ وادب کی باریکیوں اور اس کے تمام گوشوں سے واقفیت رکھنے کے ساتھ عربی زبان وادب سے خاص تعلق ہے،مولانا بے تکلف عربی زبان لکھتے اور بولتے ہیں، درس میں افہام وتفہیم کا انداز بہت عمدہ اور نرالا ہے۔جس کے تمام طلبہ مداح ہیں۔مزاج میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے،جس کا اثر دوران درس بھی گاہ بگاہ ظاہر ہوتا ہے؛اس سے طلبہ اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے ،مولانا کامیاب مدرس، بہترین قلم کار ہونے کے ساتھ بہت اچھے مقرر بھی ہیں۔آپ کی تقریریں صاف شستہ سلجھی ہوئی اور مؤثر ہوتی ہیں متعدد مرتبہ آپ دارالعلوم دیوبند کے ناظم امتحان رہے اور اب ماشاءاللہ تین سال سے دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم ہیں۔

تصانیف:

آپ نے کئی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، چنانچہ کئی عمدہ کتابیں آپ کے رشحات قلم سے صادر ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں اور علمی حلقوں سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں، ان میں فتاوی عالمگیری جز ۱۵؍(کتاب الایمان) کا ترجمہ ''تحسین المبانی فی علم المعانی''میں ضمیمہ کا اضافہ،عبدالمجید عزیز الزندانی الیمنی کی کتاب ''التوحید''،کا ترجمہ جو تقریباً ۵۰۰؍صفحات پر مشتمل ہے اور پانچ حصوں پر مشتمل ردمودودیت پر محاضرے جو دارالعلوم دیوبند کی جانب سے شائع کئے گئے،آپ کے گراں قدر قلمی شاہکار ہیں۔اللہ کرے اور زور قلم زیادہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خدمت دین کے لئے مزید قوت سے نوازے(آمین)

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا قمرالدین صاحب مد ظلہٗ العالی

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا قمر الدین صاحب علم وعمل اور اخلاق وکردار کی ایک واضح علامت ہیں، تقوی وطہارت میں امتیازی شان رکھنے کے ساتھ دعوت واصلاح کے جذبے سے بھی معمور رہتے ہیں۔ طلبۂ دار العلوم کی علمی تربیت کے ساتھ عملی راہنمائی میں بھی پوری توجہ سے مصروف ہیں۔ اکثر وبیشتر دار العلوم کی مسجد قدیم میں عصر کی نماز کے بعد کھڑے ہوکر اصلاحی ارشادات سے طلبہ کو نوازتے ہیں۔ جس سے طلبہ کو بہت فائدہ ہوتا ہے، طلبہ میں اصلاح طلب امو رکو دیکھ کر فوراً آپ بے چین ہوجاتے ہیں اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلانا آپ کا معمول بن گیا ہے۔ رسوخ فی العلم، تواضع، قناعت، سادہ مزاجی، ایثار، اخلاص وللّٰہیت، عشق الٰہی اور عشق رسول میں سرمست اور بلاخوف ملامت منکر پر نکیر وغیرہ آپ کے خصوصی اوصاف ہیں۔

آپ کے والد محترم کا نام الحاج ''بشیر الدین احمد'' مرحوم ہے۔ ۲؍فروری ۱۹۳۸ء کو ضلع گورکھپور (یوپی) کے مردم خیز قصبہ ''بڑھل گنج'' میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا وصی اللہ صاحب قاسمی سے حاصل کی؛ پھر ''مدرسہ احیاء العلوم، مبارکپور ضلع اعظم گڑھ'' میں ایک سال گذارا، بعد ازاں اپنے تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے مشرقی یوپی کی معروف ومشہور درسگاہ ''دار العلوم مؤناتھ بھنجن'' میں داخل ہوئے۔ یہاں آپ نے ''ملاحسن، متنبّی، مختصر المعانی اور ہدایہ اولین وغیرہ'' کتابیں پڑھیں۔

۱۹۵۴ء میں ایشیاء کی سب سے عظیم دینی وعلمی درسگاہ دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور اس وقت کے مقتدر ومشاہیر علماء سے کسب فیض کر کے سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد تقریباً دوسال فنون کی تکمیل کی۔ دار العلوم دیوبند میں دوران تعلیم ''حسامی کا درس حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب سے لیا۔ دار العلوم میں فنون کی تکمیل کے بعد اپنے مخدوم ومکرم استاذ محترم حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ کے ایماء پر ''مدرسہ عبد الرب'' دہلی میں تدریسی سلسلہ کا آغاز کیا۔ وہاں آپ نے کم وبیش آٹھ سال گذارے، اس درمیان دہلی کی ایک جامع مسجد میں تفسیری مشغلہ بھی جاری رکھا، دہلی میں آپ کے اس تفسیری بیان کو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ آپ کے اس سلسلۂ درس قرآن سے خواتین بھی مستفید ہوتی تھیں، اور اس سے ان کی کافی اصلاح ہوئی۔

۱۹۶۶ء میں حضرت العلام مولانا ابراہیم بلیاویؒ کے توسط سے آپ کو دار العلوم میں عربی درجات کی تدریس کے لئے منتخب کیا گیا، چنانچہ آپ دار العلوم دیوبند میں اس وقت سے آج تک تادم تحریر تدریسی سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ دار العلوم دیوبند میں ''مسلم شریف، نسائی شریف، اور تفسیر بیضاوی'' جیسی اہم کتابیں آپ کے زیر درس ہیں۔ آپ کی درسی تقریریں عام فہم اور مربوط اور مسلسل ہوتی ہیں دوران درس اس موضوع سے ہٹ کر گفتگو نہیں فرماتے، البتہ اپنی خصوصی عادت دعوت اور اصلاحی مزاج کے باعث اصلاحی باتیں ضرور ارشاد فرماتے ہیں۔

راہ سلوک میں آپ کے پہلے پیر ومرشد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب خلیفہ حضرت اقدس مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ ہیں۔ ایک عرصہ تک اصلاح وارشاد کا یہ سلسلہ حضرت موصوفؒ ہی سے قائم رہا؛ پھر جب شاہ وصی اللہ صاحبؒ رحلت فرماگئے تو آپ نے اپنا اصلاحی تعلق محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ سے قائم کیا اور انہیں سے آپ کو اجازت وخلافت بھی حاصل ہوئی۔ ماشاء اللہ آپ نے یہ مبارک اور اصلاحی سلسلۂ ارشاد وسلوک کو بھی قائم رکھا ہے، دار العلوم کے صدر دروازہ کے سامنے ''طیب مسجد'' میں عصر کی نماز کے بعد آپ کی اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے جسمیں کثیر تعداد میں طلبہ اور دیگر مسترشدین جمع ہوکر روحانی فیض حاصل کرتے ہیں، اللہ آپ کے فیض کو مزید عام فرمائے اور آپ کی عمر میں برکت نصیب فرمائے۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی مدظلہٗ

ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند

ولادت:

موضع جوڑھاپور، ضلع گونڈہ میں ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئے

تعلیم کا آغاز:

ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مختلف اساتذہ سے حاصل کی، پرائمری تک اپنے گاؤں سے ''مدرسہ عثمانیہ'' میں اور پرائمری پنجم کی تکمیل کے بعد فارسی اور عربی کا آغاز بھی یہیں کیا اور چند ابتدائی عربی کتب پڑھیں۔ بعدہٗ ضلع بہرائچ کے مشہور اور نہایت نیک نام ''مدرسہ نورالعلوم، بہرائچ'' میں باضابطہ داخلہ لیا۔

دارالعلوم دیوبند کا سفر:

''مدرسہ نورالعلوم، بہرائچ'' میں عربی سوم تک پڑھنے کے بعد ایشیاء کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کا سفر کیا اور ۱۹۷۶ء میں داخلہ لیکر ۱۹۷۳ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ دورۂ حدیث شریف میں آپ کے اساتذہ یہ حضرات تھے:

بخاری شریف جلد اول فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ سے شروع کی، مگر اسی سال ماہ صفر میں آپ کے انتقال کے بعد ایک عشرہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبندؒ کے پاس۔ بعدہٗ ایک ہفتہ فخر الحسن صاحب سے پڑھتے ہوئے نئے نظام کے تحت حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ سے پڑھ کر بخاری جلد اول ختم کی اور مسلم شریف بھی آپ ہی سے پڑھی۔ بخاری شریف جلد ثانی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے، ترمذی شریف مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ سے، ابوداؤد حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ سے، نسائی شریف حضرت مولانا حسین صاحب بہاریؒ سے، ابن ماجہ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ سے، طحاوی شریف حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ سے، موطا امام مالک حضرت مولانا نعیم احمد صاحبؒ اور موطا امام محمد حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمیؒ سے پڑھی، دورۂ حدیث شریف میں اول پوزیشن سے کامیابی حاصل کی۔

شعبۂ تکمیل افتاء میں داخلہ:

دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد ایک سال شعبۂ افتاء میں داخلہ لے کر افتاء کیا۔

آغاز تدریس:

تکمیل افتاء سے فراغت کے بعد ایک سال بحکم اہتمام ''مدرسہ اسلامیہ جودھپور، راجستھان'' میں بحیثیت صدر مدرس اور قائم مقام مہتمم ایک سال خدمت انجام دی۔

۱۹۷۵ء تک ''مدرسہ فرقانیہ، گونڈہ'' میں اور ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۲ء تک ''مدرسہ جامع العلوم، پٹکاپور، کانپور'' میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے آپ کانپور سے دارالعلوم دیوبند پہونچے۔

انداز تدریس:

حضرت مولانا دارالعلوم دیوبند کے نہایت نیک نام اساتذہ میں سے ہیں، آپ کا درس خیر الکلام ماقلَّ ومادلَّ کے مصداق نہایت نپا تلا ہوتا ہے۔ انداز درس اور افہام وتفہیم میں انفرادی شان رکھتے ہیں طلبہ کے درمیان بیحد مقبول ہیں۔

۲۰۰۸ء میں آپ کو درجۂ علیا کی تدریس پر فائز کیا گیا اور ساتھ ہی دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے آپ کو مجلس تعلیمی کا ناظم بھی مقرر کیا۔

مزاج وطبیعت:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت سلجھے مزاج اور سلامتیٔ طبع سے نوازا ہے، فہم وفراست، سنجیدہ مزاجی اور اصابت رائے کے عنوان پر آپ دارالعلوم میں معروف ہیں، اللہ تعالیٰ دارالعلوم میں عافیت کے ساتھ بیش از بیش تدریسی اور انتظامی خدمات لے اور قبولیت عامہ وتامہ سے نوازے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی امین صاحب پالنپوری مد ظلہٗ العالی

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند:

ولادت.....۱۵/جنوری ۱۹۵۲ء **فراغت** ۱۳۹۳ھ

جائے پیدائش: مجاہد پورہ، ڈاکخانہ بھاڈ، تحصیل کھیراؤ، ضلع مہسانہ، شمالی گجرات۔

ابتدائی تعلیم کچھ تو ہر دیواسنہ میں مولانا اسماعیل صاحب سے اور والد صاحب سے حاصل کی۔ پھر ۱۳۸۲ھ میں اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالن پوری کے ہمراہ دیوبند تشریف لے آئے اور حضرت قاری کامل صاحب دیوبندی کے یہاں حفظ قرآن کا آغاز کیا، مگر کچھ دنوں بعد حفظ کی پوری ذمہ داری حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب نے لے لی اور اپنی فطری صلاحیت کے زیر اثر کل ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں آپ کو ایک مکمل کامیاب حافظ بنادیا۔ ۱۳۸۴ھ میں اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ راندیر (سورت) تشریف لے گئے۔

فارسی کی تعلیم اپنے برادر محترم سے حاصل کی جبکہ عربی اول، دوم (راندیر، سورت) میں پڑھی، پھر کافیہ شرح جامی اور مختصر المعانی وغیرہ کتب مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھیں۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے اور ۱۳۹۳ھ میں باقاعدہ دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

۱۳۹۴ھ میں تکمیل ادب اور ۱۳۹۵ھ میں دارالافتاء میں داخلہ لیا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خانصاحب سے ''طحاوی شریف، مشکوٰۃ شریف، اور میبذی'' میں شرف تلمذ حاصل کیا۔

شوال ۱۳۹۵ھ میں ''کنز مرغوب پٹن، شمالی گجرات'' میں تدریس کا آغاز کیا، یہاں دوسال تک مشکوۃ وغیرہ کا درس دیتے رہے، بعد ازاں ''تاراپور، ضلع کھیڑ، گجرات'' میں دوسال دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھائیں۔ اسی طرح ''امدادالعلوم، وڈلی، سابرکانٹھا، گجرات'' میں درس وتدریس کا موقع ملا۔ ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا اس وقت سے تاہنوز تدریسی سلسلہ جاری ہے۔

آپ کی تصانیف میں سے اہم تصنیف ''الخیر الکثیر شرح فوز الکبیر، اصلاح معاشرہ، آداب اذان واقامت، رضاخانیت کے موضوع پر ۶/ محاضرات اور فتاوٰی دارالعلوم دیوبند پر چند ضمیمے وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مستقل پتہ: گجرات بک ڈپو محلّہ قلعہ دیوبند، پن: ۲۴۷۵۵۴

☆☆☆☆☆

ساتواں باب

اوصاف و کمالات

اور امتیازات و خصوصیات

علمی کمالات:

آپ کو تمام علوم وفنون، منقول ومعقول میں درجۂ کمال حاصل تھا، ایشیاء کی سب سے عظیم دینی درسگاہ ''دار العلوم دیوبند'' میں کم وبیش ۶۵ر سال تک علوم وفنون کی تدریس میں مشغول رہے۔ اس عرصہ میں تقریباً چالیس سال درس حدیث دیا۔ اس لئے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کے ذہن میں محفوظ تھا اور ہر طرح کے مسائل سے متعلق احادیث ہمہ وقت مستحضر رہتیں۔ حدیث کی مسلسل تدریس کی وجہ سے آپ پر اس فن شریف کا غلبہ تھا، درس کی خصوصیات میں یہ بات خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ آپ حدیث کے مفہوم کو دوسری احادیث پیش کر کے اس کی صحیح اور حقیقی مراد کو متعین فرماتے تھے۔ یہ اسیوقت ممکن ہے جب ذخیرہ حدیث پر پوری نگاہ ہو۔

حدیث شریف میں آپ کے تبحر اور عمق کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ کئی ہزار علماء اور فضلاء آپ کے لئے ''شیخ الحدیث'' کا لقب پسند کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تو انہوں نے خود اسکا مشاہدہ کیا کہ اس وقت مشیخت حدیث کا لقب صرف آپ کو سجتا ہے۔ آج سینکڑوں علماء اور فضلاء کے پاس آپ کی درسی تقریریں ضبط کی ہوئی ہیں ان کو دیکھ کر اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت کا علم حدیث کس درجہ کا ہے، اور اس فن شریف میں آپ کی نگاہ کتنی وسیع اور دقیق تھی۔ علماء کے درمیان علم حدیث کی مہارت اور تبحر تسلیم شدہ حقیقت تھی اس میں دو رائیں نہیں تھیں۔ علم حدیث کے بعد فقہ کا درجہ آتا ہے اس سلسلے میں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ دار العلوم دیوبند میں درس حدیث کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں حدیث پر جامع بحث کی جاتی ہے جس میں ائمۂ اربعہ کی فقہی مسائل، ان کے متدلات اور طریق استدلال پر بھی توجہ دی جاتی ہے اور پھر سراج الامت امام ابوحنیفہ کی رائے کو ترجیح بھی مقاصد درس میں شامل ہوتی ہے۔ اس حیثیت کا درس اسی وقت ممکن ہے جب کہ ائمۂ اربعہ کے مسلک اور ان کی فقہ پر تفصیلی نگاہ ہو۔

حضرت والا قدس سرہٗ چاروں فقہ پر مبصرانہ نگاہ رکھتے تھے، آپ کے درس میں طلبہ کو کامل تشفی ہوتی تھی، اور ان کی علمی تشنگی کماحقہٗ یہاں بجھتی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خانصاحبؒ اگر ایک طرف دور حاضر کے محدثِ بے بدل تھے تو دوسری طرف وسیع النظر فقیہ بھی تھے۔ آپ کو مسائل فقہیہ پر دسترس حاصل تھی، اسی طرح ان مسائل کے استحضار پر قدرت تامہ بلکہ وسعت علم کی بنا پر اقوال مختلفہ میں مرجحانہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، یہی نہیں بلکہ مذاہب اربعہ کی جزئیات فقہیہ اور روایات مختلفہ حافظہ میں مستحضر رہتی تھیں۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ عربی زبان وادب پر بھی کامل عبور رکھتے تھے، ادب عربی کی زیادہ تر کتابیں آپ نے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر

احمد خان صاحب قدس سرہٗ العزیز سے پڑھیں۔اسی کے ساتھ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے بھی خصوصی تلمذ رہا۔حضرت شیخ الادب امروہویؒ کی مفید ادبی صحبتوں نے آپ کوادب عربی پر قابو یافتہ بنا دیا تھا۔پھر چونکہ ستر سال عربی درس وتدریس میں گذارے تھے جس میں ایک عرصہ تک ادب عربی کی کتب بھی آپ کے زیر درس رہیں۔اس بنیاد پر بھی آپ کواس فن میں خصوصی طاق حاصل ہو گیا تھا۔اسی طرح معانی وبلاغت اور دوسرے علوم وفنون جو مدارس عربیہ میں پڑھائے جاتے ہیں،ان پر بھی بڑی تفصیلی نگاہ تھی۔جب اس فن کی کوئی بات آتی تو آپ کے جوہر کھلتے پھر دیکھنے اور سننے والے ہی سمجھتے کہ یہی آپکا خاص فن ہے اوراسی کا خصوصیت سے آپ نے مطالعہ فرمایا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ نے علم کلام کی کتابوں کا بھی ایک طویل مدت تک درس دیا تھا اور چونکہ درس میں آپ کا معمول فن دیکھ کر پڑھانے کا تھا۔اس لئے دیگر فنون کی طرح اس فن میں بھی آپ کو عبور حاصل ہو گیا تھا۔اس دوران آپ نے متکلم اسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کے جدید علم کلام کا خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کیا تھا۔آپ اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی طرح حضرت نانوتوی کے مباحث کو بعض حیثیتوں سے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مباحث سے دور جدید کے لئے زیادہ مفید بتایا کرتے تھے۔اسی لئے آپ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کے علم کلام اور کلامی مباحث سے بہت متأثر اوراس کے قدردان تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں کئی سالوں تک اس فن کی اہم کتاب ''شرح عقائد'' کا درس متعلق رہا۔اس درس میں آپ سے بے شمار تشنگان علم نے سیرابی حاصل کی۔اس فن میں آپ کے خصوصی تلمیذ صاحبزادۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علمائے ہند آپ کے درس کی خصوصیات بتاتے ہیں۔

''میں نے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ کے پاس ''شرح عقائد،مسامرہ اور مقامات حریریہ'' پڑھیں۔آپ کا درس صاف ستھرا فن اور کتاب سے متعلق ہوتا تھا طلبہ کو درس سمجھانے میں آپ کو قدرت کاملہ حاصل تھی،آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ ہمیشہ درس کے تمام گوشوں پر سیر حاصل بحث متعین وقت میں فرمالیا کرتے تھے۔

اتباع سنت:

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کی پوری زندگی میں اور زندگی کے ہر ہر پہلو میں اتباع سنت کا رنگ نمایاں تھا۔چھوٹی سی چھوٹی باتوں میں اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس موقع پر طرز عمل کیا تھا،گفتگو اور درسی تقریر میں بھی آپ اتباع سنت کو ملحوظ نظر رکھتے تھے۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسالتمآب،فخر دوعالم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو فرماتے تو انتہائی صاف اور واضح ہوتی۔آپ کے جملے الگ الگ اور واضح ہوتے۔دیکھنے اور سننے والے جانتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کا بھی انداز گفتگو اور انداز تقریر یہی ہوتا تھا۔حضرت شیخؒ کی گفتگو میں ہر بات اور ہر جملہ واضح صاف اور الگ ہوتا تھا۔کبھی بھی آپ کی گفتگو میں ایسا نہیں ہوتا تھا کہ الفاظ وحروف سمجھے نہ جاسکیں۔

عذر کے باوجود نماز کے لئے مسجد میں حاضری:

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ تمام صفات وخصوصیات میں اسلاف عظام کا مکمل نمونہ اوران کی سچی یادگار تھے۔اسلاف دیوبند میں سے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ اپنے معاملے میں ہمیشہ عزیمت اور اقرب الی الاحتیاط والی راہ پسند فرماتے تھے اوراسی پر عمل کرتے تھے۔اسی لئے امراض میں کیسا بھی شدید مرض کیوں نہ ہو،کبھی بھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔مرض الموت میں جب تک اس قدر حالت رہی کہ دوآدمیوں کے سہارے سے کھڑے ہوکر پڑھ سکیں اس وقت اسی طرح پڑھیں کہ دو تین آدمیوں نے بمشکل اٹھایا اور دونوں جانبوں سے کمر میں ہاتھ ڈالکر لے کر کھڑے ہو گئے اور قیام،رکوع اور سجود سب سہارے سے ادا کئے۔خدام نے ہر چند چاہا کہ حضرت بیٹھ کر نماز ادا فرمالیں مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ایک روز حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہٗ نے عرض کیا کہ حضرت!اگر اسوقت بھی جائز نہیں تو پھر وہ کون سا وقت اور کون سی حالت ہوگی جس میں بیٹھ کر نماز شرعاً جائز ہوگی؟

آپ نے فرمایا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک **قادر بقُدرۃِ الغیر** قادر ہوتا ہے، جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھ کو اٹھا کر نماز پڑھاتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں، عزیمت اور اقرب الی الاحتیاط پر عمل کی ایسی مثالیں بہت کم نظر آئیں گی، یہ اسلاف دیوبند کی خصوصیات اور ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ بھی چونکہ انہیں اکابر عظام اور نفوس قدسیہ کے درجۂ علمی و عملی کے امین اور ان کی عظیم و شاندار روایات کے محافظ تھے، اس لئے آپ بھی پوری زندگی عزیمت اور اقرب الی الاحتیاط والی راہ پر گامزن رہے۔ آپ زندگی کے آخری دنوں میں کئی قسم کے عوارض سے دوچار تھے۔ جس میں گھٹنوں کی تکلیف بہت ہی زیادہ پریشانی کا باعث تھی۔ چلنا پھرنا بہت تکلیف سے ہوتا تھا؛ مگر ایسی حالت میں بھی آپ نماز باجماعت کی ادائیگی کے لئے گھر سے مسجد تشریف لاتے۔ کئی دفعہ خدام نے کہا کہ حضرت! آپ کو عذر ہے، گھر ہی پر نماز پڑھ لیں تو بہتر ہے، مگر آپ نے اس کو قبول نہیں کیا۔

تقویٰ اور تدین:

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے خلیفہ صوفی محمد اقبال صاحب نے رسالہ ''اکابر کا تقویٰ'' میں امام غزالی کی کتاب ''تبلیغ دین'' سے تقویٰ سے متعلق ایک وضاحتی مضمون نقل کیا ہے، اسمیں تحریر کیا ہے کہ امام غزالی نے تقویٰ کے چار درجے بیان فرمائے ہیں۔

پہلا درجہ:

یہ ہے کہ جن چیزوں یا جس مال کی حرمت پر علمائے دین اور فقہائے شریعت کا فتویٰ ہے کہ ان کا استعمال نہ کیا جائے؛ ان سے بچنا۔ کیونکہ ان کے استعمال سے آدمی فاسق بن جاتا ہے، یہ عام مؤمن کا تقویٰ ہے۔

دوسرا درجہ:

صلحاء کا تقویٰ ہے یعنی مشتبہ چیز سے بھی پرہیز کرنا، کیونکہ علماء نے ظاہری حالت کو دیکھ کر اگرچہ مشتبہ چیز کو حلال کہہ دیا ہے مگر چونکہ اس میں حرمت کا احتمال ہے اور اس وجہ سے وہ شئی مشتبہ کہلاتی ہے لہذا صلحائے امت اسے بھی استعمال نہیں کرتے۔

تیسرا درجہ:

اتقیاء کا تقویٰ ہے یعنی صرف اس حلال اشیاء کا استعمال جن میں بالفعل کسی قسم کا شبہ نہ ہو اور آئندہ یا آفت کا خطرہ یا احتمال نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان جب تک خطرہ والی چیزوں میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے بے خطر چیزوں کو بھی ترک نہ کرے گا اس وقت تک اتقیاء کے درجے تک نہیں پہونچے گا

چوتھا درجہ:

تو بہت اونچا ہے یعنی اس چیز کے کھانے سے بھی پرہیز کرنا جس کے کھانے سے عبادت واطاعت پر قوت حاصل نہ ہو۔

تقویٰ کی مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں جب ہم اکابر دیوبند کی زندگیوں کو ملاحظہ کرتے ہیں تو دل یہ بات یقین کر لینے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہی جماعت جماعت حقہ اور سچے محبین رسول وصحابہ اور مقلدین اسلاف ہیں، ان حضرات کا تقویٰ کس معیار کا تھا اس کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ایک مرتبہ حضرت مولانا منیر احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبندؒ ڈھائی سو روپیہ مدرسہ کی روئیداد طبع کرانے دہلی تشریف لے گئے، اتفاق سے روپئے چوری ہوگئے۔ آپ نے اس چوری کی کسی کو بھی اطلاع نہیں کی اور اپنے وطن واپس آکر اپنی زمین فروخت کی۔ اور ڈھائی سو رپئے لے کر دہلی پہونچے اور کیفیت مدرسہ چھپوا کر لے آئے۔ کچھ دنوں بعد اس کی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوگئی۔ انہوں حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو واقعہ لکھ کر حکم شرعی دریافت کیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے، اس لئے ان پر ضمان نہیں ہے۔ اہل مدرسہ نے مولانا منیر احمد صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے! اور مولانا گنگوہیؒ کا فتویٰ دکھایا، مولانا منیر احمد صاحبؒ نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ:

''میاں رشید احمد نے فقہ میرے لئے ہی پڑھا تھا اور کیا یہ مسائل میرے لئے ہی ہیں، ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں، اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے۔ جاؤ لے جاؤ اس فتویٰ کو! میں ہرگز دو پیسے بھی نہیں لوں گا''

ذرا غور تو کرو! کس شان کا تقویٰ ہے۔ کم وبیش ایک صدی قبل ڈھائی سو روپئے کی کس قدر جائداد فروخت کرنی پڑی ہوگی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ۔

(۲) مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ کے استاذ خصوصی اور مربی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کے تعلق سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ دفتر ''جمعیۃ علمائے ہند'' دہلی میں قیام فرما تھے۔ نماز عصر کا وقت تھا، خدام نے جماعت کی غرض سے چٹائیاں بچھا دیں۔ حضرت شیخ جب نماز کے لئے کمرہ سے باہر تشریف لائے اور نئی چٹائیوں پر نظر پڑی تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف مخاطب ہو کر پر مسرت لہجہ میں فرمایا کہ: ناظم اعلیٰ صاحب نے بہت اچھا انتظام فرمایا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ ناظم اعلیٰ صاحب کا انتظام نہیں بلکہ آپ کے خادم چودھری عبدالرحمٰن صاحب کی عقیدت ہے جو کہ چٹائیاں فروخت کرتے ہیں انہوں نے ہی اس وقت فروخت کی چٹائیاں بچھا دی ہیں۔ حضرت نے جیسے ہی یہ بات سنی تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور اپنی جگہ سے ہٹ کر فرمایا کہ ان چٹائیوں کو اٹھاؤ! خدام نے عرض کیا عبدالرحمٰن نے اپنی خوشی سے بچھائی ہیں۔ فرمایا نہیں، وہ ان کو غیر مستعمل اور نئی بتا کر فروخت کریں گے؛ حالانکہ یہ استعمال میں آچکی ہوں گی، لہذا یہ کب درست ہوگا؟ چنانچہ چٹائیاں اٹھا دی گئیں۔ یہ تھے اسلاف دیوبند اور ان کا تقویٰ۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ بھی چونکہ اسی پاکیزہ سلسلے کی ایک روشن اور مبارک کڑی تھے اس لئے آپ کی زندگی بھی تقویٰ وطہارت اور تدین واخلاص سے پر تھی۔

حضرت والا قدس سرہٗ ایک طویل عرصہ تک تملناڈو کے ایک مشہور شہر ''کوئمبتور'' قرآن پاک کی تفسیر اور اصلاح ودعوت کے لئے جاتے رہے۔ اس عرصہ میں بے شمار افراد کو آپ سے وابستگی ہوئی۔ ان میں امراء، علماء، غرباء سب تھے۔ ان میں سے کئی لوگ آپ کو مدعو کرنا چاہتے تھے مگر آپ کسی کے یہاں جانے سے حتی الامکان احتراز فرماتے تھے، لیکن جب ان کی طرف سے اصرار میں مبالغہ ہوتا تو آپ صاحب دعوت کی مکمل تحقیق اور اس کے کاروبار اور پاکیزہ کمائی کے تعلق سے مکمل اطمینان حاصل کرنے کے بعد ہی کی دعوت قبول کرتے تھے۔ ٹھیک اسی طرح ہدیہ قبول کرنے میں بھی آپ کا معمول یہی تھا اگر کسی کی کمائی کے تعلق سے آپ کو ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو آپ ہرگز اس کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے۔

دار العلوم دیوبند میں آپ کی ۶۵/سالہ طویل تدریسی خدمات میں کوئی ایسا بھی واقعہ پیش نہیں آیا جس سے آپ کے تقویٰ اور تدین پر آنچ آتی ہو۔ آپ نے اپنی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے احتیاط کو پسند کیا، حتی کہ طہارت، نظافت، معاملات، اخلاق، معاشرت سب میں آپ پر احتیاط والا رویہ غالب تھا۔ درس کے اوقات کی پابندی میں آپ ضرب المثل تھے۔ آپ کے یہاں اوقات درس میں کتر بیونت بڑا معیوب عمل تھا۔ آپ کو دیکھا گیا کہ آپ نے اپنی طویل المیعاد تدریسی مدت میں اوقات درس کا مکمل لحاظ کیا۔

تواضع اور خدمت خلق:

تواضع انسانی اخلاق وکردار کا وہ امتیازی جوہر ہے، جس کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ بظاہر یہ ایک معمولی سا وصف ہے اور تکلفاً اور بسا اوقات رسماً بھی اس کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن وہ اظہار تواضع درحقیقت کبر اور غرور ہی کی ایک شکل ہے ایسی تواضع نہ شرعاً کوئی قیمت رکھتی ہے نہ اخلاق میں اس کا کوئی درجہ ومقام ہے۔

حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ قدس سرہٗ ایک طرف ایشیاء کی سب سے عظیم دینی درسگاہ دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین تھے، دوسری طرف ہزاروں عقیدتمند شاگردوں کے مرکز توجہ اور مرکز عقیدت ومحبت۔ جن میں سے ہر ایک اس بات کا منتظر کہ شیخ کی جوتیاں سیدھی کرنے کا

شرف اور عزت حاصل کرلے۔ ایسا محترم اور معزز اور علمی جلالت کا انسان اگر تواضع وانکسار کے وصف سے متصف ہے تو یہ اس کے کمال تقویٰ وزہد واتقاء کی سب سے مضبوط اور بڑی دلیل ہے۔ تواضع وانکساری حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کی وہ خصوصیت تھی کہ جس میں معاصر مشائخ میں سے کوئی آپکا شریک وسہیم نظر نہیں آتا تھا۔ آپ کے استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ بھی تواضع وانکساری میں منفرد وممتاز تھے۔ اور آپ ہی کی تربیت خاص سے یہ مبارک اثرات مولانا نصیر احمد خان صاحب میں منتقل ہوئے تھے۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ کی تواضع وانکساری ہی کی بات تھی کہ آپ کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ ملاقات کرنے والا جو بھی آتا اگرچہ وہ شاگرد ہی ہوتا آپ خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتے، اور اکثر استقبال وملاقات کھڑے ہوکر کرتے تھے۔ دارالعلوم کے اساتذہ جو زیادہ تر آپ کے شاگرد ہی تھے۔ آپ کے پاس ملاقات کے لئے اکثر عصر کے بعد آتے تھے۔ ان میں کئی عمر کے لحاظ سے بھی بہت چھوٹے تھے؛ مگر آپ ان کے ساتھ بھی بڑے متواضعانہ انداز میں ملتے، اور پھر اس وقت حیرت کی انتہا ہو جاتی جب آپ ان حضرات کے آنے پر مکان میں تشریف لے جاتے اور واپسی میں اپنے ہی ہاتھ میں چائے وغیرہ لاتے تھے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں فرماتے، بلکہ چائے اپنے مبارک ہاتھوں سے فنجان میں نکالتے اور مہمانوں کو پیش کرتے۔ آپ کا یہ معاملہ اس وقت حاضر طلبہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا تھا کہ آپ ان کو بھی چائے نکال کر بڑی عزت سے پیش کرتے تھے۔ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ کے اعلیٰ درجے کے متواضع اور منکسر المزاج ہونے کی گواہی وقت کے بڑے بڑے اہل علم نے دی ہے۔

آپ کے شاگرد خصوصی اور دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب افغانی حال استاذ'' دارالعلوم کراچی، پاکستان'' نے اپنے عربی کے مضمون میں (جو حضرتؒ کے تعلق سے بہت جامع مضمون ہے) کئی اساطین علم کے وہ اقوال جو حضرتؒ کی شان میں ہیں، نقل کئے ہیں۔ ان میں تقریباً تمام ہی اہل علم حضرات نے حضرت شیخ الحدیث کی تواضع والی صفت کو خصوصیت سے ذکر کیا ہے، مثلاً محدث کبیر حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی حضرت والاؒ کے سلسلے میں وقیع رائے اور قیمتی جملے اس طرح نقل کئے ہیں:

''كان فضيلة الشيخ الراحل يراعى حقوق الله وحقوق عباده لا يؤذى احدًا وكان ذاتواضع جم''

حضرت شیخ حقوق اللہ وحقوق العباد کا یکساں لحاظ رکھنے والے اور کسی کو کسی بھی قسم کی تکلیف نہ دینے والے اعلیٰ درجے کے متواضع پیکر تھے۔

حضرتؒ کے سلسلے میں مولانا ابرارالحق صاحبؒ کے خلیفہ ومجاز اور دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث وسابق ناظم تعلیمات حضرت مولانا قمرالدین صاحب مدظلہ العالی کی رائے گرامی اس طرح نقل کی ہے:

''كان استاذى فضيلةالشيخ نصير احمد خان صاحب يمتاز بحسن الخلق والتقوىٰ والتواضع والاعتدال''

استاذ محترم حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب حسن اخلاق، تقویٰ، تواضع اور اعتدال ومیانہ روی میں ممتاز تھے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ:

''ومن تواضعه انه رآنى ذات مرة وانا احمل فى يدى البقول من السوق وقال اعطنى اياها حتىٰ اوصلها الى منزلك''

ان کی تواضع کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ میرے ہاتھ میں وہ سبزیاں دیکھ کر جو میں بازار سے ہاتھ میں اٹھا کر لا رہا تھا، بے ساختہ مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ بھائی! یہ سبزیاں میں تمہارے گھر پہونچا دوں گا، مجھے دیدو!

پاکستان کے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی کے وقیع جملے حضرت والاؒ کے سلسلے میں اس طرح نقل کئے ہیں:

''لما كنت طالباسافرت من''كراتشى''الىٰ مدينة ''ديوبند'' مع والدتي فبقيت مدة فى مدينة ديو بند واغتنمت الفرصة وشاركت في دروس الشيخ العلامة نصير أحمدخان في جامعة ديوبند ،فاستفدت منه في''المقامات الحريرية'' و''شرح الكافية لعبد الرحمن الجامي'' وجدته مدرسا ناجحا،ومتمتعا بحسن الخلق و التواضع،وقادرا على افهام الطلاب بطريق سهل .

حضرت مولانا تقی صاحب عثمانی نے حضرتؒ کے ساتھ اپنے تلمیذانہ تعلق کا اشارہ کیا ہے، حضرت تقی صاحب مدظلہٗ کا حضرت والاؒ سے تلمذ اس وقت

رہا جب آپ زمانۂ طالب علمی میں اپنی والدۂ محترمہ کے ساتھ چند دنوں کے لئے دیوبند آئے تھے تو آپ نے فرصت کے لمحات حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کے درس میں حاضری دے کر قیمتی بنائے۔ حضرتؒ سے آپ کا یہ استفادہ وتعلم، مقامات حریریہ اور شرح جامی میں رہا، مولانا تقی عثمانی مدظلہٗ نے آپ کے بارے میں بہت واضح انداز میں یہ بات کہی کہ آپ ایک کامیاب مدرس اور حسن اخلاق اور تواضع سے بہرہ ور انسان تھے، آسان طریقے سے سبق سمجھانے پر آپ قادر تھے۔

آپؒ کے خادم خاص اور راقم کے والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب استاذ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند جب مادر علمی میں طالب علم تھے، غالباً پنجم یا ششم کا سال تھا اس دوران آپ سخت بیمار ہوئے، ایسے بیمار ہوئے کہ اٹھنا بیٹھنا بھی دوبھر ہوگیا۔ خاص تکلیف گلے میں تھی۔ ایسے میں کسی نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کو والد محترم کی اس بیماری کی اطلاع دی۔ آپ اطلاع پاتے ہی دارالعلوم کے اندر مع رکشہ تشریف لائے، اور والد محترم کو اپنے ساتھ رکشہ میں بٹھا کر ڈاکٹر کے یہاں لے گئے۔ ڈاکٹر کی فیس اور دوا کے پیسے بھی خود ادا کئے، اور پھر صحت یاب ہونے تک برابر نگہداشت فرماتے رہے۔ یہ تھا حضرتؒ کا متواضعانہ رویہ، اور آپکا جذبۂ خدمت خلق۔

قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جس وقت آپنے دارالعلوم کے اس وقت کے ایک معمولی طالب علم کے ساتھ یہ عظیم الشان سلوک کیا ہے۔ اسوقت بھی آپ ایشیاء کی سب سے عظیم اور مقتدر دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور نائب مہتمم تھے۔ اس واقعہ نے یہ ثابت کردیا کہ آپ اکابر امت اور اسلاف دیوبند کے سچے جانشین اور ان کی پاکیزہ روایات کے محافظ اور پاسدار اور ان کے علمی وعملی ورثہ کے وارث اور امین تھے۔

خوف وگریہ :

اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف اور پھر اس کی بنیاد پر گریہ وآہ وزاری خداوند قدوس کے نزدیک بڑا محبوب اور اونچا مقام ہے۔ یہ خوف علم ومعرفت سے حاصل ہوتا ہے، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''انما یخشی اللّٰہ من عبا دہ العلماء''

علماء اور دانشمند لوگ ہی خدائے عزوجل سے ڈرتے ہیں، حضور رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''رأس العلم مخافۃ اللّٰہ''

حکمت کی جڑ اللہ کا خوف ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو، آپنے یہ ارشاد فرمایا ''مجھے اپنی عزت کی قسم میں دو خوف اور دو امن ایک بندے میں جمع نہیں کرونگا''، یعنی اگر کوئی شخص مجھ سے دنیا میں ڈریگا تو آخرت میں اس کو بےفکر رکھونگا اور اگر دنیا میں بےفکر رہیگا تو قیامت میں اس کو خوف میں رکھوں گا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ''تم میں سب سے عقل مند وہ ہے جس میں خدا ترسی سب سے زیادہ ہو'' انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت کثیر البکاء تھے۔ روایت ہے کہ آپ خوف الٰہی میں اس قدر روتے تھے کہ آپ کے چہرے پے گوشت باقی نہیں رہا تھا، دانت باہر سے نظر آنے لگے تھے، اس لئے آپ نمدے کے دو ٹکڑے منہ پر باندھ لیتے تا کہ لوگ نہ دیکھ سکیں۔

صحابۂ کرام میں سے حضرت عمر فاروقؓ قرآن کی ایک آیت سن کر گر پڑتے اور بے ہوش ہوجاتے کئی دن تک لوگ آپ کے پاس عیادت کے لئے آتے تھے۔ آپ اس قدر روتے تھے کہ چہرہ پر آنسو کے بہاؤ کی وجہ سے دو کالی لکیریں پڑ گئی تھیں۔ آپ فرماتے تھے کاش! عمر اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہی نہ ہوتا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ آیت ''یوم تبلی السرائر فما له من قوة ولا ناصر'' پر روتے روتے پوری رات گزار دی۔

الغرض خوف وگریہ شریعت میں مطلوب ومحمود اور اسلاف کا محبوب عمل رہا ہے، وہ تمام حضرات رات کو اٹھ کر روتے تھے، اور بہت روتے تھے، اسلاف دیوبند میں بھی تمام حضرات اس صفت سے متصف اور آراستہ تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ دیگر اداؤں کی طرح اس ادا میں بھی اپنے اسلاف کے مکمل پیرو تھے۔ آپؒ پر بھی خوف وگریہ غالب تھا۔ آپ کا یہ رونا کبھی اللہ کی محبت میں ہوتا اور کبھی اللہ کے خوف اور فکر آخرت کے باعث ہوتا۔ کئی مرتبہ دوران سبق سرکار دوعالم کے متعلق کسی خاص واقعہ کے آنے پر بھی بہت روتے۔ جس سے پتہ چلتا کہ عشق الٰہی کے ساتھ عشق رسول بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اپنے اکابر بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے تذکرہ کے وقت بھی اکثر آبدیدہ ہوجاتے۔

سال کے آخر میں ختم بخاری کے موقع پر فارغ ہونے والے طلبہ سے بڑی لجاجت سے معافی مانگتے اور کہتے بھئی! آپ لوگوں کا جیسا حق ادا کرنا تھا نہ کرسکا۔ اس کے لئے میں آپ حضرات سے معافی مانگتا ہوں اس دوران بھی آپ کی آواز بھرّا جاتی اور آپ رونے لگتے۔

والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب استاذ تجوید وقرأت دار العلوم دیوبند جو حضرت والا کے خصوصی خادم بھی تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ہماری فراغت کے سال ختم بخاری کے موقع پر آپ پر گریہ طاری ہوا اور آپنے روتے ہوئے طلبہ سے معافی کی درخواست کی طلبہ خاموش ہوگئے۔ اس پر پھر آپ نے معافی چاہی اور دیر تک خاموش رہے، پھر طلبہ میں سے ایک طالب علم کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضرت سب معاف ہے۔ اور آپ سے بھی درخواست ہے کہ آپ بھی اللہ واسطے ہمارے قصور معاف فرمائیں۔

تعلق مع اللہ :

تمام عبادات کا مقصد اور تمام مجاہدات وریاضات کا حاصل تعلق مع اللہ ہے۔ اس تعلق میں انسان جتنا پختہ ہوگا، اتنا ہی وہ کامل ہوگا۔ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ کو خداوند قدوس کا کامل تعلق حاصل تھا، جس کا اثر یہ تھا کہ آپ پر ہمہ وقت فکر الٰہی اور خوف الٰہی سوار رہتا۔ آپ کے تمام ارشادات اور تمام ملفوظات حتیٰ کہ تمام تفکرات کا حاصل صرف یہ رہتا کہ ذات واحد سے تعلق مضبوط ہو۔ آپنے کئی مرتبہ عصر کے بعد والی مجلس میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی کہ ہر قسم کی پریشانی کا علاج تعلق مع اللہ ہے ایک موقع پر آپ نے فرمایا: آجکل لوگ پریشان ہیں، کوئی کاروبار سے پریشان، کوئی روزی روٹی سے پریشان، کوئی بیماری سے پریشان ہے، کوئی اولاد سے پریشان، کوئی ملکی حالات سے پریشان ہے، کوئی دیگر احوال سے پریشان ہے۔

فرمایا کہ: ہر پریشانی کا علاج تعلق مع اللہ ہے۔ اللہ سے تعلق پیدا کرو اور زبان سے بھی اللہ کا ذکر چلتے پھرتے کرتے رہو۔ آپ نے فرمایا جب کوئی چلتے پھرتے اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا اثر اس کے قلب پر بھی پڑتا ہے اور اس کے احوال میں تبدیلی آتی ہے، اس موقع پر آپنے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: اکابر اور بزرگوں کی صحبت اختیار کرنا بھی بہت ضروری ہے، اس سے تین فائدے حاصل ہوں گے

(۱) ذکر اللہ کی توفیق ہوگی

(۲) آخرت کا استحضار نصیب ہوگا

(۳) دنیا کی بے ثباتی معلوم ہوگی

اور جب یہ فائدے حاصل ہوں گے تو تعلق مع اللہ حاصل ہوجائیگا جو ہر پریشانی کا علاج ہے۔

اعلیٰ ظرفی:

ذات واحد کی صفت فیاضی کی بدولت جہاں بے شمار خوبیاں حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ کو عطا ہوئیں ان میں ایک اہم خوبی آپ کی اعلیٰ ظرفی اور کریم النفسی تھی، اللہ تعالیٰ نے یہ وصف بڑی فیاضی کے ساتھ آپکو عطا کیا تھا۔ اس سلسلے میں بہت سے واقعات میں سے ایک واقعہ قارئین کی

نظر ہے، یہ واقعہ والد محترم حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی یاداشت سے نقل کر کے پیش کیا جارہاہے، آپ لکھتے ہیں کہ:

''ایک روز عصر کے بعد کی مجلس منعقد تھی، حضرت والا بھی حسب معمول رونق افروز تھے۔واضح رہے کہ ان دنوں آپ کافی علیل چل رہے تھے، پیچش کی شکایت تھی، جس کی وجہ سے طبیعت میں بہت نقاہت تھی۔کمزوری آپ کے چہرے بشرے سے ظاہر ہورہی تھی۔اس کے باوجود معمول کے مطابق واردین وحاضرین کے لئے گھر میں چائے کے لئے کہلا دیا، اورخود ہی چائے لانے کے لئے اندر تشریف لے گئے، اندر سے ساتھ میں نمکین لائے اور حاضرین سے کہا کہ آپ نمکین کھائیں! چائے تیار ہوکر آرہی ہے۔حاضرین نے (جن میں بیشتر طلبہ تھے) حضرت کے حکم کی تعمیل کی، سب نے نمکین کھائی مگر ایک طالب علم نے ایک چمچہ نمکین لے کر بجائے کھانے کے جیب میں رکھ لی، کھائی نہیں۔پھر چائے آئی تو تمام حاضرین نے چائے پی۔اور مزے سے پینی شروع کی۔مگر اس طالب علم نے چائے بھی نہیں لی۔استفسار پر معلوم ہوا کہ یہ طالب علم روزہ سے ہے۔اس لئے نمکین بھی کھانے کے بجائے جیب میں رکھ لی۔حضرت نے فرمایا کہ بھئی! نمکین یوں ہی جیب میں ڈال لی، کسی کاغذ وغیرہ میں رکھ لیتے، خیر! ماشاءاللہ آپ روزے سے ہیں؟ بہت اچھا ہے۔اللہ اور ہمت وقوت عطا فرمائے، اس کے بعد آپ خاموشی سے اندرون خانہ تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد اندر سے ایک کور میں کوئی چیز پیک کر کے لائے اور اس طالب علم کو کہا کہ لو افطار کر لینا! وہ طالب علم بہت شرمندہ بھی ہوا اور خوش بھی۔آپ کی شفقتوں اور عنایتوں کی ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سے آپ کی حسن سیرت، حسن اخلاق، اعلیٰ ظرفی وہمدردی اور بلند اخلاقی کا پتہ چلتا ہے۔

اہل علم کی قدر :

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ اعلیٰ درجے کے متواضع اور منکسر المزاج تھے۔آپ کے یہاں بڑوں کی قدر اور اکرام کا معاملہ تو تھا ہی، چھوٹوں کے ساتھ بھی شفقت کے علاوہ اکرام کا معاملہ ہوتا تھا۔اہل علم خصوصاً اساتذۂ علم دین کی آپ کے یہاں بہت قدر تھی، حتیٰ المقدور ان کی آپ ہمت افزائی فرماتے۔اس سلسلے میں آپ کے ایک مخلص اور مجلس نشیں تحریر فرماتے ہیں انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''حضرت کی یہ عادت شریفہ تھی کہ اہل علم کی خصوصاً اساتذۂ علم دین کی بڑی قدر کرتے ہیں، اور حتیٰ المقدور ان کی عزت افزائی فرماتے ہیں، چھوٹوں پر بھی انتہائی شفقت فرماتے ہیں بلکہ بسا اوقات چھوٹوں پر بجائے شفقت کے اکرام کا معاملہ فرماتے ہیں۔آگے لکھتے ہیں:

''دارالعلوم کے اساتذہ جو تقریباً سب ہی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں اور عمر کے لحاظ سے بھی ان میں بعض بہت چھوٹے ہیں تاہم ان میں سے کوئی صاحب جب مجلس میں ملاقات کے لئے آتے ہیں تو ان کا بھی کھڑے ہوکر استقبال فرماتے ہیں، حالانکہ کئی مرتبہ آپکو کھڑے ہونے میں کافی تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے مؤقر استاذ مولانا ومفتی راشد صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے (مفتی صاحب گاہ بگاہ تشریف لاتے تھے) حضرت نے جیسے ہی ان کو دیکھا تو استقبال کے لئے کھڑے ہونے لگے۔مفتی صاحب نے آگے بڑھ کر آپ کو کھڑے ہونے سے روکنا چاہا اور کہا کہ حضرت! آپ تشریف رکھیں۔اس پر حضرت والا نے مسکرا کر فرمایا، مجھے کھڑا تو ہونے دیں! چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور مفتی صاحب سے مصافحہ ملا کر ان کو اپنے سامنے بٹھایا''۔

بلند اخلاقی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں ایک اہم مقصد تزکیۂ اخلاق یعنی لوگوں کو عمدہ اخلاق اور پاکیزہ اوصاف سے آراستہ کرنا بھی ہے۔اس کے لئے معلم اخلاق کو خالق اخلاق نے سب سے عمدہ اخلاق وصفات سے براہ راست آراستہ کر کے اس کو قیامت آنے والے تمام انسانوں کے لئے نمونہ بنا کر پیش کیا۔اسی کے ساتھ ان کے عمدہ اخلاق کی گواہی بھی ان الفاظ میں دی '' **وانك لعلیٰ خلق عظیم**''اور بیشک آپ اعلیٰ اخلاق پر فائز ہیں۔

امت محمدیہ کو حکم دیا گیا کہ ''**لقد کا ن لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ**'' کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ان آیات کے پیش نظر ہم سب پر اخلاق رذیلہ سے چھٹکارا پانا اور اخلاق حمیدہ سے متصف ہونا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں بھی یہی پیغام اس طرح دیا گیا ہے کہ "تخلقوا باخلاق اللّٰہ" اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین کرو! ایک حدیث میں اخلاق حمیدہ کو ایمان لانے کے بعد تمام اعمال پر فضیلت دی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: "اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقاً" ایمان والوں میں سب سے کامل وہ ہے جو اخلاق میں اعلیٰ ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے "الدین النصیحۃ" دین سراسر خیر خواہی ہے۔ لہٰذا مومن کسی کا بدخواہ نہیں ہوسکتا۔ ہر شخص پر بالخصوص دینداروں پر دوسروں کو فائدہ پہونچانا ضروری ہے۔ خواہ دین کا ہو یا دنیا کا۔ ایمان لانے کے بعد افضل ترین نیکی مخلوق کو فائدہ پہونچانا ہے اس کے برخلاف بداخلاقی بڑا گناہ ہے۔ اس سے نہ خالق خوش ہوتا ہے نہ مخلوق۔

مشائخ کرام نے درج ذیل دس باتوں کو اخلاق حسنہ کی علامت قرار دیا ہے۔

(۱) لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا۔

(۲) لوگوں کی غم خواری کرنا۔

(۳) حاجت مندوں کے کام آنا۔

(۴) لوگوں کے اچھے کاموں کی مخالفت نہ کرنا۔

(۵) عیب جوئی وعیب گوئی سے بچنا۔

(۶) اپنے عیوب پر نظر رکھنا۔

(۷) کوئی مذمت کرے تو نیک تاویل نکالنا۔

(۸) گنہگار کی معذرت قبول کرنا۔

(۹) میانہ روی اختیار کرنا۔

(۱۰) لایعنی چیزوں سے پرہیز کرنا۔

علماء نے لکھا ہے کہ بیماریوں میں سب سے بری دل کی بیماری اور دل کی بیماریوں میں سب سے بری دل آزاری ہے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ کا قول ہے: جس نے کوئی رات اور دن مومن کو تکلیف دئے بغیر گذارا، اس نے وہ رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بسر کی۔ ایسے تمام اخلاق حمیدہ کے عملی پیکر اور جامع محاسن اور مجموعۂ کمالات تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ قدرت نے آپ کو خلق محمدی سے نوازا تھا۔

بے شمار لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ جس سے ملتے بشاشت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ لوگوں کی غمخواری اور حاجتمندوں کی حاجت برآری آپ کا شیوہ تھا۔ اسی طرح آپ کے معاصرین، تلامذہ یا دیگر علماء کی طرف سے کوئی بھی اچھا کام ہوتا تو آپ کی طرف سے اس کی مخالفت نہ سنی گئی نہ دیکھی گئی۔ عیب جوئی، عیب گوئی سے ہمیشہ دور رہے، کسی کی ٹوہ میں کبھی نہیں رہے۔ اور تو اور کبھی آپ کی مذمت کی گئی یا آپ کے سامنے کسی کی مذمت کی گئی تو آپ نے ہمیشہ اس کی نیک تاویل نکالی۔ اعتدال اور میانہ روی آپ کی فطرت تھی۔ وقار، سنجیدگی اور لایعنی سے پرہیز کے اسباق آپ کو دیکھ کر سیکھے جاتے تھے۔

بلند اخلاقی کا ایک اور واقعہ:

آپ کی بلند اخلاقی اور اعلیٰ ظرفی کا ایک واقعہ آپ کے صاحبزادۂ محترم جناب حافظ ضمیر احمد صاحب نے سنایا کہ: ایک مرتبہ آپ نے گھر کے بازو میں واقع "لال مسجد" کے امام صاحب کو اس بات پر ڈانٹ دیا کہ تم سلام پھیرنے کے وقت "سلام علیکم" کہتے ہو۔ "السلام علیکم" نہیں کہتے۔ شروع کا ہمزہ ادا نہیں کرتے۔ صحیح ادا کرنا چاہئے۔ آپ نے ڈانٹتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر تم سے ٹھیک ادا نہیں ہوتا ہے تو تم کھڑے مت ہوا کرو! کیا ضرورت ہے تمہارے

نماز پڑھانے کی؟ امام صاحب کی سعادت مندی تھی کہ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموش رہے۔ امام صاحب محلّہ ہی کے باشندے تھے اور نو عمر بھی۔ آپ ڈانٹ ڈپٹ کر کے مسجد سے گھر آئے، ابھی گھر میں داخل نہیں ہوئے تھے، باہر ہی بیٹھک کے سامنے کھڑے تھے کہ بھائی ضمیر صاحب (صاحبزادۂ محترم) نے کہا: ابا جان! میں نماز میں حاضر تھا، میں نے امام صاحب کا سلام خود سنا ان کا تلفظ بالکل صحیح تھا۔ آپ کی سمجھ میں نہیں آیا ہوگا۔ آخر عمر میں آپ کو ثقل سماعت کا مرض ہو گیا تھا، اس لئے آپ پورا تلفظ سن نہ سکے۔ خیر! بھائی ضمیر صاحب کی بات سن کر آپ وہیں گھر سے باہر ہی رک گئے، اندر نہیں گئے۔ آپ نے امام صاحب کو بلایا اور ان سے کھلے لفظوں میں معافی مانگی۔ آپ نے صاف کہا کہ بھائی میں سن نہیں سکا تھا، غلط فہمی میں آپ کو ڈانٹ دیا، مجھے معاف کر دو! اس پر امام صاحب بڑے شرمندہ ہوئے اور حیرت زدہ ہوئے کہ ایک ایسا عظیم انسان ایک ادنیٰ طالب علم سے اس طرح معافی مانگ رہا ہے۔ وہ خاموش ہو گئے تو اس پر حضرت نے پھر کہا کہ بھائی معاف کر دو! بالآخر جب انہوں نے کہا کہ حضرت میں نے معاف کیا تو اسوقت آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ حضرتؒ نے پوری زندگی اس طرح گذاری کہ آپ نے کبھی بھی دوسرے کو تکلیف دینا پسند نہیں کیا۔ اگر آپ کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ مخاطب کو میری بات سے تکلیف ہو رہی ہے تو آپ فوراً معذرت چاہتے تھے۔

عالمانہ وقار:

علماء کے لئے اعلیٰ وقار کے ساتھ زندگی گذارنا بہت ضروری ہے، اس لئے کہ وقار نہ ہونے سے وقعت ہی رخصت ہو جاتی ہے۔ علمائے سلف میں علمی وقار کی حفاظت کا بہت اہتمام رہا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر اہل علم اپنے علم کے وقار کو بچا کر رکھیں تو ساری دنیا کی سرداری انہیں اس علم کی وجہ سے نصیب ہوگی لیکن وہ اہل دنیا سے مال و دولت کے حصول کے لئے اپنے علم کو استعمال کرتے ہیں، جس کی وجہ سے دنیا والوں کی نگاہوں میں ان کا مرتبہ گر جاتا ہے''

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی ایک موقع پر اسی طرح کی بات ارشاد فرمائی۔ انہوں نے فرمایا کہ:

''اگر حاملین علوم نبوت علم کے تقاضوں کو بجالائیں تو اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور نیک لوگوں کے محبوب بن جائیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی دھاک بیٹھ جائے''

مگر افسوس یہ ہے کہ یہ علماء اپنے علم سے صرف دنیا طلب کر رہے ہیں جس کی بنا پر نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نظر میں ناپسند قرار پاتے ہیں بلکہ لوگوں کی نظروں سے بھی گر جاتے ہیں، دیکھنے میں بھی یہی آیا ہے کہ عزت و احترام انہیں علماء کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے اعلیٰ وقار کی حفاظت کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ اس صفت میں بھی اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ بہت ہی باوقار اور صاحب وجاہت عالم تھے۔ کئی اہل علم کی شہادت کے مطابق آپ اپنے زمانے میں اعلیٰ درجے کے صاحب وقار عالم دین تھے۔ آپ کی پوری زندگی اور زندگی کے تمام شعبے عالمانہ وقار کے آئینہ دار تھے۔ آپ کا طرز زندگی، آپ کی معاشرت، آپ کے معاملات، آپسی روابط، گفتگو، تقریر، درس، نشست و برخاست حتیٰ کہ آپ کی چال ورفتار سب میں وقار تھا۔ ایک موقع پر احقر حضرت والا قدس سرہٗ کو دارالعلوم دیوبند میں درس کے لئے بلانے گیا، اس وقت حضرت والا پر ضعف و نقاہت کا کافی اثر تھا، اسلئے آپ رکشے میں تشریف لاتے تھے۔ میں نے آپ کو سائیکل رکشہ میں سوار کرا دیا اور پیچھے رکشے کا ساتھ دینے کے واسطے دوڑتا ہوا چلا۔ آپ نے جیسے ہی محسوس کیا کہ میں رکشے کے پیچھے دوڑتا ہوا آرہا ہوں۔ تو زور سے فرمایا کہ ''مولوی صاحب!!! اس طرح دوڑتے ہوئے نہ آوٗ! یہ عالمانہ وقار کے خلاف ہے''۔

آپ جب صدر دروازے سے دارالحدیث کی جانب درس کے لئے تشریف لاتے تو آپ کی باوقار رفتار ہی سے آپ کی عظمت کا اندازہ ہوتا تھا۔ آپ کا ہر قدم برابر رکھا جاتا، اسی طرح آپ کے عصا اٹھانے کا انداز بھی بڑا خوبصورت اور انوکھا تھا، ایسا لگتا تھا کہ اس کی آپ نے باقاعدہ مشق کی ہے، لیکن ایسا نہیں تھا۔ قدرت نے آپ کی فطرت ہی میں اعتدال، توازن اور وقار و سنجیدگی کو رکھا تھا۔ آپ کے عالمانہ وقار ہی کی بات تھی کہ آپ بہت سے نفع

بخش اسفار کی دعوت بڑی بے نیازی سے ردفرمادیا کرتے تھے۔آپ کے سینکڑوں تلامذہ بیرون ممالک میں ہیں،ان میں سے بعض بہت اصرار کے ساتھ آپ کو بلانا چاہتے مگر آپ کتاب اور تعلیم کے حرج کا عذر فرمادیتے۔

آپؒ نے اپنے علمی وقار اور شخصیت کے جاہ وجلال کو اس طرح بھی باقی رکھا کہ آپ کبھی کسی کی ڈیوڑھی پر قدم نہیں رکھتے تھے۔مدرسہ،گھر،مسجد یہ تین جگہیں تھیں،جو آپ کی تمام تر توجہات اور دلچسپیوں کا مرکز تھیں۔

زهد واستغناء:

زہد واستغناء شریعت کی نگاہ میں مطلوب بھی ہے اور محبوب بھی۔خود فخر موجودات سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم زہد واستغناء کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔اگر آپ چاہتے تو اپنے لئے دنیا کی ہر زیب وزینت جمع فرمالیتے،لیکن آپ نے اپنے لئے زہد کو پسند فرمایا۔حضرت سہل ابن ساعدیؓ کی روایت ہے کہ:

’’ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے! جو مجھے اللہ تعالیٰ اور لوگوں میں محبوب ومقبول بنادے،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’**ازهد فی الدنیا یحبك الله وازهد فی ما فی ایدی الناس یحبك الناس**‘‘ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرلو!اللہ تعالیٰ تمھیں محبوب بنالے گا اور لوگوں کے مال ودولت سے نظریں پھیرلو تو لوگوں کی نگاہ میں محبوب بن جاؤ گے۔

یہ حقیقت اور واقعہ ہے کہ زہد سے متصف ہوئے بغیر لوگوں کے قلوب متوجہ نہیں ہوتے،جہاں ذرا سا لالچ کا شبہ ہوا دینی منصب کی عزت داغدار ہو جاتی ہے جب کہ زہد واستغناء سے لوگوں کے دل متوجہ ہوتے ہیں اور دنیا بھی قدموں میں آکر گرتی ہے۔

ہمارے ممدوح حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ دیگر اسلاف دیوبند کی طرح زہد واستغناء سے بدرجۂ کمال متصف وآراستہ تھے۔آپ نے پوری زندگی زہد واستغناء کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔آپ زاہدین اور متوکلین سے محبت رکھتے،اسی کے ساتھ خود بھی زہد وتوکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

دار العلوم دیوبند کے مؤقر استاذ محترم حضرت مولانا محمد ساجد صاحب قاسمی زیدمجدہٗ نے اپنے عربی مضمون میں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کی سب سے بڑی خصوصیت قناعت اور زہد کو شمار کرایا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

’’**أكبر مزاياه وأعظمها في نظري هو قناعته وبعده عن المال والمادة،ونأي الجانب عن كل ما يسيئ الی الناس،واحتفاظه بحياته**

الروتينيةالتی لم يجدعنهاقيدأنملة مدی عمره‘‘

آپ کی سب سے بڑی خوبی وخصوصیت میری نگا میں وہ آپ کی قناعت،مال ومنال سے دوری،اور لوگوں کی نگاہ میں برا بنادینے والی چیزوں سے کنارہ کشی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کی پوری زندگی زہد واستغناء کے ساتھ گذری ہے۔حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کا جب دار العلوم دیوبند تقرر ہوا ہے تو اس وقت آپ کی تنخواہ بہت قلیل تھی،پھر اخیر تک بھی آپ کے اخراجات کے حساب سے کم ہی رہی مگر سب جانتے ہیں کہ حضرت اسی معمولی تنخواہ میں اپنی اور اپنے اہل کی کفالت کرتے رہے۔ایک زمانے میں آپ دار العلوم دیوبند کے سب سے معزز عہدے پر فائز ہوگئے تھے۔پوری دنیا میں چاروں طرف آپکے شاگردگان خوشحال پھیلے ہوئے تھے۔ایسی صورت میں آپ چاہتے تو کئی طرح سے مال ودولت کا ڈھیر لگا سکتے تھے مگر آپ نے ہر حال میں زاہدانہ زندگی کو ترجیح دی اور مال ودولت کی طمع کو کبھی قریب پھٹکنے نہیں دیا۔

سخاوت اور مہمان نوازی :

دنیا سے بے رغبتی اور استغناء کا حیرت ناک فطری اثر سخاوت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو شخص جتنا بڑا زاہد اور مستغنی ہوگا اتنا ہی وہ سخاوت کرنے والا ہوگا۔ احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''سخی شخص اللہ سے قریب ہوتا ہے، جنت سے قریب ہوتا ہے، لوگوں سے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے۔ اس کے برخلاف بخیل شخص اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔ اور بے علم سخی اللہ کے نزدیک بخیل عبادت گذار سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت اور دریا دلی میں سب پر فائق تھے۔ آپ سے بڑا سخی آج تک کوئی نہیں ہوا۔ آپ کی سخاوت فیض پہونچانے والی تیز رو ہواؤں سے زیادہ تھی آپ کے بعد آپ کے صحابہ میں بھی سخاوت کا عنصر بہت غالب تھا۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا، مہمانوں کی ضیافت، صلہ رحمی میں خرچ کرنا ان کی عادت بن گئی تھی۔

ٹھیک اسی طرح اکابر امت، بزگان دین، فقہاء و محدثین اور اخیر میں علمائے دیو بند وصف سخاوت اور مہمان نوازی میں بہت ممتاز رہے ہیں۔ اکابر امت کے اس مبارک سلسلوں کی زریں کڑی حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ ہیں، اس لئے آپ میں بھی وصف سخاوت خصوصی طور پر نمایاں تھا۔ آپ کی سخاوت اور مہمان نوازی کے واقعات اور مثالیں بے شمار ہیں، سب کا احاطہ دشوار ہے، اسلئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) آپ کے یہاں کئی نادر طلبہ کی کفالت کا مستقل کا معمول تھا، بالخصوص بنگال کے طلبہ آپ کے خدام رہتے۔ ان کی دیکھ ریکھ، کھانے پینے کا نظام اور ان کی تمام ضروریات کا تکفل آپ اپنے ذمہ رکھتے تھے۔ ایسے ہی ایک طالب علم ''عارف اللہ'' نام کے آپ کی خدمت میں رہتے تھے، بہت غبی تھے۔ اس لئے دار العلوم دیو بند میں داخلہ نہ ہوسکا۔ حضرت والا قدس سرہٗ نے کہیں سے سفارش کروا کر داخلہ کروایا۔ عارف اللہ کا داخلہ ہوگیا اور دار العلوم میں پڑھتے رہے مگر برابر حضرت والا قدس سرہٗ کی خدمت میں بھی مشغول رہے؛ چونکہ بہت نادار تھے اس لئے حضرت والا قدس سرہٗ کے مراحم خسروانہ سے برابر مستفیض ہوتے رہے، ایک موقع پر انہوں نے حضرت والاؒ سے کہا کہ: حضرت! بہن کی شادی فلاں تاریخ کو طے ہوگئی ہے، دعا کی درخواست ہے۔ اس پر حضرت والا قدس سرہٗ نے ایک خطیر رقم شادی کے اخراجات کے لئے ان کے حوالے کی اور پھر دس بارہ جوڑے ان کی ہمشیرہ، والدہ اور دیگر رشتہ داروں کے واسطے تیار کروا کر دئے۔ حضرت والا کی اس عنایت پر عارف اللہ خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔

(۲) بنگال کے رہنے والے مولانا شوکت صاحب بھی آپ کے الطاف وعنایات کے خصوصی مورد رہے۔ موصوف دار العلوم میں تعلیم جاری رکھتے ہوئے حضرت والا قدس سرہٗ کی خدمت میں برابر مشغول رہے۔ حضرت والاؒ نے ان کے دیو بند میں رہنے تک ان کی تمام ضروریات کا بڑی توجہ کے ساتھ خیال رکھا اور پھر جب وہ دار العلوم سے فراغت کے بعد اپنے وطن چلے گئے اور ان کو ضرورت معاش کے لئے کاروبار کی ضروت ہوئی تو حضرت والا قدس سرہٗ نے ان کو تجارت اور دکان چلانے کے لئے مکمل مالی تعاون فراہم کیا۔

(۳) حضرتؒ کا تعلق خوشحال اور رئیس گھرانے سے تھا اس لئے پُرکھوں سے ایک بڑی جائیداد آپ کے حصے میں بھی آئی تھی، جائداد میں ایک بہت بڑا حصہ کاشت کی زمینوں کا تھا، اسکی مکمل دیکھ ریکھ ملازمین کے ہاتھوں میں تھی۔ ادھر حضرت والا تعلیم و تعلم میں ایسے مشغول ہوئے کہ زمین کی طرف سے دھیان ہی بٹ گیا۔ ملازمین و کام کرنے والا یہ طبقہ بلا شرکت غیر تمام محصول اور محصود کا مالک بنا رہا۔ وفات کے چند سال قبل ان لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا ہوا اور ان زمینوں کا معاملہ صاف کرنے کے لئے حضرت والا قدس سرہٗ کی خدمت میں دیو بند آئے۔ حضرت والاؒ نے ان حضرات کی بہت مدارات کی اور آنے کی غرض معلوم کی۔ ان حضرات نے بتایا کہ حضرت! آپ کی زمین ہمارے پاس ہے۔ ایک عرصے سے ہم اسے استعمال کررہے ہیں اسلئے اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ یہ زمین ہم کو باقاعدگی سے عنایت فرما کر اس کی قیمت وصول کرلیں! حضرت والا نے جواب میں کہا کہ بھئی وہ تو سب تمہاری ہے۔ مجھے اب واپس نہیں لینی ہے اور نہ ہی اس کی قیمت لینی ہے، اس طرح سے آپ نے پرکھوں سے ملی لاکھوں کی جائداد بلا کسی معاوضہ کے ان

حضرات کو ہبہ کردی۔ ایسی سخاوت اور دریا دلی کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔

(۴) مہمان نوازی اور ضیافت والی صفت آپ کو اپنے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے ورثہ میں ملی تھی۔ آپ کے یہاں کثرت سے مہمان آتے، ان کی اعلیٰ درجے کی ضیافت اور مراتب کے لحاظ سے ان کا اکرام روزمرہ کا معمول تھا۔ عصر کے بعد آپ کی مجلس میں بعض اساتذۂ دار العلوم دیو بند اور کئی طلبہ حاضر رہتے، انکی تعداد کم وبیش ہوتی۔ عام طور سے یہ حاضرین دس یا بارہ کی تعداد میں ہوتے تھے۔ آپؒ ان سب کو روز چائے پلاتے تھے اور اکثر چائے کے ساتھ بطور تفکہ کھانے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہوتی تھی۔ مشاہدہ ہے کہ آپ بہت ہی بشاشت اور اکرام کے ساتھ کھلاتے پلاتے تھے۔

ایک مرتبہ کوئمبتور (تملناڈو) سے آئے ہوئے چند مہمانوں کو آپ نے رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ میں ان مہمانوں کو آپ کے گھر چھوڑنے کے لئے گیا تو آپ نے مجھے بھی روک لیا، میں نے دیکھا کہ اپنے لئے زہد کو پسند کرنے والے انسان کا دستر خوان مہمانوں کے لئے نوع بنوع کھانوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس موقع پر مہمانوں کے اکرام کے لئے تواضع کا جو انداز آپ نے اختیار کیا، آنکھیں دوسری جگہ یہ انداز دیکھنے سے آج تک قاصر ہیں۔

معاصرین کے ساتھ :

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ کے حصے میں تعلیم وتدریس کے لئے جو زمانہ اور جو ادارہ آیا وہ ان نامور علماء ومحدثین سے معمور تھا، جو خود مرجع علماء اور مرکز علم وعمل تھے، ایسی حالت میں سب سے نیاز مندانہ ومخلصانہ تعلقات قائم رکھنا اور سب کی نظر میں وقیع ومقبول اور معتمد علیہ ہونا بڑا مشکل کام ہے۔ یہ بلند درجے کے اخلاص للّٰہیت اور بے نفسی نیز منجانب اللہ مقبولت، کمال ذاتی، تواضع وعاجزی، استقامت اور جامعیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بزرگان دین میں سے ایک بزرگ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی ایک حکایت اکثر بزرگان دین اور مشائخ نسبت کے تذکروں میں دہرائی گئی ہے، جو درحقیقت ایک بڑی حقیقت کی بڑی لطیف تعبیر ہے۔

اس حکایت کا حاصل یہ ہے کہ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ جب اپنے شیخ کے حکم سے یا اشارۂ غیبی سے علاقۂ ملتان میں تشریف لائے اور وہاں قیام کا فیصلہ کیا تو وہاں پہلے سے ایک بزرگ موجود تھے، جن کی دینی واصلاحی خدمات کا سلسلہ پورے علاقے میں جاری وساری تھا انہوں نے پانی کا ایک بھرا ہوا پیالہ ان نو وارد بزرگ کی خدمت میں بھیجا۔ اشارہ تھا کہ پیالہ لبالب اور بھرا ہوا ہے اس میں اب کسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔ یعنی میں اس علاقے میں موجود ہوں خدمت کررہا ہوں، لوگوں کو فیض پہنچا رہا ہوں، آپ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ دوسری جگہ کام کریں!

ان نو وارد بزرگ نے اس میں ایک گلاب کا پھول ڈال دیا، اشارہ تھا کہ میں اس طرح سے رہوں گا کہ جیسے پھول پانی پر تیرتا ہے اس کا کوئی وزن محسوس نہیں کیا جاتا، یعنی میں پھول بن کر آیا ہوں، بھرے پیالے میں جس طرح پھول آسکتا ہے اسی طرح بن کر رہنا چاہتا ہوں اور جس طرح بھرے پیالے میں پھول سے خوشبو ہوگی مجھ سے بھی خوشبو ہی پھیلے گی، بےفکر رہئے اور کام کیجئے! یہ اور اس طرح کی مثالیں اس وقت وجود میں آتی ہیں جب معاصرین میں ہر ایک بےنفس اور روشن ضمیر ہو۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ نے اس نازک مرحلہ کو بڑی کامیابی کے ساتھ طے کیا، آپ تمام معاصر اساتذہ اور مشائخ حدیث کا بہت ہی عقیدت واحترام کے ساتھ ذکر فرماتے تھے بلکہ بعض تو ان میں سے آپ سے چھوٹے تھے مگر اللہ رے! آپ کی تواضع، بےنفسی، عاجزی اور کسر نفسی کو کیا کہئے۔ یہ اس حد تک کو پہونچی ہوئی تھی کہ آپ ان کو بھی بڑوں کی طرح بلند الفاظ سے یاد فرماتے۔

آپ کے معاصر اساطین علم میں مظاہر العلوم سہارنپور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم خلیفہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ کے تعلق سے آپ ہمیشہ عمدہ خیالات کا اظہار فرماتے، آپ ان کی علمی صلاحیت اور بزرگی کے معترف تھے، والد محترم حضرت قاری شفیق الرحمٰن صاحب استاذ تجوید وقرأت دار العلوم دیو بند سے اصرار کے ساتھ کہا کہ آپ سہارنپور جاؤ! اور مولانا محمد یونس صاحب سے اصلاحی تعلق قائم کرو! ان کا

وجوداس وقت غنیمت ہے۔

ایک مرتبہ عصر کے بعد والی مجلس میں آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ: حضرت مہتمم صاحب (مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب) تشریف لے آئے؟ اس دوران حضرت مہتمم صاحب کئی دنوں سے اپنے وطن میں تھے طلبہ نے بتایا کہ، حضرت مہتمم صاحب بھی تشریف لے آئے اور کارگذار مہتمم حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب بھی تشریف لے آئے۔اس پر تھوڑی دیر توقف کے بعد یہ بات ارشادفرمائی کہ: ہاں بھائی! دونوں بزرگوں کی بڑی قربانیاں ہیں۔دونوں حسبۃً للہ کام کرر ہے ہیں۔مولانا خاموش صاحب خود ایک ادارہ کے ذمہ دار ہیں اس کی ذمہ داریاں بھی کم نہیں ہیں۔ان کو بھی نبھاتے ہیں اوران کے ساتھ دارالعلوم کے لئے بھی وقت دیتے ہیں، دور سے آتے ہیں، سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں اور پھر یہاں قیام کے دوران بھی کوئی راحت وآرام کا خاص خیال نہیں۔ بلا معاوضہ خدمت کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے (آمین) بڑے شریف آدمی ہیں اور پھر فرمایا کہ: حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی بھی بڑی قربانیاں ہیں۔دارالعلوم سے کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں کرتے ، اپنے اخراجات اپنے ذمہ رکھتے ہیں۔کھانے کا نظم بھی خود اپنا ہوتا ہے اور وہ بھی طالبعلمانہ۔اس میں کوئی خاص اہتمام نہیں، جبکہ وہ تو گھر کے رئیس ہیں، مگر ساری راحت وآرام چھوڑ کر بے آرامی کی زندگی گذارتے ہیں۔اس وقت ۹۶/۹۵ رسال کی عمر میں چل رہے ہیں، اس وقت آدمی صرف اپنے آرام کی سوچتا ہے مگر وہ ادارے سے اپنے آپ کو لگائے ہوئے ہیں۔فرمایا کہ: بہت غنیمت ہے۔نہ جانے ان کے بعد ادارے کو ایسا مہتمم ملے گا یا نہیں، ان کی قدر کرنی چاہئے

حضرت مولاناؒ نے ایک دوسرے موقع پر حضرت مہتمم صاحبؒ کے بارے میں فرمایا تھا کہ: حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کو لوگ ان کے مرنے کے بعد روئے، ان کی قدر وفات کے بعد ہوئی مگر دیکھنا مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو لوگ زندگی میں روئیں گے، اب ان جیسا مخلص مہتمم دارالعلوم کو ملنا مشکل ہے، فرمایا کہ: اگر چہ میرے ساتھ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کا جو معاملہ تھا وہ معاملہ میرے ساتھ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا نہیں رہا ہے، مگر میں پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ اب ان جیسا مہتمم دارالعلوم کو مشکل سے ملے گا، وہ ایک طرف تو ایک امیر اور رئیس آدمی ہیں دوسری طرف انتہائی سنجیدہ اور مخلص بھی۔متواضع اور منکسر المزاج بھی ہیں اور ساتھ ہی انتہائی ہوشمند اور بیدار مغز، اور دور اندیش بھی ہیں۔وہ مدبر بھی اعلیٰ درجے کے ہیں، اللہ ان کی عمر میں برکت نصیب فرمائے اور ان کے سایہ کو دیر تک قائم رکھے (آمین)

(راوی: حضرت قاری شفیق الرحمٰن صاحب مدظلہٗ)

صبر واستقامت:

مصائب پر صبر اور استقامت، اولوالعزم، روشن ضمیر انسانوں کا شیوہ رہا ہے۔ایسے پاک طینت اور قدسی صفات حضرات ہر دور میں رہے ہیں، ان میں سے جو جتنا مقبول بارگاہ الٰہی ہوا، اتنا ہی حالات سے دوچار ہوا، مگر یہ واضح رہے کہ ان حضرت پر اگر حالات ومصائب آئے ہیں تو محض ابتلاء وآزمائش کے طور پر، اسی لئے حالات آنے پر جب ان حضرات نے صبر واستقامت سے کام لیا تو ان کے درجات بلند ہوئے اور ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔

صبر کی فضیلت شریعت میں کس قدر ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ستر سے زیادہ مقامات پر اس کا ذکر فرمایا ہے۔اور تقرب کا جو سب سے بڑا ذریعہ ہے اس کو صبر پر ہی موقوف رکھا ہے، یہاں تک کہ راہ دین کی امامت اور سرداری کو بھی صبر ہی پر مبنی قرار دیا ہے۔اللہ پاک کا ارشاد ہے:

"وجعلنا منهم ائمة يهدون"

ایک جگہ صابرین کے لئے بے شمار اجر اور بے حساب ثواب کا وعدہ فرمایا اور کہا:

"انما يوفى الصابرون اجرهم بغير حساب"

صبر کرنے والوں کو بلا حساب کے پورا پورا اجر ملے گا۔

ایک جگہ صابرین کے لئے معیت کا مژدہ سنایا:

''ان اللّٰہ مع الصابرین ''

بلاشک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

ایک آیت کریمہ میں صبر کرنے والوں کے لئے درود و رحمت اور ہدایت، تینوں نعمتیں ایک ساتھ حاصل ہونے کی بشارت سنائی۔فرمایا:

''اولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة واولئك هم المهتدون ''

یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ و درود ہے اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

ایک موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے''

مزید ارشاد فرمایا کہ:

''اگر آدمی کو صبر ہوتا تو سخی جواں مرد ہوتا'' اور فرمایا کہ: حق تعالیٰ صابرین کو دوست رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ: تو میرے اخلاق کی پیروی کر اور میرے اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ میں ''صبور'' یعنی صبر والا ہو۔

(کیمیائے سعادت مترجم، صفحہ:۷۳۱)

ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے نعمتوں پر شکر اور بلایا پر صبر کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔امام غزالی نے اس حدیث کو'' کیمیائے سعادت'' میں نقل کیا ہے۔جس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی ایک جماعت کو دیکھ کر دریافت فرمایا: کیا تم ایمان لائے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اس کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم خدائی نعمت پر شکر کرتے ہیں اور مصیبت اور بلا میں صبر کرتے ہیں اور تقدیر پر راضی رہتے ہیں۔

فرمایا کہ: خدا کی قسم تم سچے مومن ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد حضرت علی کا ایک فرمان نقل کیا ہے:

''حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ صبر و ایمان کا تعلق ایسا ہے جیسا سر کا جسم کے ساتھ، جس کا سر نہ ہو اس کا جسم بھی باقی نہیں رہے گا۔اسی طرح جس میں صبر نہیں ہے اس میں ایمان نہیں ہے''

سب سے زیادہ تکلیف اللہ کو دی جاتی ہے اس لئے سب سے بڑے صابر بھی اللہ ہی ہیں **''ما أحد اصبر علىٰ أذًى يسمعه من اللّٰه يدعون له الولد ثم يعافيهم ويرزقهم''** (متفق علیہ)

اذیتوں پر اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں۔لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں مگر وہ پھر بھی ان کو عافیت دیتا ہے اور رزق عطا کرتا ہے۔

اللہ رب العزت کے بعد بڑے صابر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ان میں بھی زیادہ اذیتوں اور تکالیف کا سامنا خاتم النبیین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا۔آپ نے ارشاد فرمایا: **''ولقد أوذيت فى اللّٰه ما أوذى أحد ''** اللہ کی راہ میں جتنی تکلیف مجھے دی گئی دوسروں کو نہیں دی گئیں۔حضرات انبیاء کے بعد یہ سلسلہ مقربین اور مقبولین کے ساتھ چلتا رہا اور قیامت تک چلتا رہیگا۔

'' اشد الناس بلاء الانبياء ثم الامثل فالامثل ''

لاریب! حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ بھی اللہ کے مقبول بندوں میں سے تھے، اس لئے ان کے حصے میں بھی کئی طرح کے

مصائب اور حادثات آئے لیکن جبین صبر و استقلال پر کبھی شکن نہیں آئی۔ زندگی کا سب سے پہلا حادثہ اس وقت پیش آیا جب آپ کی عمر صرف چار سال کی تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور آپ ہمیشہ کے لئے یتیم ہو گئے۔ پھر والدۂ محترمہ (جنھوں نے ماں باپ دونوں کا پیار آپ کو دیا) ۱۴؍ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ مطابق ۸؍ نومبر ۱۹۳۸ء کو دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ کر گئیں۔

اس حادثۂ جانکاہ کا آپ پر بہت گہرا اثر ہوا، مگر اس موقع پر جس قسم کے صبر کا اظہار آپ سے ہوا، وہ قابل تقلید تھا۔ آپ کی زندگی کا ایک بڑا حادثہ جس سے آپ غیر معمولی طور پر متأثر ہوئے، آپ کے استاذ محترم خصوصی و مربی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات تھی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ کے نزدیک سب سے عظیم اور محبوب ذات تھی۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی عقیدت بچپن ہی سے مولانا مرحوم کے دل میں راسخ تھی، اس لئے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں پہونچ کر شرف تلمذ کی دعا بھی بچپن ہی میں مانگی تھی جو قبول ہوئی۔ پھر جب دیوبند آئے تو حضرت مدنی قدس سرہٗ کے الطاف وعنایات کے خصوصی مورد رہے۔ حتیٰ کہ دارالعلوم میں تقرر کا سبب بھی حضرت مدنی قدس سرہٗ کی ذات گرامی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مدنی قدس سرہٗ ۱۹۵۷ء کو رحلت فرما گئے تو آپ کو بے انتہا رنج ہوا۔ اس حادثۂ فاجعہ سے آپ اتنے متأثر ہوئے کہ اس کے اثرات آپ کی طبیعت اور آپ کے چہرہ بشرہ سے ظاہر ہوتے تھے، مگر چونکہ صبر و استقامت (کا درس) آپ نے انہیں استاذ محترم سے حاصل کیا تھا، اس لئے آپ کے پائے ثبات میں ذرا جنبش نہ آئی بے صبری کا کسی بھی طرح کا اثر آپ پر نہ دیکھا جا سکا۔

ایک بڑا المناک حادثہ جس سے مضبوط سے مضبوط تر لوگوں کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے مضبوط قوت رکھنے والے ضعف واضمحلال کا شکار ہو جاتے ہیں، اطاعت گزار اور وفا شعار رفیقۂ حیات کا دنیوی زندگی کو الوداع کہنا ہے۔ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ کی رفیقۂ حیات بہت ہی نیک، صالحہ، عابدہ، اطاعت گذار اور وفا شعار خاتون تھیں۔ ان کا اسم گرامی جناب ''بیگم صاحبہ'' تھا۔ حضرت والاؒ کے ساتھ ان کی رفاقت کا عرصہ تقریباً بیس سال رہا۔

۱۷؍ نومبر ۱۹۶۷ء میں دیوبند میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کے بطن سے پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ محترمہ بیگم صاحبہ (اہلیہ حضرت والاؒ) کی رحلت حضرت والاؒ کے لئے بڑا المناک اور جانگداز حادثہ تھا، اس لئے بھی یہ حادثہ بہت شدید تھا کیونکہ آپ پڑھنے پڑھانے والے آدمی تھے۔ رات دن کتابوں کا مطالعہ، علم کے حصول اور نئی نئی تحقیقات پر اطلاع حاصل کرنے کا جذبہ اور دھن نیز درس کی گتھیوں کو سلجھانے اور مشکل ومغلق مقامات کے حل اور آسان بنا کر طلبہ کے سامنے پیش کرنے کی فکر آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مشغلہ تھا۔

حضرت کی اہلیہ نور اللہ مرقدہا کے رہنے تک آپ مذکورہ بالا امور میں یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے؛ جبکہ بچوں کی ذمہ داری تن تنہا آپ کی اہلیہ محترمہ نور اللہ مرقدہا نے اپنے سر لے رکھی تھی، جب وہ رخصت ہو گئیں تو یہ ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آئی۔ اس سب کے باوجود اس وقت بھی آپ صبر واستقامت کے پہاڑ بنے رہے۔ خانگی امور کی نگہداشت کے ساتھ علم وتدریس کی سابقہ مشغولی میں کوئی فرق نہ آیا۔ یہ سبق بھی آپ نے اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے حاصل کیا تھا، کیونکہ وہ بھی والدۂ محترمہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی تدفین سے فارغ ہو کر سیدھے دارالحدیث دارالعلوم میں درس کے لئے آ گئے تھے۔ کئی بڑوں نے سمجھایا کہ حضرت سبق موقوف فرما دیجئے! ابھی غم تازہ ہے۔ آپ کا ان سب کو ایک ہی جواب تھا، اللہ کے ذکر سے بڑھ کر اطمینان دلانے والی چیز کوئی نہیں ہے۔

اہلیہ نور اللہ مرقدہا کے انتقال کے بعد آپ کی بڑی صاحبزادی ''میمونہ بیگم'' نے آپ کی بڑی خدمت کی۔ نہ صرف آپ کی بلکہ پورے گھرانے کی خدمت کی۔ صاحب اولاد تھیں، بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں سب تھے۔ حضرتؒ کی پہلی اور بڑی اولاد تھیں۔ پھر حضرت کی مزاج شناس اور خدمت گزار بھی بہت تھیں، اس لئے حضرت والاؒ کو بھی ان سے کافی لگاؤ تھا۔ یہ عظیم صاحبزادی بھی ۱۹؍ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۰؍ جنوری ۲۰۰۷ء کو مالک حقیقی سے جا ملیں۔ اس وقت ان کی عمر ستر سال تھی۔ بڑی دیندار اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ خواتین کے لئے دعوت وتبلیغ اور تعلیم

وتدریس کا مشغلہ پوری زندگی قائم رکھنا بھی ان کی زندگی کا ایک روشن باب تھا۔آپ کی تلامذات میں بے شمار مستورات تھیں؛ جنھوں نے مکمل قرآن پاک آپ سے پڑھا تھا۔والدمحترم کی تربیت سے دینداری میں اتنی پختہ تھیں کہ وفات سے پہلے جونمازیں شدید علالت کی وجہ سے چھوٹ گئیں تھیں ان کا حساب لگا کر فدیہ خود ادا کیا۔جس کی رقم سات ہزار روپئے ہوئی تھی۔

صاحبزادی نور اللہ مرقدہا کے انتقال پر تقریباً سب ہی اساتذۂ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔اس موقع پر حضرتؒ کا صبر اور استقلال قابل دید تھا ۔آپ سب سے حسب عادت مسکرا کر ہی بات فرماتے رہے،اوران کاشکریہ ادا کرکے ان سے دعاؤں کی درخواست کرتے رہے۔

قرآن اور قرآن پڑھنے والوں سے محبت :

قرآن کریم سے محبت اللہ سے محبت کی علامت ہے۔جس کو اللہ سے محبت ہوگئی،اسے کلام اللہ سے محبت ہونا ضروری ہے، کیونکہ وہ اسی محبوب حقیقی کا کلام ہے اسی کی ذات سے صادر ہوا ہے،لہذا قرآن سے محبت اور تعلق کا مطلب اللہ رب العزت سے محبت اور تعلق ہے۔حضرت والا قدس سرہٗ کو قرآن پاک سے بڑا شغف اور تعلق تھا۔اسی طرح قرآن پڑھنے والوں سے بھی آپ کو بڑی محبت تھی۔آپکے یہاں حضرات قرائے کرام آتے تو آپ ان کی بہت قدر فرماتے اور ان کو اکرام سے نوازتے تھے۔

۱۴۲۹ھ میں جب آپ کے دو پوتوں عزیزم محمد طارق ابن عقیل احمد خان اور محمد سعد ابن شکیل احمد خان نے پہلی مرتبہ تراویح میں قرآن پاک ختم کیا تو آپنے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔آپنے ان دونوں بچوں کو پانچ پانچ ہزار روپیہ بطور تحفہ انعام میں دئے،اور گھر والوں کے لئے خوشی میں خصوصی شیرینی کا نظم فرمایا۔اس دن آپ کے چہرے پر مسرت اور شادمانی کی عجیب کیفیات کا اظہار ہورہا تھا۔آپ بہت خوش تھے اور خوشی میں سب کو دعاؤں سے نوازرہے تھے۔

کمال حلم :

حضرت والا قدس سرہٗ بہت حلیم وبردبار بھی تھے۔کئی دفعہ ایسی باتیں پیش آجاتی تھی جو حد درجہ طبیعت کے خلاف ہوتی تھیں مگر آپ برداشت فرما لیتے تھے اور ناگواری کا اظہار تک نہیں ہونے دیتے تھے۔اگر کسی نے آپ کو تکلیف پہونچائی تو اس پر آپنے انتقام کبھی نہیں لیا اور نہ ہی دوسروں کو انتقام لینے کی اجازت دی۔حتیٰ کہ وہی شخص اگر کبھی اپنی ضرورت لے کر آیا تو پوری بشاشت کے ساتھ اس کی ضرورت پوری کی۔

آپ کی خدمت انجام دینے والے بہت سے طلبہ بعض مرتبہ آپکی طبیعت کے خلاف کام کرجاتے مگر آپ کی جبین پر شکن تک نہ آتی۔ایسا بھی کئی دفعہ ہوا کہ خدام کے ادھورے یا ناقص کام کرنے کی بنیاد پر آپ کو مالی نقصان اٹھانا پڑا مگر اس پر بھی آپنے ان کو کچھ نہیں کہا بلکہ مسکرا کر ان کو دوبارہ صحیح کام کرنے کی ہدایت دی۔

☆☆☆☆☆

سراپا

از: نسیم اختر شاہ قیصر

گورا چہرا، رنگ خوب کھلتا ہوا، گھنی داڑھی، کشادہ پیشانی، روشن آنکھیں خوبصورت اور جاذب نظر، دیکھنے والے چند گھڑی کھڑے ہوکر دیکھتے ،لباس خالص مولویانہ، موسم کے مناسبت سے زیب تن شیروانی میں بھی نظر آتے ،سر پر رومال عموماً ہرے رنگ کا، گفتگو میں شائستگی کا عنصر غالب، چال کے اعتبار سے نہ برق رفتار نہ سست رفتار، نگاہیں نیچی، راستے میں ہمیشہ ایک جانب چلنے کا مزاج، راستے کے درمیان گفتگو سے احتراز، کبھی طلبہ پیچھے پیچھے چلتے، اور کبھی تنہا دار العلوم سے گھر کا راستہ طے کرتے، مجلسی آدمی قطعی نہیں، اتفاق یہ ہے کہ نہ میں نے کبھی شادی کی تقریب میں دیکھا اور نہ کسی خاص موقع پر، شہر میں آمد و رفت نہ ہونے کے درجے میں، نہ کسی سے شناسائی اور نہ تعلق، اپنی ہی دنیا سے وابستگی اور کتاب و تدریس سے ان کا والہانہ تعلق، پوری عمر اسی فکر میں گذری اور تمام عمر یہی انکا امتیاز رہا، غصہ قطعی نہیں بلکہ چہرے پر خفگی یا ناراضگی کے آثار بھی نہیں دیکھے گئے، متین، سنجیدہ، لایعنی گفتگو سے کوسوں دور، مسند تدریس پر ہوتے تو کامیاب مدرس نظر آتے اور جب مسند نیابت و اہتمام پر بیٹھتے تو کامیاب منتظم دکھائی دیتے، تنہائی اور عجلت پسندی ان کے شب روز کے ساتھی، اسٹیج یا خطابت سے کوئی علاقہ نہیں، کبھی کسی جلسے یا تقریری پروگرام میں اگر انہیں بلایا بھی گیا تو ان کی جانب سے بیزاری کا اظہار، سنا ہے جوانی کے ایام سے لیکر ادھیڑ عمر کے زمانے تک ماہ رمضان دیو بند سے باہر گذارتے، جہاں قرآن کریم تراویح میں سنانے کا اہتمام ہوتا اور شاید اسی موقع پر تفسیر قرآن کریم کا درس بھی ہوتا مگر جس زمانے میں ہم نے انہیں دیکھا اور عمر کی جس منزل میں ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا، وہ دیو بند ہی کے ہو کر رہ گئے۔ کہیں اور آتے جاتے دکھائی نہ دئے۔ نہ کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ مولانا آج سفر میں ہیں، نیک طبع، نیک سرشت، جو ان کے احوال سے بھی عیاں تھی اور ان کی دلچسپیوں سے بھی ظاہر تھی۔ یہ تھے ہمارے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند جن کی تصویر نوک قلم سے صفحۂ قرطاس پر بنانے کی کوشش کی ہے، اسے سراپا کہئے یا ان کی ظاہری شکل و صورت کا حال۔

آٹھواں باب

زندگی کے آخری ایام

وفات، تدفین ، قطعات تاریخ وفات، خراج عقیدت پیش کرنے والے اشعار اور تعزیتی تحریریں

زندگی کے آخری ایام:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ پوری زندی اطاعت وانقیاد، صبر واستقلال کے ساتھ گذار کر بالآخر زندگی کے آخری مرحلہ میں داخل ہو گئے۔ سب جانتے ہیں کہ اس مرحلے میں ہر آدمی مختلف عوارض سے دوچار ہو جاتا ہے اور کچھ نہ ہوا تو اضمحلال اور جسمانی کمزوری اسے کہیں کا نہیں چھوڑتی، مگر حضرت والا قدس سرہ کی حالت اس سے بہت مختلف تھی آپ بیمار بھی تھے اور کمزور بھی، طویل العمر بڑھاپا اس پر مستزاد، اس سب کے باوجود آپ صحت مند جوانوں سے زیادہ عبادت وریاضت اور درس مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ دسیوں سال سے یہ چرچا تھا کہ آپ ''چراغ سحر'' ہیں۔ تدریس سے بھی سبکدوشی چاہتے ہیں، طلبہ دعا کرتے کہ یا اللہ حضرت کی صحت وعمر میں برکت عطا فرما! ہمیں بھی حضرت سے پڑھنے کا موقع نصیب فرما! اللہ کی مرضی ،طلبہ کی دعا آپکی کرامت کہ آپ درس وافادہ میں عمر کے آخری مرحلہ تک مشغول رہے۔ مگر جب آپ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئے تو آپ نے درس وتدریس سے سبکدوشی اختیار کی۔

حضرت والا قدس سرہ بہت دنوں سے قلب کی بیماری میں مبتلا تھے، تین سے زیادہ مرتبہ آپ کو قلب کا دورہ پڑ چکا تھا۔ سب سے پہلے قلب کا دورہ ۱۴۱۴ھ میں گھر ہی پر ہوا۔ پھر آپ رمضان المبارک میں ''کوئمبتور'' تراویح وتفسیر کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں پہونچ کر دو چار دنوں بعد ہی ماہ مبارک میں آپ کو پھر دورہ ہوا۔ اس دفعہ کا دورہ بہت سخت تھا، اسی دوران ''icu'' (انتہائی نگہداشت والے) وارڈ سے نکلنے کے بعد اسپتال ہی میں آپ کو پھر دورہ ہوا بقول آپ کے صاحبزادۂ محترم جناب حافظ ضمیر احمد خان صاحب یہ دورہ بڑا شدید اور بے چین کر دینے والا تھا۔ اللہ اللہ کر کے آپ اسپتال سے باہر آئے۔

''کوئمبتور'' میں آپ کے چاہنے والے بے شمار تھے جو آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ وہ سب ہی پریشان اور دل گیر تھے۔ جب تک حضرت اسپتال میں رہے وہ برابر اسپتال کے چکر لگاتے رہے، ان مخلصین اور محبین کا ڈاکٹروں کی جماعت سے یہی اصرار رہتا کہ رقم کی فکر نہ کرو! ہمیں علاج عمدہ چاہئے! ہمیں اپنی دولت سے عزیز حضرت والا کی ذات اقدس ہے، چنانچہ ان حضرات نے دل کھول کر حضرت والا کی خدمت اور اعانت میں حصہ لیا۔ یہاں تین سے زیادہ مرتبہ آپ کو قلب کا دورہ پڑا مگر اللہ کو ابھی آپ سے اور کام لینا تھا۔ اس لئے منجانب اللہ آپ صحت مند ہو گئے۔ ان دوروں کے اثر سے آپ پر ضعف اور نقاہت کافی آ گئی تھی، چہرے پر اضمحلال کے آثار نظر آنے لگے تھے، نیز اس کا بڑا اثر نیند پر ہوا۔ اس میں بہت کمی آ گئی۔ ان دوروں کے اثر سے اگر کوئی چیز متاثر نہیں ہوئی تو وہ آپ کے معمولات تھے۔ ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ تلاوت، ذکر واذکار، نماز باجماعت کی پابندی، تہجد، اور اللہ سے مناجات، پہلے کی طرح اطمینان اور سکون سے جاری رہے۔ اس کے بعد آپ کو متعدد مرتبہ قلب کا دورہ پڑا۔ بقول آپ کے صاحبزادۂ محترم الحاج حافظ

ضمیر احمد خان صاحب (ناظم شعبہ چمن بندی دارالعلوم دیوبند) آپ کو قلب کا دورہ تیس سے زیادہ مرتبہ ہوا ہے۔ جب کہ عام طور پر دو یا تین مرتبہ دورۂ قلب پڑ جانے کے بعد آدمی زندہ نہیں رہتا۔

آپ کے خصوصی معالج ڈاکٹر اے کے ایرن تھے؛ جو میرٹھ کے 'ساکیت' علاقے میں واقع ایک نرسنگ ہوم میں آپ کا علاج کرتے تھے۔ ڈاکٹر اے، کے، ایرن بھی آپ کے قلب کی اس کیفیت سے بڑے حیران تھے۔ وہ اپنی اس حیرانی کا بار بار اظہار کرتے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خصوصی رحمت کے طفیل قلب کی یہ تکلیف آپ سے ختم ہوگئی۔ اخیر میں آپ کو قلب کی کوئی بیماری نہیں تھی البتہ آنت اترنے کے عارضہ نے بہت پریشان کیا۔ اس بیماری کا علاج بذریعہ آپریشن (عمل جراحی) ممکن تھا۔ مگر ڈاکٹروں نے آپ کی عمر کے تقاضے اور صحت کی نوعیت دیکھ کر عمل جراحی سے بچنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ڈاکٹروں کے اس مشورہ کو قبول کیا گیا۔ اس بیماری سے آپ کو تکلیف بہت ہوتی تھی، مگر چونکہ فطرتاً صبر وضبط اور تحمل کے عادی تھے، اس لئے اس تکلیف میں شدت کے باوجود بھی ضبط وتحمل سے کام لیتے اور تکلیف کے اظہار سے گریز کرتے تھے۔

عمر کے آخری مرحلے میں گھٹنوں کی تکلیف بھی آپ کے لئے بہت پریشانی کا باعث بنی۔ اس سے آپ چلنے پھرنے میں بہت دقت محسوس کرنے لگے تھے۔ تھوڑی دور بھی چلتے تو گھٹنوں میں سخت درد ہو جاتا۔ گھٹنوں کی اس تکلیف اور بیماری سے چونکہ چلنا پھرنا بہت مشکل ہو گیا تھا اس لئے اخیر کے سالوں میں آپ دارالعلوم بھی سائیکل رکشے میں آتے تھے۔

۲۰۰۳ء میں جب میں دارالعلوم میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا تو اس سال حضرت والاؒ کو گھر سے بلانے کے لئے میں ہی جاتا تھا۔ میں رکشہ چلانے والوں سے کہتا کہ حضرت کے لئے سواری کی ضرورت ہے تو اس وقت کئی رکشہ والے حضرت والا کو دارالعلوم چھوڑنے کے لئے سبقت کرتے تھے۔ رکشہ گھر کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا میں بذریعہ گھنٹی اپنے آنے کی اطلاع دیتا، پھر جب آپ باہر آتے تو سائیکل رکشہ حاضر ہونے کی اطلاع دیتا آپ مکمل وقار اور متانت کے ساتھ رکشہ پر سوار ہو جاتے اور دارالعلوم کے صدر دروازے پر اتر جاتے۔ وہاں سے دارالحدیث تک پیدل ہی تشریف لے جاتے۔ دارالعلوم کے باب قاسم (صدر دروازہ) تک رکشہ سے آنے کا یہ معمول کئی سالوں سے تھا۔ اس کی وجہ گھٹنوں کی تکلیف تھی۔

ذمہ داریوں سے سبکدوشی:

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جب آپ حد سے زیادہ کمزور ہو گئے اور بیماریوں نے بھی شدت اختیار کر لی تو آپ نے ذمہ داریوں سے سبکدوشی اختیار فرما لی اور اس سلسلے میں معذرت کی باقاعدہ ایک تحریر پیش فرمائی۔ آپ کی یہ تحریر ماہ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ کو مجلس تعلیمی میں پیش ہوئی پھر مجلس شوریٰ نے آپ کی درخواست قبول کر کے حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کو آپ کی جگہ متعین فرما دیا۔ اور یکم جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ کی مجلس عاملہ نے حضرت شیخ کی معذرت والی تحریر منظور کر کے ۱۵ر ہزار روپیہ ماہانہ وظیفہ تاحیات جاری کر دیا جو اخیر تک چلتا رہا۔

وفات حسرت آیات:

محرم الحرام ۱۴۳۱ھ کے اخیر میں ضعف بہت بڑھ گیا۔ چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا بھی دوبھر ہو گیا۔ وفات سے پہلے آپ کی زبان مبارک سے ملک الموت کو یہ خطاب بھی آپ کے گھر والوں نے سنا۔ آپ نے کہا: ارے بھائی ملک الموت! میری جان بہت آرام سے نکالنا!

پھر ۱۹ر صفر المظفر بروز جمعرات مطابق ۴ر فروری ۲۰۱۰ء کی شب میں دو بج کر دس منٹ پر اپنے صاحبزادے سے سورۂ یاسین سننے کی فرمائش کی۔ انہوں نے سورۂ یاسین سنائی، اسی اثناء میں آپ نے قبلہ رو ہونے کو کہا چنانچہ آپ کو قبلہ رخ کیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر اللہ کے اکیلے ہونے کی گواہی دی اور پھر آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ع

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

نماز جنازہ اور تدفین:

بعد نماز ظہر احاطۂ مولسری میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی ۔ استاذ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہٗ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی ۔ ہزاروں علماء اور اساتذہ، ذمہ داران مدرسہ، طلبہ اور عوام کے جم غفیر نے نماز میں شرکت کی ۔ سخت اژدحام کی وجہ سے آپکا جنازہ کافی دیر میں مزار قاسمی پہونچا ۔ ہزاروں کی تعداد میں موجود عقیدت مندوں نے سوگوار اور پرنم آنکھوں کے ساتھ مزار قاسمی میں آپ کو سپرد خاک کر دیا ۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے ! اور درجات عالیہ بلند فرمائے ! (آمین)

پسماندگان:

آپ کے کل ۶/ صاحبزادے اور ۴/ صاحبزادیاں ہوئیں ۔ ایک صاحبزادے اور دو صاحبزادیوں کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا ۔ الحمد للہ پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں بقید حیات ہیں ۔ آپ کے صاحبزادوں میں کوئی عالم نہیں ہے، جو آپ کا علمی وارث ہوتا ۔ حضرت کو ہمیشہ اس کا قلق رہا، جس کا اظہار بھی فرماتے رہتے تھے ۔ آپ فرماتے تھے کہ بھائی ! سب مقدرات ہیں ۔ ہر بچے کو عالم بنانے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوسکی ۔ سب نے درمیان میں ہی تعلیم چھوڑ دی تاہم تمام صاحبزادے حافظ قرآن، نیک، صالح اور پابند صوم وصلوٰۃ ہیں ۔ حضرت شیخ کے ۹/ پوتے اور ۸/ پوتیاں ہیں، جن میں تین پوتے دارالعلوم میں زیر تعلیم ہیں ۔ حضرت والا کو ہمیشہ ان کی بڑی فکر رہتی تھی ۔ خود بھی انکی نگہداشت فرماتے اور ان کے اساتذہ اور والدین کو بھی متوجہ کرتے رہتے تھے ۔ اللہ ان بچوں کو عالم باعمل بنائے اور حضرت کی یادگار بنائے ! (آمین)

پسماندگان میں اہل خانہ کے علاوہ آپ سے فیض حاصل کرنے والے ہزاروں علماء اور فضلاء ہیں ۔ راقم الحروف کا پورا گھرانہ بھی حضرت کے پسماندگان میں سے ہے بالخصوص والد محترم مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب مدظلہٗ العالی استاذ شعبۂ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند، جن کے ساتھ حضرت شیخ نہایت مشفقانہ برتاؤ رکھتے تھے ۔ والد محترم جب دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوئے تو حضرت والا کی ذات گرامی سے حد درجہ سعادت مندانہ قرب رہا ۔ سفر وحضر اور آپ کی خصوصی مجالس میں آپ کے استفادے کا اللہ تعالیٰ نے بھرپور موقع عنایت فرمایا ۔ بہر حال حضرت شیخ کی وفات پوری ملت کے لئے عظیم سانحہ تھی، اللہ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے !

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كل نفس ذائقة الموت

سن تاریخ وفات حسرت آیات، علامۂ یگانہ، وحید زمانہ، عمدۃ المتکلمین، رأس المحدثین، عالم تحریر، سرخیل علماء مولانا نصیراحمد نوراللہ مرقدہٗ

۹۰۰ + ۱۲۸ + ۴۰۳ = ۱۴۳۱ھ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند قدیم

قطعۂ تاریخ وفات

تھا نصیراحمد جو حق گو، حق پسند و حق نگر کوچۂ فانی سے اٹھا باندھ کر سر سے کفن

ہیں زمین و آسماں شام و سحر گریہ کناں روتے ہیں فرقت میں اس کی آج سب اہل وطن

گلستان جامعہ کو آج وہ کر کے یتیم چل دئے بے گانہ ہو کر وہ نگہبان چمن

ہر روش ماتم کناں ہر کلی غم سے ملول گلستاں دل کا ہے، نذر یورشِ برقِ تپاں

ہو گیا آج وہ دنیا سے، رخصت اے ظفر

جس کو کہئے ''مظہر اخلاق پاکیزہ لحن''

۱۸۷۷ + ۱۳۳ = ۲۰۱۰ء

نتیجۂ فکر: ظفر جنکپوری القاسمی، الحسنی غفرلہ فرینڈس کالونی، نئی دہلی ۶۵

☆☆☆☆☆

قطعات تاریخ وفات

بسم اللہ الفتاح العزیز الرحمٰن الرحیم

۱۴۳۱ھ

صنعت مربی بجمال مولانا نصیر احمد صاحب دیوبندی مرحوم

۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء

۲۰۱۰ء رہبر لائق سرور فائق مصلح صادق عارف کامل

۲۰۱۰ء لائق سرور فائق مصلح صادق عارف کامل رہبر

۲۰۱۰ء سرور فائق مصلح صادق عارف کامل رہبر لائق

۲۰۱۰ء فائق مصلح صادق عارف کامل رہبر لائق سرور

۲۰۱۰ء مصلح صادق عارف کامل رہبر لائق سرور فائق

۲۰۱۰ء صادق عارف کامل رہبر لائق سرور فائق مصلح

۲۰۱۰ء عارف کامل رہبر لائق سرور فائق مصلح صادق

۲۰۱۰ء کامل رہبر لائق سرور فائق مصلح صادق عارف

۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء ۲۰۱۰ء

یہ مصرعہ چاروں طرف سے پڑھا جاسکتا ہے، اور چاروں طرف سے دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہری ثم دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰ رصفر المظفر مطابق ۴ رفروری ۲۰۱۰ء یوم جمعرات) کا سالِ رحلت ۲۰۱۰ء برآمد ہوتا ہے جو ۱۴۳۱ھ کے مطابق ہے۔

بکلک محمد طاہر الاعظمی حزین مخزن علم شہر جدہ غمزدہ درشہر جدہ

۱۴۳۱ھ ۱۴۳۱ھ ۲۰۱۰ء

بسم اللّٰہ الرافع الکبیر الرحمٰن الرحیم

۱۴۳۱ھ

نحمدہ المبدئ المغنی ونصلی علی النبی الکریم

۲۰۱۰ء

محبّ زماں مولانا نصیر احمد خان صاحب

۱۴۳۱ھ

جنید حبیب شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

۲۰۱۰ء

ہمدم صادق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

سنہ ۱۴۳۱ھ

تاریخ وفات کامران　　با آداب شیخ سنت　　آہ شیخ شہیر

سنہ ۲۰۱۰ء　　سنہ ۱۴۳۱ھ　　سنہ ۱۴۳۱ھ

آہ جمیل شیخ اعظم　　آہ کبیر استاذ محدثین

سنہ ۲۰۱۰ء　　سنہ ۲۰۱۰ء

آہ حمید جہاں استاذ علماء

سنہ ۱۴۳۱ھ

رحمه المبدئ الغنى

سنہ ۱۴۳۱ھ

غفر الله الواحد　　نور مرقده المقتدرا لودود

سنہ ۱۴۳۱ھ　　سنہ ۱۴۳۱ھ

اعوذ بالله البارى القوى من الشيطان الرجيم

سنہ ۲۰۱۰ء

قال المالك: سقاهم ربهم شرابا طهورا

سنہ ۱۴۳۱ھ

قال الباسط الصمد: سلام عليكم، ادخلوا الجنة

سنہ ۱۴۳۱ھ

اكرام الباسط الصمدعليكم ادخلوا الجنة

سنہ ۱۴۳۱ھ

قال النبى الحق الواجد "الموت جسر يوصل الحبيب الى الحبيب"

سنہ ۱۴۳۱ھ

بين النبى الحق: تحفة المؤمن الموت

سنہ ۱۴۳۱ھ

موت العالم القدس موت العالم

سنہ ۱۴۳۱ھ

والله موت العالم النبيل موت العالم

سنہ ۱۴۳۱ھ

جھکا کر سر سنِ رحلت میں جب ہم غور کرتے ہیں

صدا پہونچی کہ جنت میں یہ راعی سیر کرتے ہیں

۲۰۱۰ء

بگو استاذ خود را سال رحلت غم زدہ طاہر

کہ یابد بزم فردوس بریں از رحمت یزداں

۱۴۳۱ھ

کس مثال تو نہ بودہ در زماں　　　مقصود حق مشہور در اکثر فنون

۱۴۳۱ھ　　　۲۰۱۰ء

زحزن محمد طاہر الاعظمی　　　غمزدہ در شہیر کبیر جدہ

۱۴۳۱ھ　　　۲۰۱۰ء

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خراج عقیدت

استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث، مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

منجانب: تمام اساتذہ وطلبہ مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر، ممبئی

کاوش: عبد العلیم فاتح مرکز المعارف ممبئی

ایک مالی کل چمن سے جب جدا ہونے لگا

پھر نہ پوچھو کس طرح سارا چمن رونے لگا

کیسی کلیاں، کیسی خوشبو، تیرے بن مالی چمن میں بس اداسی چھائے ہے

شاخ بکھری جائے ہے

شکوہ دامن کر رہا ہے، خالی خالی جائے ہے

چشم نے آنسو بہائے اور من رونے لگا

آئینہ وہ بزرگوں کا، وہ اکابر کا نشاں

شجر سایہ دار تھا، وہ علم تھا جسکا جواں

مئے بخاری کی پلاتا تھا جو اک پیر مغاں

رو پڑا پیمانہ بھی جب ساقیا سونے لگا

سادگی میں بادشاہی، کس کی یہ تصویر ہے

دل کئے ہیں جس نے روشن، کس کی یہ تنویر ہے

کیا ''ھدًی للمتقیں'' کی یہ کوئی تفسیر ہے

خوب تھا منظر، مگر اب کیا سے کیا ہونے لگا

حضرت مدنیؒ کی مجلس کا، چراغ نور تھا

اس کی محفل میں گیا جو رند، وہ مسحور تھا

اس کی عظمت پے جھکے یہ آسماں مجبور تھا

وہ چلا جب سوئے مرقد، آسماں رونے لگا

قریہ قریہ، علم کی شمع جلاتا جائے تھا

دیں کے دیوانوں کو، بھر بھر کے پلاتا جائے تھا

کل مگر اپنے ہی رندوں کو رلاتا جائے تھا

بند میخانہ کیا، اوڑھے کفن سونے لگا

باصفا کے درس کی مجلس تھی، کتنی پر وقار

مادر علمی تھی ناز اں ، ہم کو تھا صد افتخار

وہ مسیحائے زمن تھا ، وہ زمانے کی بہار

کھو گئیں جس کی بہاریں ، وہ چمن رونے لگا

سنت نبوی ﷺ کا عاشق تھا ، وہ پاکیزہ صفات

زریں تھے اقوال جس کے اور حکیمانہ تھی بات

وہ طبیب دل تھا جس سے ختم ہوتیں سیئات

وہ مربی آج جانے کیوں خفا ہونے لگا

ہو "نصیر احمد" کی تربت پے خدا کی رحمتیں

کوثر و تسنیم کی ، ان کو عطا ہوں لذتیں

عرش کے سایہ میں تو ان کو عطا کر خلعتیں

جو مزار قاسمی کی خاک میں سونے لگا

ایک مالی کل چمن سے جب جدا ہونے لگا پھر نہ پوچھو کس طرح سارا چمن رونے لگا

ختم شد

☆☆☆☆☆

(درسِ عبرت) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿یادِ موت﴾

نمونۂ اسلاف، پیکرِ علم وعمل

جناب حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

لمحۂ فکریہ: ولی اللہ ولیؔ قاسمی بستوی

استاذ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ اشاعت العلوم اکل کنواں مہاراشٹر

دو گز کفن، پہن کر، جائیگا تو یہاں سے

جائیگا ہاتھ خالی، تو قبر میں جہاں سے

برحق ہے موت سن لو! رحمان نے کہا ہے ہر ذو نفس کا مرنا، قرآن میں لکھا ہے

دنیا بنی ہے جب سے، ہے یہ عمل بھی جاری

اک روز ہر کسی پر، یہ موت ہوگی طاری

محبوب کبریا بھی رخصت ہوئے جہاں سے افسوس، سوئے برزخ، آقا گئے یہاں سے

دنیائے دوں سے رخصت، سب انبیاء ہوئے ہیں

اس گلستاں سے ہجرت، سب اولیاء کئے ہیں

ہر چیز کی فنا کا، اک وقت ہے مقرر پل بھر بھی اس گھڑی سے ہوگا نہیں مؤخر

پیغام موت لیکر، جب آئیگا فرشتہ

دنیائے دوں سے تیرا، کٹ جائیگا یہ رشتہ

ماں، باپ، بیوی، بیٹے، سب لوگ رو رہے ہیں اشکوں سے اپنے منہ کو سب لوگ دھو رہے ہیں

بے رحم موت لیکن، سنتی نہیں کسی کی

ظالم کبھی رعایت، کرتی نہیں کسی کی

تو خالی ہاتھ جا کر، سو جائیگا لحد میں اپنے کئے کا بدلہ، پا جائیگا لحد میں

اے بے شعور انساں! کچھ ہوش میں ذرا آ

عقبیٰ کی زندگی کا، کچھ تو سراغ پا جا

سامان آخرت کا تیار کر لے غافل! دنیا کے مال وزر سے کچھ

بھی نہ ہوگا حاصل!

جو کچھ کمائیگا تو، رہ جائیگا یہیں پر

دو گز زمیں کا ٹکڑا، پا جائیگا یہیں پر

دنیا سے بے تعلق، ہو جاؤ غافلو! تم اللہ کی محبت

، اپناؤ غافلو! تم

ایسا عمل کرو تم، جو کام آئے تم کو

محشر کے دن خدا سے، عزت دلائے تم کو

جیسا کرو گے، ویسا ہی پاؤ گے صلہ تم ہر ہر عمل کا، پورا ہی پاؤ گے

صلہ تم

اعمال خیر کر لو! جنت ملے گی تم کو

اللہ کی خصوصی رحمت ملے گی تم کو

دنیائے دوں بنی ہے غافل! برائے عبرت ہرگز نہیں ہے جاہل! سامان

عیش وعشرت

دنیا سے اے ''ولی'' وحشت سی ہو رہی ہے

دنیا کے طالبوں پر لعنت برس رہی ہے

ختم شد

☆☆☆☆☆

﴿ذکرِ نصیر﴾

نمونۂ اسلاف، پیکرِ علم وعمل

جناب حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

نتیجۂ فکر یہ: ولی اللہ ولیؔ قاسمی بستوی

استاذ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ اشاعت العلوم اکل کنواں مہاراشٹر

پیکرِ علم وعمل تھے، شیخ مولانا نصیر
مشعل راہ عمل تھے، شیخ مولانا نصیر

گلشن علم وہنر کے اک شگفتہ پھول تھے
ایک تابندہ کنول تھے، شیخ مولانا نصیر

حاملِ فیضانِ رحماں، زینتِ دارالحدیث
رونق محفل رہے وہ، رنگت دارالحدیث

مسندِ علم و ہنر کو وہ لگائے چار چاند
ان سے دوبالا رہی ہے، عظمت دارالحدیث

میکشوں کو دے رہے تھے بادۂ علم وہنر
دے رہے تھے طالبوں کو، علم کے لعل وگہر

قیمتی موتی لٹاتی تھی زبانِ درفشاں
شامِ ظلمت کے لئے تھے، علم کی نوری سحر

نازشِ صحنِ چمن تھے، رونقِ باغِ علوم
ناز فرماتا تھا ان پر، گلشنِ دارالعلوم

وہ تھے قندیلِ فروزاں، مطلعِ نورِ عمل
مادرِ علم وہنر میں ہر طرف ان کی تھی دھوم

وہ رہے ہیں مدتوں، قسّام میراثِ رسول
گلشنِ علم وہنر کے، وہ رہے خوش رنگ پھول

تھی طبیعت میں نفاست تھے مدرس کامیاب
تھے کشادہ دل، وسیع العلم، پابندِ اصول

ان کا سینہ علم وفن کا موضع ضخّا رتھا
ہاں وجودِ پاک ان کا رونقِ گلزار تھا

عشق کی گرمی سے جو معمور تھا آٹھوں پہر
ان کے سینے میں دھڑکتا، وہ دلِ بیدار تھا

ان کی پیشانی پہ روشن، معرفت کا نور تھا ان کا باطن عشق کے
اسرار سے معمور تھا

دل تھا فکرِ آخرت میں ہر گھڑی ڈوبا ہوا
اور دنیا کی محبت سے، وہ کوسوں دور تھا

درس اور تدریس تھا محبوب ان کا مشغلہ
دینِ رحمت کی اشاعت کا رہا ہے حوصلہ

نامِ حق پر زندگانی کا رہا، جاری سفر
خیریت سے کر رہے تھے طے، وہ ہر ہر مرحلہ

خوش ادا ہر موڑ پر تھے، قیمتی ہر بات تھی
ان کی ہر مجلس میں ارزاں، علم کی سوغات تھی

جلوۂ باری سے روشن دن کے سب اوقات تھے
معرفت کے نور سے ماموران کی رات تھی

ہے ولیؔ کی یہ دعا اے خالقِ ربِّ قدیر
قبر میں آرام پائیں خوب مولانا نصیر

تربتِ مرحوم میں فردوس کی آئے بہار
حشر کے میدان میں بن جائے تو ان کا نصیر

ختم شد

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿یادِ نصیرؒ﴾

نمونۂ اسلاف، پیکر علم وعمل

جناب حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

نتیجۂ فکر یہ: ولی اللہ ولیؔ قاسمی بستوی

استاذ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ اشاعت العلوم اکل کنواں مہاراشٹر

ہو گئے دنیا سے رخصت آہ!! مولانا نصیر
دے گئے ہیں آہ فرقت آہ!! مولانا نصیر

زندگانی کا ہوا، پورا جو دورِ صبح شام — تو برائے وصل آئی دعوت
ربِّ انام

نامہ بر جب لے کے آیا پاس، رحلت کا پیام
تو ہوا ہے ان کے سفرِ آخرت کا اہتمام

موت نے آغوش میں لیکر ہے دی تھپکی انھیں — کہ لقائے خاص کی دعوت
ملی رب کی انھیں

دوشِ طاہر پر ملائک کے ہوا، ان کا سفر
عشقِ حق، حبِّ نبی، لے کر گئے زادِ سفر

تھا بلندِ شہر، یو پی، ان کا آبائی وطن
ہے ''ببی'' ہی گاؤں وہ خوش رنگ آبائی چمن

تیرہ سوسینتیس ہجری میں وہاں پیدا ہوئے
مدح خوانِ مصطفیٰ، اللہ کے شیدا ہوئے

حافظِ قرآن تھے وہ، بہتریں عالم رہے
بادۂ علم و ہنر کے، مدتوں قاسم رہے

ماہرِ تجوید تھے وہ، قاریٔ قرآن تھے
پیکرِ صبر ورضا تھے، صاحبِ عرفان تھے

تیرہ سو باسٹھ میں تھے وہ طالبِ دارالعلوم
ہو گئے فضلِ خدا سے فارغِ دارالعلوم

اور اس کے بعد میں فرمائی تکمیلِ فنون

تھی انہیں محبوب بے حد علم کی ام العلوم (۱)
از ہرِ ہندوستاں کے، پھر مدرس ہو گئے
ستانوے (۲) میں وہ، بخاری کے مدرس ہو گئے

ہوگئی ان سے مزین، مسند دار الحدیث
شور قال اللہ سے، تھی گونجتی دار الحدیث

پھر صدارت بھی انہیں حاصل ہوئی تدریس کی
ہے بجا کھائیں قسم، گر عظمت و تقدیس کی

حسنِ قسمت سے ہوئے پھر شیخ، نائب مہتمم
اور اس منصب پہ رہ کے، تھے وہ اچھے منتظم

(۱) دار العلوم دیوبند (۲) ۱۳۹۷ھ

تھے بہت ہی خوبیوں کے ساتھ حضرت متصف
ان کی عظمت کے یہاں چھوٹے بڑے تھے معترف

مدتِ تدریس کل حضرت کی پینسٹھ سال ہے
نسلِ نو فیضاں سے
ان کے خوب مالا مال ہے

نو دہائی سے تھی زیادہ، شیخ کی لمبی حیات
خدمتِ اسلام سے معمور تھی، ان کی حیات

تین بیٹے ایک بیٹی ان کے ہیں پسماندگان
اب بھی آبائی وطن
میں شیخ کا ہے خاندان

مدتوں سے وہ رہا کرتے رہے بے حد علیل
نیک دل تھے، مردِ مومن، عاشقِ ربِّ جلیل

تھی دوا جاری مگر، ان کا مرض تھا لاعلاج
ان کی راہِ زندگی میں، علم تھا روشن سراج

دیکھئے کہ موت آئی، چپکے چپکے گھات میں
روح اس نے قبض کر لی، دو بجے ہاں رات میں

مر گئے ہیں شیخِ عالی، یہ خبر جس نے سنی
کوہ غم اس پر گرا ہے، غم کی اک بجلی گری

گھر کے سب چھوٹے بڑے رونے لگے زار و قطار
اور جو بھی آیا در پر، ہو گیا وہ اشک بار

ہو گیا افسوس سونا، گلشن دار العلوم
ہو گیا افسوس کہ فق، چہرۂ ماہ و نجوم

دو بجے دن میں ہوئی، ان کے جنازے کی نماز
اور تکبیروں سے ظاہر تھا، غموں کا سوز و ساز

کی جنازے کی امامت، قاریٔ عثمان نے
سایہ فرمایا ہے ان پر، رحمتِ رحمان نے

آخری مسکن بنا، ان کا ''مزار قاسمی''
خلد کا گلشن بنا، ان کا ''مزار قاسمی''

بعد میں تدفین کے، سب ہی تھے مشغولِ دعا دامنِ رحمت میں اپنے
دے جگہ تو اے خدا

ہے ''ولیؔ'' کی یہ دعائے دل، اے مولائے نصیر
تیرے محبوبِ نظر ہوں، خوب مولانا نصیر

تیری رحمت پر زمانہ، فاتحہ خوانی کرے تا قیامت، رحمت باری
نگہبانی کرے

ختم شد

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

کے سانحۂ ارتحال کے بعد دارالعلوم میں تعزیتی اجلاس اور تدفین

از: مولانا اشتیاق احمد

مدرس دارالعلوم دیوبند

۴/فروری ۲۰۱۰ء کی صبح صادق عجیب غم واندوہ لیکر طلوع ہوئی، پنجشنبہ (جمعرات) کی رات دو بج کر دس منٹ پر صبح کاذب سے پہلے ہی علم وعمل کا جامع ایک ایسا ستارہ غروب ہوگیا جس کی ضیا پاش تابانی پر آفتاب نیم روز بھی رشک وغبطہ کے ترانے گا رہا تھا۔اس ستارے کا غروب شام غم سے بھی زیادہ غمگین ثابت ہوا۔صبح روشنی اور امید لیکر طلوع ہوتی ہے مگر یہ صبح عجیب انداز سے طلوع ہوئی اس میں روشنی کے بجائے تاریکی اور امید کے بجائے حسرت و یاس کے گھنے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ''بغداد ہند'' دیوبند میں انگنت لوگ ایک دوسرے کو فون کر رہے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے (سابق) شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ اس دنیا میں نہیں رہے۔انہوں نے اس عظیم دانش گاہ میں ۶۵/سال کے قریب کامیاب مدرسی کی۔ بارہ سال تک قائم مقام ''صدر مدرس'' اور سترہ سال تک ''صدر مدرس'' رہے اور کافی عرصہ تک نائب مہتمم رہے۔۳۳/سال تک بخاری شریف کا درس دیا۔جن کے شاگردوں کی تعداد حضرت مدنیؒ کے شاگردوں سے زیادہ ہوگئی۔ابتداء سے انتہا تک کی ساری اہم کتابیں پڑھائیں۔علوم شرعیہ کے ساتھ علوم عقلیہ میں آپ کا ثانی نہیں۔علم ہیئت میں امامت کا درجہ حاصل تھا۔اسلئے رسالۂ ''الفتحیہ'' پر حاشیہ تحریر کیا۔دارالعلوم دیوبند میں ایک دو اساتذہ کو چھوڑ کر ابتدائی درجے کے مدرسین سے لیکر شیخ الحدیث تک سب آپ کے شاگرد ہیں۔فجر کی نماز سے پہلے ہی بہت سے لوگوں کو اطلاع مل گئی، دن ہوتے ہی دنیا بھر کے علماء، طلبہ اور متعلقین کو یہ کربناک خبر پہونچ گئی۔فون کی نحوست کہئے یا برکت۔غرض پوری دنیا غموں کی تاریکی میں آگئی۔ادباء کسی خبر کو بہت جلد پھیلنے کی تعبیر کے لئے'' جنگل کی آگ'' کا استعارہ لیتے ہیں، مگر راقم الحروف کے نزدیک یہ تعبیر بھی آج کی جدید ٹیکنالوجی کے زمانے میں اپنی وسعت گھٹا چکی ہے۔غرض علماء اور طلبہ کی ایک بھیڑ حضرت شیخ اولؒ کے مکان کی طرف روانہ ہوگئی۔مجمع اتنا زیادہ ہوگیا کہ لال مسجد سے قاضی مسجد کا راستہ مسدود ہوگیا۔فجر کے پہلے سے ۹/ بجے کے قریب تک ایسی ہی بھیڑ رہی۔۸/بجے کے بعد ''مسجد قدیم'' کے مائک سے اعلان ہوا کہ سارے طلبہ دارالعلوم دیوبند دارالحدیث میں جمع ہوجائیں چنانچہ چار ہزار کے قریب افراد جمع ہوگئے۔پورا مجمع تعزیت کا مستحق، کون کس کو تسلی دے۔ہر طرف غمزدہ چہرے، ہر جانب پُرنم آنکھیں، پورا ماحول اداس، درودیوار ماتم کناں، بڑے بڑے اکابر اساتذہ کی زبان خاموش، لیکن آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ہر ایک بے قابو، وانا بك يا استاذ لمحزونون '' کی تصویر بنا ہوا تھا۔اسی حالت میں بہت سے لوگوں نے تلاوت قرآن کیا، اور بہت سوں نے تسبیح پڑھی اور بہت سے حضرات نے کلمۂ طیبہ کا ورد کیا۔اس طرح آدھ پون گھنٹہ گذرا۔اس کے بعد ہر غمزدہ کو تسلی دینے اور خود پہلے صبر حاصل کرنے کے لئے حضرت شیخ کے شاگرد رشید حضرت مولانا قمرالدین صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے۔اور خطبۂ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت الاستاذ مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ اس دنیائے فانی سے دنیائے جاودانی میں منتقل ہوگئے۔وہ اپنے محبوب حقیقی سے جاملے (انا لله وانا اليه راجعون)

حضرتؒ یگانۂ روزگار تھے، علوم عقلیہ کے ساتھ علوم نقلیہ میں بڑی وسعت گاہ رکھتے تھے، اسی کے ساتھ آپ علم وعمل کے جامع پیکر تھے۔آپ میں اخلاق کمال مکمل طور پر موجود تھے یقیناً آپ مغفور وماجور ہیں۔آپ سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

پھر حدیث شریف سنائی کہ سرکار دوعالم ﷺ کے سامنے ایک جنازہ آیا لوگوں نے اس کی تعریف وتوصیف کی۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''وجبت'' واجب ہوگئی۔پھر دوسرا جنازہ آیا تو لوگوں نے اس کی مذمت کی تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''وجبت'' واجب ہوگئی

۔اس پر صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں صورتوں میں آپ نے ایک ہی جملہ ارشاد فرمایا۔ دونوں کا مطلب کیا ہے؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلے کے لئے جنت واجب ہوگئی (جس کی لوگوں نے تعریف کی) اور دوسرے کے لئے جہنم واجب ہوگئی جس کی لوگوں نے مذمت کی) معلوم ہوا کہ جس کے اخلاق اچھے ہوں لوگوں کے ساتھ برتاؤ بہتر ہو اللہ کے یہاں محبوب ہے، اور جس کے اخلاق اچھے نہ ہوں وہ اللہ کے یہاں مبغوض ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے بارے میں لوگ متفق ہیں کہ آپ سے کسی کو ادنیٰ سی بھی تکلیف نہیں پہونچی اس لئے آپ ضرور جنتی ہیں۔ پھر ایک مصرعہ پڑھا۔ ع

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو!

آگے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت الاستاذؒ کے حسن خلق، صلاح وتقویٰ اور برکت روحانیت کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ آپ کو استاذ بنالوں چنانچہ فارغ ہونے کے بعد فنون میں ''حسامی'' میں نے حضرت سے پڑھی ہے۔ اس وقت حسامی دورۂ حدیث کے بعد تکمیل فنون میں پڑھائی جاتی تھی۔ حضرت الاستاذ کی صفت تواضع بہت نمایاں صفت تھی۔ حضرت مولانا قمر الدین صاحب نے اس کے بعد اپنی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ایک بار میں بازار سے سبزیاں لا رہا تھا۔ حضرت الاستاذؒ نے دیکھا اور نہایت متواضع انداز میں ارشاد فرمایا کہ لائیے میں گھر پہونچادوں!

حضرت مولانا نے اپنی تقریر میں ارشاد فرمایا کہ حضرت الاستاذ بڑے سلیم الطبع تھے اور یہ سب سے بڑی صفت تھی۔ طبیعت نہایت معتدل تھی، ہمیشہ ایسا موقف اختیار فرماتے تھے کہ جس میں کسی کو اذیت وتکلیف نہ ہو۔

حضرت الاستاذ مولانا قمر الدین صاحب زید مجدہٗ کے بعد حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہٗ پرنم آنکھوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھے اور ارشاد فرمایا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابۂ کرامؓ نے سوال کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے بہترین شخص کون ہے؟ اس پر دربار نبوی سے جواب ملا: " من طال عمره و حسن عملهٗ " جس کی عمر لمبی ہو اور عمل نیک ہوں اس حدیث کے صحیح مصداق حضرت الاستاذؒ ہیں۔ آپ کی عمر لمبی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال بہت زیادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرتؒ نے کم وبیش ۶۵ر سال دارالعلوم دیوبند کی خدمت کی۔ مجھے بھی ''شرح جامی'' پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت الاستاذ میں سلامتی طبع بہت زیادہ تھی، جیسا کہ حضرت مولانا قمر الدین صاحب نے ابھی فرمایا۔ حضرت کا موقف نہایت ہی معتدل ہوتا تھا۔ اور اس پر حد درجہ اطمینان بھی رہتا تھا۔ میں نے کبھی تذبذب نہیں دیکھا۔ دارالعلوم کے گذشتہ اختلاف کے موقع سے حضرتؒ اگرچہ انتظام سے منسلک تھے لیکن نہایت ہی شرح صدر کے ساتھ ہمارے ساتھ رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے شایانِ شان جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

اخیر میں حضرت الاستاذ مولانا عبد الحق صاحب اعظمی مدظلہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور بڑے ہی پر درد لہجے میں جگر مرادآبادی کا یہ شعر پڑھا۔

جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

پورے مجمع پر غم کا ایک سماں بندھ گیا پھر حدیث شریف پڑھی " اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاثة (الحدیث) جب انسان وفات پا جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ ایک صدقۂ جاریہ دوسرے وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں تیسرے نیک اولاد جو دعا کرتی رہے۔ ان تینوں کا ثواب اللہ تعالیٰ اس بندے کو مرنے کے بعد بھی دیتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحبؒ کی اولاد صرف وہی نہیں ہیں جو ان کی صلب سے پیدا ہوئی ہیں سارے شاگردان کی روحانی اولاد ہیں۔ ان کے

سینوں میں ان کا ودیعت کیا ہوا علم ہے۔ اس سے بعد والے فائدہ اٹھاتے رہیں گے سب کے نیک عمل میں حضرتؒ کو بھی ثواب ملے گا۔ سب تعزیت کے مستحق ہیں۔ سب کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے! (آمین)

حضرت شیخ نے اپنے بیان میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ علماء نے اخلاق کی تعریف "مراعاة الخلق مع رضاء الحق" سے کی ہے یعنی حسن اخلاق یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاش کرنے کے ساتھ مخلوق کی رعایت کرے۔ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ میں یہی اخلاق موجود تھے۔ ہر ہر آدمی کی رعایت کرتے تھے۔ اور ہر وقت اللہ کی رضامندی پیش نظر رہتی تھی۔ جب بھی بخاری شریف کے ختم کرنے کے لئے گذارش کرتا تو ہمیشہ یہی ارشاد فرماتے کہ اس سال تو آپ ہی کو ختم کرانی ہے۔ میں فون پر یا ملاقات کر کے اصرار کرتا تو قبول فرمالیتے چنانچہ ہمیشہ بخاری شریف کے آخری درس کے لئے آتے تھے۔ کوئی آپ کی دعا میں نہیں چھوٹتا۔ دارالعلوم اور دارالحدیث کی دیواروں اور اینٹوں میں حضرتؒ کی آواز گونج رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ رحمت نصیب فرمائے! اور دارالعلوم کو ان کا بدل عطا فرمائے! حضرت شیخ مدظلہٗ العالی کی پر درد اور پر سوز دعا پر مجلس اپنے اختتام کو پہونچی۔ اخیر میں مولانا مجیب اللہ صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے پرنم آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز میں ایک دن کی تعطیل کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ: آپ اپنے اپنے کمروں میں حضرت الاستاذؒ کے لئے ایصال ثواب کیجئے!

ظہر کی نماز سے پہلے ہی جنازہ احاطۂ مولسری میں لایا گیا۔ مجمع کو کنٹرول کرنے کے لئے مولسری درخت سے مائیک باندھ دیا گیا تھا۔ بار بار مختلف ہدایات کے ذریعہ انسانی سروں کے سمندروں کو قابو میں رکھا گیا۔ احاطۂ مولسری، صدر گیٹ، سڑک تک دفتر تعلیمات دارالاقامہ، اہتمام، مسجد قدیم کے راستے سب کے سب کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ ڈھائی بجے حضرت الاستاذ قاری محمد عثمان صاحب مدظلہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ صدر گیٹ سے جنازہ مزار قاسمی لایا گیا۔ مجھ جیسے کم ہمت لوگ "مدنی گیٹ" سے آگے قبرستا کی طرف آ گئے تا کہ تابوت کو ہاتھ لگانے کا شرف حاصل ہو جائیگا۔ لیکن قبرستان تک اس کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت الاستاذ مولانا قمر الدین صاحب زید مجدہٗ اور حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی زید مجدہٗ کے ساتھ "شیخ الہند" ہال کے باہر بیٹھے رہے۔ ساڑھے تین بجے مٹی دینے کی نوبت آئی۔ سب لوگ اداس چہرے کے ساتھ واپس ہو رہے تھے۔ ہر دل سے علامہ اقبال کی دعا آسمان کی طرف اٹھ رہی تھی ۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ولادت ۲۱/ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳/دسمبر ۱۹۱۸ء کو ہوئی تھی۔ اس طرح عیسوی کے لحاظ سے بیانوے سال اور ہجری کے لحاظ سے ۹۵/سال عمر پائی۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کے خیر کے ساتھ ہمیں بھی طویل عمر عطا فرمائیں (آمین)

نواں باب
ارشادات و ملفوظات

شیخ الحدیث

مولانا نصیر احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہ

ایک عمومی مصیبت اور اس کا دفعیہ

ارشاد فرمایا کہ:

آج کل سب سے بڑی ہمارے اندر یہ مصیبت ہوگئی ہے کہ ہماری زبانوں کو لگام نہیں ہے، ہر ایک دوسرے کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہے کہ وہ ایسا ہے ویسا ہے، اور اپنے بارے میں نہیں سوچتا کہ میں کیسا ہوں۔

استاذ محترم کا ذکر

ارشاد فرمایا کہ:

مولانا عبدالعزیز صاحب بڑے بزرگ آدمی تھے، گلاوٹھی ہی کے باشندے تھے، اور نومسلم تھے آج بھی ان کا خاندان گلاوٹھی میں موجود ہے، ان کی اہلیہ بڑی نیک، صلوٰۃ وصوم کی پابند تھیں یہ دونوں بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے، مولانا عبدالعزیز صاحب نے ہمیشہ بڑی دعائیں دیں (مولانا عبدالعزیز صاحب حضرت کے استاذ بھی تھے، اسی طرح وہ حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب کے بھی استاذ تھے) ہم دونوں بھائیوں سے بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، اور ہمیشہ بیٹوں کی طرح معاملہ فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے (آمین)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کی خدمت میں حاضری اور حضرت گنج مرادآبادی کا کشف

فرمایا کہ:

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کو کشف بہت ہوتا تھا، ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ حضرت کی خدمت میں ملاقات کے لئے تشریف لے گئے

،اور یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت کیا پسند فرماتے ہیں؟ اس لئے اپنی پسند سے دو چیزیں لے گئے۔

ایک پیڑہ حضرت کی خدمت میں دینے کے لئے

اور ایک شربت انار، وہ اپنے لئے افطار میں پینے کے لئے (چونکہ رمضان کا مہینہ تھا) جب پیڑہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو خوش ہو کر خدام سے فرمایا: کہ اس کو رکھلو افطار میں اس کا شربت بنا کر پیا کریں گے۔

پھر مولانا تھانویؒ سے معلوم کیا کہ آپ کے پاس کوئی دوا بھی ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ نہیں۔ ساتھیوں نے یاد دلایا کہ شربت انار تو آپ کے پاس ہے، تو مولانا نے کہا کہ حضرت شربت انار ہے، تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو آپ اپنے پینے کے لئے لے کر آئے ہیں، مولانا نے فرمایا کہ ہاں اپنے لئے لایا تھا مگر آپ کو دیتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ بہت اچھا اور قبول فرمالیا۔

ایک خوددار اور مستغنی قاری صاحب کا واقعہ

فرمایا کہ:

پہلے لوگوں میں غنا ہوتا تھا، فاقے کرتے تھے، پھر بھی طبیعت میں خودداری ہوتی تھی اور غنا ہوتا تھا، اگر کوئی خاص خادمہ بھی ان کے فاقہ کے راز کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتی تو اس کو تنبیہ کرتے تھے، کہ ایسا کیوں کیا؟

پھر اس پر ایک قاری صاحب کا قصہ سنایا کہ: ایک قاری صاحب تھے بہت عمدہ قرآن پاک پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ سفر میں جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور روپیہ پیسہ سامان کپڑے سب لوٹ کر لے گئے۔ قاری صاحب بے چارے خالی ہاتھ رہ گئے۔ کچھ ہمدرد لوگوں نے ایک تاجر سیٹھ صاحب سے اس کا ذکر کیا کہ ایک قاری صاحب قرآن بہت عمدہ پڑھتے ہیں اور ان کے ساتھ یہ معاملہ پیش آ گیا ہے، آپ ان کا قرآن پاک سنیں اور کچھ ان کی مدد کریں! وہ تیار ہو گئے اور قاری صاحب کو بلا لیا گیا۔ فرمائش پر قاری صاحب کی تلاوت سنی لوگ بہت خوش ہوئے اور سیٹھ صاحب بھی بہت خوش اور متاثر ہوئے اور جوڑا اور کچھ روپیہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اس وقت اگر چہ مجھ کو روپیہ اور رقم کی ضرورت ہے مگر تلاوت سے پہلے آپ پیش کرتے تو میں لے لیتا۔ اب قرآن کی تلاوت کے بعد اس کو لینا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ یہ تو قرآن پاک کو بیچنا ہو جائے گا یہ کہہ کر ہدایا واپس کر دئے اور لینے سے انکار کر دیا تو ایسے خوددار اور غنا والے لوگ ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ تحدیث بالنعمت کے طور پر فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ انتہائی کرم کے معاملات فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا اس عمر میں (جبکہ بیانوے سال کی عمر ہے) بہت اچھا ہوں، مال کی طرف سے بھی مجھے بے فکر کر دیا، **الحمد للہ** اور اولاد کی طرف سے بھی بے فکر کر دیا۔

الحمدللہ ہماری تمام اولاد شادی شدہ ہیں اور سب صاحب اولاد ہیں، سب نیک ہیں، اللہ نے دار العلوم میں صدر مدرس بنا دیا اور حدیث شریف کی اہم کتاب بخاری شریف کی خدمت لے رہے ہیں۔

(کم وبیش ۳۲ برس آپ نے بخاری کا سبق پڑھایا۔ ۱۳۹۷ھ سے بخاری کا سبق آپ سے متعلق تھا) اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعامات ہیں، ہم اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

حضرت مولانا بایزید صاحب خلیفۂ اجل حضرت مدنیؒ سے ایک پرلطف ملاقات اور استاذ محترم حضرت مدنیؒ کے احسانات کا ذکر جمیل

۱۲ ؍صفر المظفر ۱۴۲۷ھ بروز بدھ بعد نماز عصر حضرت مولانا بایزید صاحب (جو افریقہ میں مقیم ہیں) تشریف لائے، مولانا بایزید صاحب حضرت قطب الاقطاب شیخ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی علیہ الرحمۃ والرضوان کے تلمیذ اور خلیفہ ومجاز ہیں، شیخ مولانا نصیر احمد خان صاحب مد ظلہٗ اور مولانا بایزید کے درمیان بڑی پرلطف گفتگو رہی، دونوں بزرگ ایک دوسرے کی تواضع کے لئے بچھے جاتے تھے، اکابر کے باہمی ربط وتعلق کی یہ عجیب مثال تھی، مولانا بایزید نے فرمایا کہ دارالعلوم میں میرا داخلہ ۱۹۴۵ء میں ہوا تھا جب میں پڑھنے کے لئے آیا اس وقت بھی آپ مدرس تھے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میرا تقرر بھی ۱۹۴۵ء مطابق ۱۳۶۵ھ میں ہی ہوا تھا۔

اور فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی علیہ الرحمہ نے بلا میری درخواست کے تقرر کرا دیا، آپا جی ''اہلیہ حضرت مدنیؒ آج بھی ماشاء اللہ بقید حیات ہیں اگرچہ کمزور ہیں مگر صحیح اور سلامت ہیں اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، آمین'' (اب رحلت فرماگئیں ہیں، از: مرتب) نے مجھ سے فرمایا کہ جس دن تقرر کرایا تو حضرت بہت خوش تھے اور بڑی خوشی میں آکر گھر میں ارشاد فرمایا کہ آج ہم نے خان صاحب کا تقرر کر دیا۔ حضرت کی شروع سے آخر تک بڑی شفقتیں رہیں ہر سال بلا کہے کتابیں بدل کر ترقی دیدیتے تھے، میزان سے درس کا آغاز ہوا اور آج الحمد للہ'' **اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف**'' کا درس چل رہا ہے، آج حضرت دنیا میں نہیں ہیں مگر یہ سب حضرت کی توجہ کی برکات ہیں۔

پھر فرمایا کہ:

میں نے ترجمہ نہیں پڑھایا تھا اور حضرت نے میرے نام جلالین شریف طے فرمادی تھی، جب کہ یہاں دارالعلوم میں اصول ہے کہ جو مدرس ترجمۂ قرآن پڑھا چکا ہو اس کو جلالین دی جاتی تھی، بہرحال جلالین جب دی گئی تو کچھ معاصرین نے کہا کہ آپ نے ترجمہ تو پڑھایا نہیں ہے جلالین کس طرح پڑھاؤ گے؟ میں نے کہا کہ حضرت نے میرے نام متعین فرمادی ہے اور حضرت سے جا کر کہا کہ آپنے جلالین میرے لئے لکھ دی ہے مگر میں اس کو کیسے پڑھاؤں گا مجھ میں اتنی استعداد کہاں ہے؟ مجھ سے نہیں پڑھائی جائے گی تو ارشاد فرمایا کہ تم جوان آدمی ہو محنت کر کے پڑھاؤ! تو میں نے کہا حضرت دعا کا وعدہ فرمایئے! فرمایا کہ ہاں ہاں دعا بھی ہوگی! بس میں نے اللہ کے فضل سے پڑھائی اور متعدد مرتبہ پڑھائی اور الحمد للہ کبھی شکایت نہیں آئی۔

اور بھی کئی امور پر دونوں حضرات کا تبادلۂ خیال ہوا اور پھر قبل مغرب مولانا بایزید صاحب اجازت لے کر رخصت ہوگئے اور مجلس برخاست ہوگئی۔

دہلی کے بزرگوں کے احوال کا تجزیہ ایک نو وارد صاحبِ کشف کی زبانی

ایک مرتبہ فرمایا کہ:

دہلی میں کہیں دوسری جگہ سے ایک بزرگ آئے اور ان کو دہلی کے اکابر اور بزرگوں سے ملاقات کی خواہش ہوئی مگر وہ کسی کو جانتے نہیں تھے، اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے خلفاء دہلی میں موجود تھے۔ آنے والے بزرگ نے جامع مسجد کے خادم سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں دہلی کے بزرگوں سے ملنا چاہتا ہوں آپ میری رہنمائی کریں تو بہت اچھا ہو! خادم نے اس شرط کے ساتھ قبول کرلیا کہ جو کچھ وہاں دیکھیں اس سے مجھے بھی مطلع کریں چنانچہ چل دئے اور سب سے پہلے شاہ غلام علی صاحب (جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے خلیفہ تھے) کے پاس پہونچے، ملاقات کی، کچھ دیر بیٹھے جب باہر آئے تو خادم نے معلوم کیا کہ کیسا پایا؟

فرمایا کہ بہت بزرگ ہیں، بڑے مرتبے والے ہیں، ان کا فیض بہت دور دور تک پھیلا ہوا ہے، اس کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب کے یہاں پہونچے، ملاقات کی وہاں بھی حسب سابق کچھ دیر ٹھہرے اور پھر واپس ہوگئے، خادم نے پھر پوچھا کہ کہئے یہ بزرگ کیسے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ تو پہلے والے بزرگ سے بھی بہت بڑے اونچے مرتبہ کے ہیں۔ صاحب شریعت ہیں، بہت باکمال ہیں اور ان کے فیض شریعت کی نہریں پورے عالم میں پھیلی ہوئی ہیں اس کے بعد یہ لوگ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے پاس گئے اور ان کے پاس جا کر تھوڑی ہی دیر ٹھہرے اور اٹھکر جلدی سے چل دیئے اور کہا کہ

جلدی مجھے یہاں سے لے چلو، خادم نے معلوم کیا کہ کیا ہوا؟ تو بزرگ صاحب نے فرمایا کہ جیسے ہی میں نے اکبری مسجد کی سیڑھیوں پر قدم رکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ جو کچھ میرے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا اور میرے اوپر ان کی جلالت شان کی وجہ سے انتہائی رعب طاری ہو گیا اور یہ احساس ہوا کہ بس اب دم نکل جائے گا، اور فرمایا کہ یہ تو بہت جلالی بزرگ ہیں۔

حالات کا بگاڑ قرب قیامت کی علامت ہے

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

بھائی آج کل تو چیزوں کے ذائقے ہی بدل گئے ہیں آم کھاؤ تو اس میں ذائقہ نہیں، مٹھائی کھاؤ تو اس میں ذائقہ نہیں۔ غرض پہلے جیسے ذائقے ہی نہیں رہے بالکل بدل گئے، اور چیزوں کا ذائقہ ہی کیا، انسان ہی بدل گیا۔ پہلے جیسے انسان ہی نہیں رہے، آپس میں میل محبت، خوشگوار تعلقات ہوتے تھے، اگر ایک جگہ ہندو اور مسلم پڑوس میں رہتے تھے تو ان میں بھی محبت ہوتی تھی، ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں برابر شریک ہوتے تھے، اب وہ محبت ہی نہیں رہی، اب تو ذرا سی بات ہوئی دوسرے کو قتل کر دیا، مار دیا، کسی کا مال لوٹ لیا، کسی کی عزت و آبرو خراب کر دی، تو یہ کام کوئی انسانوں کے ہیں، یہ تو جانوروں کے کام ہیں، یہ انسانوں کے نہیں، آج کل تو اخبار میں بھی یہ خبریں زیادہ ہوتی ہیں کہ وہاں اتنے لوگ مار دئے گئے، وہاں کسی کی بیٹی کی آبروریزی کی گئی، وہاں ڈکیتی ہو گئی، وہاں بینک لوٹ لیا گیا، بس انہیں خبروں سے اخبار بھرے رہتے ہیں اور فرمایا کہ بھائی! یہ سب قرب قیامت کی علامتیں ہیں، قیامت کے قریب اسی طرح کے فتنے ہوں گے۔

شاہ عبد القادر دہلویؒ کی ایک کرامت، شیعوں میں سے اصلی سید کو پہچان لیا کرتے تھے

فرمایا کہ:

حضرت شاہ عبد القادر صاحب دہلویؒ کو اللہ تعالیٰ نے یہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ شیعوں میں جو اصلی سید ہوتے تھے، ان کو آپ پہچان لیا کرتے تھے اور پھر ان کی تعظیم بھی کیا کرتے تھے اور جو اصلی سید نہیں ہوتے تھے ان کو بھی پہچان لیتے تھے اور ان کی تعظیم نہیں کرتے تھے اور اس زمانے میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے متعلق یہ بات بہت مشہور تھی۔

اس بات کا ذکر ایک رئیس صاحب کی مجلس میں آیا اور وہ رئیس صاحب خود بھی شیعہ تھے، انہوں نے کہا کہ اچھا میں بھی حضرت کے یہاں چلتا ہوں اور اس بات کا تجربہ کروں گا اور حاضرین سے کہا کہ تم بھی چلو اور سب لوگ میرے ساتھ چلیں کوئی مجھ سے آگے نہ چلے۔ چنانچہ رئیس صاحب حضرت کے یہاں پہونچے تو حضرت شاہ صاحب نے ان کو پہچان لیا اور ان کی خوب تعظیم کی، تو اس پر رئیس صاحب نے کہا کہ: میں تو شیعہ ہوں، آپ کیوں میری تعظیم کر تے ہیں، تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ: کاتب اگر قرآن پاک لکھنے میں کہیں غلطی کر دے تو اس کو قرآن ہی کہا جائے گا یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ قرآن نہیں ہے، ہاں یہ بھی کہیں گے کہ یہاں کاتب نے غلط لکھ دیا ہے، تو اسی طرح آپ اصل میں سید ہیں اور سید ہی آپ کو کہا جائے گا، ہاں جو شیعیت کی وجہ سے نظریات غلط آ گئے ہیں ان کو غلط کہا جائے گا۔ بہر حال آپ سید ہیں اگر چہ شیعیت کی وجہ سے آپ کے نظریات غلط ہیں، اس پر وہ رئیس صاحب شیعیت سے تائب ہو گئے اور سنی ہو گئے اور جتنے لوگ ان کے ساتھ تھے وہ سب شیعہ تھے وہ سب بھی تائب ہو کر سنی بن گئے۔

اصلاح کا طریقۂ کار

اس تفصیلی قصہ کے بعد فرمایا کہ بھائی! ضد جب پیدا ہوتی ہے کہ جب مخاطب کی سامنے اس کی تردید کی جاتی ہے، پھر مناظرہ کا بازار گرم ہوتا ہے

جس کی وجہ سے ماحول خراب ہوتا ہے، اب افہام وتفہیم کا راستہ بند ہوجاتا ہے، ہونا یہ چاہئے کہ اس کی اصلاح تنہائی میں ہو جس سے وہ آپ کو اپنا خیر خواہ سمجھے اور حق قبول کرے۔

نیز فرمایا کہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ اعلیٰ درجے کے مناظر تھے، ساری زندگی مناظرے کئے مگر آخر میں فرماتے تھے کہ مناظروں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے نقصان پیدا ہوتا ہے اور میرا بھی مناظروں میں بہت وقت ضائع ہوا اس سے ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہوتی ہے، اصلاح کے لئے مناظرہ کا راستہ ترک کرکے خیر خواہی اور نرمی کے ساتھ افہام وتفہیم کا کام کرنا چاہئے اسی سے فائدہ ہوتا ہے، اسی سے اصلاح ہوتی ہے۔

علماء نہ ہوں تو دین کا کام ٹھپ ہوجائے

ایک مرتبہ آپ کے ایک قدیم شاگرد حضرت مولانا محمد غفران صاحب کٹکی عصر کے بعد ملاقات کے لئے تشریف لائے، مولانا کی فراغت ۱۹۶۶ء کی ہے، حضرت شیخ سے جلالین شریف اور مختصر المعانی پڑھی ہے، حسب عادت مزاج پرسی فرمائی پھر معلوم فرمایا کیا آپ کا مدرسہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں مدرسۂ عالیہ سے رٹائر ہوگیا ہوں اور دو مدرسوں کی اس وقت ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہوں، حضرت نے معلوم فرمایا کہ آپ کا کوئی عزیز اس وقت دار العلوم میں پڑھتا ہے، انہوں نے کہا کہ ہاں میرا بچہ دار العلوم کے درجۂ ششم میں پڑھتا ہے، فرمایا کہ دو سال کے بعد یہ بھی فارغ ہوجائیں گے اور آپ کا خاندان ان شاء اللہ علماء کا خاندان ہوگا۔

اور پھر ارشاد فرمایا کہ بھائی علماء کی بڑی برکت ہے، خاندان میں کوئی عالم دین ہو، حافظ ہو اس کی بڑی خیر وبرکت ہوتی ہے، اور اس کا اصل علم تو بھائی آخرت میں ہوگا، اللہ کے یہاں ان کے بڑے بڑے درجات ہونگے، یہاں تو آج کل حافظ کو، عالم دین کو لوگ بے کار ہی سمجھتے ہیں، ان کی کوئی قدر نہیں کرتے، ان کی توہین کرتے ہیں، حالانکہ دین شریعت کی یہی لوگ حفاظت کرتے ہیں، اگر یہ لوگ نہ ہوں تو دین کا کام ہی ٹھپ ہوکر رہ جائے، اس لئے بھائی اس کی بڑی قدر کرنا چاہئے، پھر اس پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیہٹویؒ کا ایک قصہ سنایا۔

طلبۂ دین کی قدر کرنی چاہئے

فرمایا کہ:

مظاہر علوم سہارنپور میں ایک طالب علم مطبخ میں کھانا لینے گیا تو ناظم مطبخ نے اس کو جلی ہوئی روٹی دی، اس نے لینے سے انکار کردیا کہ میں جلی ہوئی روٹی نہیں لیتا، ناظم نے کہا کہ میں اس کو اپنے حساب میں نہیں لگاؤں گا، تم کو لینی ہوگی، اور مزید ڈانٹ ڈپٹ بھی کی کہ تمہیں دن لگ گئے ہیں، بہت مزاج خراب ہوگیا ہے وغیرہ۔ وہ طالب علم حضرت کے پاس شکایت لے کر گیا اور پورا قصہ حضرت کو سنایا حضرت پوری بات سن کر مطبخ میں تشریف لائے اور ناظم مطبخ سے معلوم کیا کہ تمہارا اس طالب علم کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ اس نے بتایا۔ حضرت نے پوری تفصیل سن کر فرمایا کہ تمہیں یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ مجھے اور تمہیں جو تنخواہ ملتی ہے وہ انہیں طلبہ کی وجہ سے ملتی ہے، انہیں کی وجہ سے مدرسہ قائم ہے، اگر یہ نہ ہوں گے تو نہ مدرسہ ہوگا نہ اساتذہ ہونگے اور جب مدرسہ ہی نہ ہوگا نہ تمہاری ضرورت ہوگی اور نہ میری ضرورت ہوگی۔ اس لئے تمہیں روٹی انہیں طلبہ کی وجہ سے ملتی ہے اور تم ان کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہو؟ حضرت بہت سخت ناراض ہوئے اور اب تو معاف کرتا ہوں اگر آئندہ ایسی غلطی کی تو مدرسہ سے تمہیں نکال دوں گا۔

ہلال رمضان کے تعلق سے شاہ عبد القادر صاحب کی ایک عجیب کرامت اور ولی اللّٰہی خاندان کی خدمات کا ذکر

فرمایا کہ:

حضرت شاہ عبد القادر صاحب دہلوی کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ اگر رمضان کی پہلی شب میں تراویح میں دو پارے پڑھتے ہیں تو رمضان کی ۲۹/تاریخ کو چاند ہوگا اور ایک پارہ پڑھا ہے تو رمضان پورے تیس ہوں گے اور تیس رمضان کو شوال کا چاند نظر آئے گا، ہر روز ایک پارہ پڑھتے تھے انتیس کے چاند کی وجہ سے پہلی شب میں دو پارے پڑھتے تھے اور یہ بات اتنی مشہور تھی کہ اسی اعتبار سے لوگ اپنے اپنے کام کرتے تھے درزی، دھوبی اور دیگر لوگ اسی کے حساب سے کام لیتے تھے۔ اگر پہلی شب میں دو پارے پڑھے ہیں تو تمام لوگ ۲۹/رمضان تک اپنے اپنے کام کرتے تھے۔ اگر پہلی شب میں ایک پارہ پڑھا ہے تو لوگ سمجھتے تھے کہ پورے ۳۰/روزے ہوں گے اس لئے تیس رمضان تک کام لیتے تھے

فرمایا کہ یہ ان کی کھلی ہوئی کرامت تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب دہلویؒ کو بڑے کمالات عطا فرمائے تھے۔ اسی طرح ان کے خاندان کے لوگوں کا حال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بڑے بڑے فضل و کمال عطا فرمائے تھے، خاص طور سے اس خاندان سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی تفسیر اور حدیث کی اشاعت کے سلسلے میں بڑا کام لیا، متحدہ ہندوستان بلکہ پورے ایشیاء میں خدمت قرآن و حدیث کا سہرا اسی خاندان کے سر ہے، ان حضرات نے بڑی قربانیاں دی ہیں اور قرآن و حدیث کے علوم کو خوب پھیلایا ہے۔

بنیادی کتابوں میں بے انتہا محنت کی ضرورت ہے

مولوی مفتی سید عفان منصور پوری ابن حضرت الاستاذ مولانا قاری سید عثمان صاحب منصور پوری نائب مہتمم دار العلوم دیوبند ملاقات کے لئے حاضر ہوئے جو اس وقت ''جامعہ قاسمیہ شاہی مدرسہ'' کے ہونہار مدرس تھے موصوف فطرتاً بڑے نیک اور سنجیدہ ہیں، دار العلوم کے دوران تعلیم حضرت کے یہاں آتے رہتے تھے (حضرت کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہیں مدرس ہو گئے ہیں) معلوم کیا کہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ''شاہی'' میں خدمت کر رہا ہوں حضرت نے فرمایا بہت اچھا اور معلوم کیا کہ کیا کیا کتابیں پڑھا رہے ہو؟ مولوی عفان صاحب نے بتایا کہ ہدایۃ النحو، کافیہ، قدوری، ترجمۂ کلام پاک پڑھا رہا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ بہت اچھا اور یہ بنیادی کتابیں ہیں انکو خوب محنت سے پڑھانا چاہئے، ان سے استعداد پختہ ہوتی ہے ان کو چھوٹی کتابیں نہیں سمجھنا چاہئے اور فرمایا کہ میں نے بھی دار العلوم دیوبند میں میزان سے پڑھانا شروع کیا ہے، میزان، نحو میر، صرف میر، ہدایۃ النحو، کافیہ وغیرہ کتب بہت عرصہ تک پڑھائیں، شرح جامی بھی کافی عرصہ تک پڑھائی اور جب ان کتب کو پڑھاتا تھا تو جی یہ چاہتا تھا کہ کہ بس انہیں کتب کو پڑھاتا رہوں اور کتابوں کی ضرورت نہیں ہے، اس زمانہ میں قندھار، کابل، وغیرہ کے طلبہ بھی آتے تھے درسی کتابوں اور حواشی کو حفظ کر کے لاتے تھے، میں شرح جامی کو بہت سی شروحات اور حواشی کو دیکھ کر پڑھاتا تھا تو وہ طلبہ بہت خوش ہوتے تھے اور میرے یہاں جماعت بہت زیادہ رہتی تھی اس زمانہ میں طلبہ بڑے ذی استعداد ہوتے تھے، محنتی اور باادب ہوتے تھے، آج کل ایسے طلبہ نہیں ہوتے مگر فرمایا کہ بھائی یہ بھی غنیمت ہے انہیں سے مدارس آباد ہیں کل ایسے بھی نہیں ہو ں گے۔

احتیاط کے فقدان پر اظہار افسوس اور مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے کمال احتیاط کا ذکر

حضرت کی مجلس میں ایک صاحب کا ذکر ہوا کہ فلاں صاحب ایک جلسہ کر رہے ہیں اسی جلسے میں کوئی شادی رکھیں گے کوئی عقیقہ کریں گے کوئی ایک دو پروگرام کریں گے، حضرت نے فرمایا کہ اس میں خرچ تو مدرسہ ہی کا ہوتا ہوگا خرچ مدرسے کا ہوا اور اس میں ذاتی کام بھی شامل کر لئے جائیں، بھائی! یہ دہ دردہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا یہ چیز احتیاط کے خلاف ہے، ہمارے اکابر، بزرگ اس کا بڑا خیال رکھتے تھے، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب مہتمم دار العلوم کا حوالہ دیکر فرمایا کہ یہ حضرات اس قدر محتاط تھے کہ اگر مدرسہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اوقات مدرسہ میں کوئی ذاتی تحریر لکھنی ہوتی جس کا تعلق مدرسہ سے نہیں ہوتا

تو اس مدرسہ کے قلم سے نہیں لکھتے تھے، بلکہ اس کے لئے اپنا ذاتی قلم اور ذاتی کاغذ استعمال فرماتے تھے، گویا اپنے ذاتی کام کے لئے مدرسہ کی روشنائی اور قلم اور کاغذ تک کا استعمال نہیں فرماتے تھے، جبکہ اس زمانے میں اس کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی ہے اور اس کو بہت معمولی سمجھا جاتا ہے۔

کسی کے اعتماد کو خراب نہیں کرنا چاہئے

فرمایا کہ:

کسی کے اعتماد کو خراب نہیں کرنا چاہئے اگر کسی کو کسی شخص پر اعتماد ہے تو اس کا اعتماد باقی رکھ کر بات چیت کی جائے، اس پر ایک قصہ سنایا کہ حضرت تھانویؒ نے ایک حکیم صاحب کا واقعہ لکھا ہے کہ ان حکیم صاحب کے پاس ایک مریض آئے اور حکیم صاحب نے ان کی نبض دیکھ کر ان کے لئے نسخہ لکھ دیا ، اگلے دن وہ مریض پھر آیا کہ حکیم صاحب آج بھی نسخہ لکھ دیں حکیم صاحب نے معلوم کیا کہ کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ فائدہ ہے! حال اچھا ہے، حکیم نے کہا کہ نسخہ لاؤ! تو اس نے کہا کہ نسخہ تو میں نے گھول کر پی لیا (اس غریب نے نسخے والے کاغذ کو بھی پکا کر پی لیا تھا) تو حکیم صاحب نے اس کو ڈانٹا نہیں اور نہ کچھ کہا بلکہ اس کو دوسرا نسخہ لکھ کر دیدیا اور مزید کہا کہ اگر ضرورت پڑے تم پھر لکھوا کر لے جانا، پھر فرمایا کہ جب کسی چیز پر اعتقاد ہو جاتا ہے تو پھر اس سے فائدہ بھی ہو جاتا ہے، ہندوستان میں آج تک یہ رواج ہے کہ جب نماز پڑھ کر لوگ نکلتے ہیں تو بہت سی عورتیں اور بڑے بچے چھوٹے بچوں کو لے کر مسجد کے باہر کھڑے ہو جاتے ہیں اور نمازیوں سے دم کراتے ہیں چنانچہ بچوں کو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے شفا دیدیتے ہیں اور ان لوگوں کو اس دم پر اتنا اعتقاد ہے کہ اگر بچوں پر مسجد میں دم کرالیا تو بس بچے صحت یاب ہو جاتے ہیں اور پھر دوا کی حاجت نہیں رہتی، یہ رواج دم کرانے کا ادھر کے علاقوں میں بھی بہت تھا اور اب بھی ہے اگرچہ آج کل بہت کم ہے، دیہات وغیرہ میں آج بھی ہے۔

حدیث شریف کی عبارت صاف پڑھنا چاہئے

فرمایا کہ:

بعض طلبہ تو عبارت اتنی صاف پڑھتے ہیں کہ ایک ایک لفظ بالکل صاف سمجھ میں آتا ہے اور بعض طلبہ ایسا پڑھتے ہیں کہ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا یہاں تک کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی سمجھ میں نہیں آتا اور نہ آپ کے نام کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہیں اور اگر پڑھتے ہیں تو صاف نہیں پڑھتے ، یہ انتہائی تکلیف کی بات ہے۔ جب بھی آپ کا نام نامی آئے سب کو درود شریف پڑھنا چاہئے اور یہی ہماری درسگاہ کا امتیاز ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جتنا درود شریف دار العلوم میں پڑھا جاتا ہے اتنا دنیا کے کسی خطے میں نہیں پڑھا جاتا، صبح سے لے کر رات کے بارہ بجے تک طلبۂ حدیث شریف درود پڑھتے ہیں اور فرمایا کہ: میں نے کئی مرتبہ طلبہ سے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا طریقہ بیان فرماتی ہیں کہ آپ اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ ہر بات بالکل واضح اور صاف ہوتی تھی۔ یہ تمام احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کی حکایت ہیں۔ اس لئے ان کو بالکل صاف پڑھنا چاہئے اور آپ کے نام پر ہر مرتبہ درود شریف بھی پڑھنا چاہئے۔

حدیث کی عبارت خوانی کے سلسلے میں دار العلوم دیو بند کا خصوصی امتیاز

دار العلوم دیو بند کا یہ بھی ایک خصوصی امتیاز ہے کہ یہاں حدیث شریف کی عبارت خوانی پر بہت توجہ دیجاتی ہے اس کی رفتار تیز نہ ہو، الفاظ صاف ہوں، حروف کی تصحیح بھی ہو اور بقدر ضرورت حرف میں تجوید کی بھی رعایت ہو چنانچہ حدیث شریف کے بعض اساتذہ تاکید فرماتے ہیں کہ جس طرح نماز میں ترتیلاً قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اسی طرح ترتیلاً احادیث شریف کی بھی تلاوت ہونی چاہئے اس سے زیادہ تیز نہیں پڑھنا چاہئے۔ (از مرتب)

مولانا عبد القادر رائے پوری اور دیگر اکابر کا ذکر

فرمایا کہ:

ہم نے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کو تو دیکھا نہیں البتہ حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو ضرور دیکھا ہے، اتنے حسین تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسان نہیں بلکہ کوئی فرشتہ بیٹھا ہوا ہے، نہایت نیک وصالح بزرگ، البتہ ان کو کچھ عوارض تھے، بواسیر وغیرہ جس کی وجہ سے وہیں خانقاہ میں الگ جماعت سے نماز پڑھتے تھے اور بہت مختصر نماز ہوتی تھی، فجر میں چھوٹی سورتوں سے ان کی جماعت ہوتی تھی، آخر عمر میں پاکستان گئے تھے وہیں ان کا انتقال ہوگیا، اب مریدین میں اختلاف ہوگیا، پاکستان کے مریدین حضرت کو وہیں دفن کرنا چاہتے تھے، ہندوستانی مریدین ہندستان لانا چاہتے تھے اس میں اختلاف ہوگیا، مشورہ ہوا کہ فیصلہ ہونے تک حضرت کی نعش مبارک کو امانت رکھ دیا جائے۔ چنانچہ نماز جنازہ کے بعد مسجد کے فرش پر ایک طرف جنازہ رکھ کر اوپر سے ڈاٹ بنا دی گئی اور آج تک اسی شکل میں ہے، پھر اسی کو قبر تصور کرلیا گیا اس کے بعد حضرت نے مزاحاً فرمایا کہ بزرگوں کی بھی بیچاروں کی بڑی مصیبت ہے، زندگی میں بھی مریدین لئے پھرتے ہیں اور وفات کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اگر مریدین کا بس چلے تو پیر صاحب کا اچار بنالیں، کچھ وقفے کے بعد فرمایا کہ بھائی جن بزرگوں کی ہم نے زیارت کی ہے اب ان کی مثالیں ملنا مشکل ہے، ان کو دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، دیوبند میں حضرت میاں صاحب علیہ الرحمہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث، شاہ عبدالقادر صاحب وغیرہ اور لطف یہ ہے کہ یہ سب لوگ ایک ہی زمانے میں تھے ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ ایک دوسرے کا نہایت ادب واحترام کرتے تھے، ان کے قلوب میں ایک دوسرے کی بڑی تعظیم تھی اور جب یہ لوگ سب ایک جگہ جمع ہوجاتے تھے تو بڑا عجیب منظر ہوتا تھا، ان اکابر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ تو بڑھاپے میں اتنے حسین وخوبصورت تھے کہ دیکھنے والا متحیر ہوجاتا تھا، گلاؤٹھی ہر سال جلسے میں تشریف لے جاتے تھے اور جب بھی گلاؤٹھی تشریف لے جاتے تو صوفی کرم حسین کے یہاں ان سے ملاقات کے لئے ضرور تشریف لے جاتے تھے، صوفی جی کا تعلق حضرت گنگوہیؒ سے تھا۔ اس لئے حضرت مدنی ان کے یہاں ضرور تشریف لے جاتے تھے تو مدرسہ سے صوفی جی کے مکان تک جس وقت حضرت تشریف لے جاتے تھے اس وقت لوگ راستے میں حضرت کو بڑے تعجب اور حیرت سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ غیر مسلم بنئے بھی اپنی اپنی دکانوں سے اتر کر راستوں میں کھڑے ہوکر بڑی عقیدت سے حضرت کو دیکھتے تھے، بڑی نورانیت اللہ نے آپ کو عطا فرمائی تھی، اب ایسی نورانیت کس میں ہے؟

سلسلۂ گفتگو اچانک روک کر حضرت نے گھڑی دیکھی، یاد فرمایا کہ آج تو چائے بھی نہیں آئی، یاد ہی نہیں رہا، مجلس میں موجود حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب نے عرض کیا، حضرت کے ملفوظات تو چائے سے بھی زیادہ شیریں ہیں، چائے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اس پر حضرت کو قدرے رقت ہوگئی اور فرمایا کہ بھائی میرے کیا ملفوظات ہیں، میرے اوپر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے ورنہ تو "من آنم کہ من دانم" مجھے اپنی حقیقت کا خود پتہ ہے نیز فرمایا کہ بھائی! ہم لوگ تو پیٹ کے بندے ہیں اور یہ لوگ اللہ کے خاص بندے تھے، اس درمیان اندر گھر میں سے شربت روح افزا آگیا، حضرت دیکھ کر خوش ہوگئے اور فرمایا کہ پیؤ بھائی پیؤ! اور سب کو پلاؤ! قاری صاحب مدظلہٗ نے عرض کیا حضرت آپنے چائے کو یاد کیا تھا اس سے بہتر چیز گرمی کے موسم کے لحاظ سے اللہ نے شربت بھیج دیا، حضرت نے فرمایا جی ہاں! اور شربت پلا کر نماز مغرب کی تیاری کے لئے اٹھ گئے اور مجلس برخاست ہوگئی۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ کی شان خطابت

فرمایا کہ:

ایک دفعہ سہارنپور میں ایک جلسہ ہوا، اس جلسہ میں بہت سے علماء کو تقریر کرنی تھی، حضرت نانوتوی کو بھی مدعو کیا گیا تھا، حضرت تشریف لے گئے اور شروع میں ہی حضرت کی تقریر ہوگئی، حضرت کے بعد کئی علماء کی تقریریں تھیں مگر کوئی بھی عالم صاحب تقریر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے اور علماء نے کہا کہ

اب آپ کی تقریر کے بعد کون تقریر کر سکتا ہے کسی کی مجال نہیں، کہ آپ کی تقریر اتنی ٹھوس اور مدلل تھی کہ جس کے بعد کسی کی تقریر چل ہی نہیں سکتی تھی پھر آپ کی جلالت علمی کی شان ہی کچھ ایسی تھی کہ بڑے بڑے لوگ مرعوب ہو جاتے تھے اس لئے آپ کی تقریر کے بعد کوئی تقریر نہیں کر سکا اور جلسہ ختم ہو گیا۔

حضرت نانوتویؒ رؤساء کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے

فرمایا کہ:

حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کا تعلق گلاؤٹھی اور خورجہ کے لوگوں سے بہت تھا اگر چہ بلند شہر درمیان میں پڑتا تھا مگر وہاں آمد و رفت حضرت کی نہیں تھی اور وہ لوگ بھی حضرت سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے تھے، خورجہ میں بڑے بڑے رئیس اور اونچے خاندان کے سرمایہ دار لوگ بھی تھے جو حضرت سے عقیدت رکھتے تھے اور حضرت کی خوب تواضع کرتے تھے مگر عجیب بات ہے کہ حضرت کسی کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے۔

حضرت نانوتویؒ کے استغناء کا عجیب واقعہ

فرمایا کہ:

ایک دفعہ میرٹھ کے مشہور اور بڑے تاجر شیخ عبدالکریم صاحب ملاقات کے لئے حضرت کے پاس آئے اس وقت حضرت چھتہ کی مسجد کے احاطہ میں حجامت بنوا رہے تھے، شیخ عبدالکریم ایک بڑی رقم حضرت کو دینا چاہتے تھے، حضرت نے ان کی طرف سے منھ پھیر لیا، انہوں نے دوسری جانب کو آکر پیش کش کی، حضرت نے ادھر سے بھی منھ پھیر لیا، غرض یہ کہ حضرت نے کسی طرح ان کا ہدیہ قبول نہیں کیا، انہوں نے مجبور ہو کر یہ کیا کہ حضرت کی جوتیوں میں وہ رقم ڈال گئے، جب حضرت باہر آئے تو دیکھا کہ جوتیوں میں رقم پڑی ہوئی ہے، حضرت نے جوتیاں جھاڑ دیں اور اس رقم کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

حضرت نانوتویؒ کا تعلق صرف اللہ واسطے ہوتا تھا، آپ کے مخلصانہ تعلق کا حیرت انگیز واقعہ

فرمایا کہ:

ایک نواب صاحب تھے وہ حضرت نانوتویؒ سے ملاقات کے خواہشمند تھے مگر حضرت ان سے ملتے نہیں تھے، ان صاحب کو جب معلوم ہوتا کہ حضرت فلاں جگہ ہیں تو وہ صاحب ملاقات کے لئے آتے مگر حضرت وہاں سے رخصت ہو کر دوسری جگہ چلے جاتے، جب نواب صاحب دوسری جگہ پہونچتے تو حضرت وہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جاتے اور نواب صاحب سے کہلا دیتے کہ ملاقات کے لئے یہ شرط ہے کہ غازی آباد کے اسٹیشن پر مسجد بنوا دیں، نواب صاحب مسجد بنوا نہیں سکے اور حضرت نے ان کو ملاقات کا موقع نہیں دیا، شاید کوئی مجبوری ہوگی یا سرکار انگریزی سے اجازت نہ ملی ہو، اس لئے نواب صاحب وہاں مسجد نہ بنوا سکے ہوں، حضرت نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی اور ہمارے تمام اکابر کو اللہ سے ایسا تعلق تھا کہ دنیا و مافیہا کی ان کے سامنے کوئی قدر و قیمت نہیں تھی یہ لوگ خالص اللہ والے تھے۔

دہلی کے دو مجذوب جن کے ذمہ تکوینی امور تھے

فرمایا کہ:

پہلے زمانے میں دہلی میں مجذوب بہت رہتے تھے، اب کا تو علم نہیں مگر پہلے زمانے میں بہت رہتے تھے، ان کے ذمہ تکوینی امور بھی ہوتے تھے اور وہ لوگ مختلف رنگ میں رہتے تھے ایک صاحب ایک مجذوب کے پاس گئے وہ تربوز بیچتے تھے ان صاحب نے تربوز لیا وہ میٹھا نہیں تھا کہا تربوز تو میٹھا نہیں ہے انہوں نے کہا کہ دوسرا لے لو! انہوں نے دوسرا لے لیا اور اس کے بارے میں بھی کہہ دیا کہ میٹھا نہیں ہے انہوں نے کہا کہ اور لے لو! غرض انہوں نے سارے تربوز کاٹ کر خراب کر دئے اور لیا ایک بھی نہیں اور سب خراب کر کے چلے گئے، اب یہ صاحب دوسرے مجذوب کے پاس گئے وہ جامع مسجد دہلی میں

پانی پلا رہے تھے انہوں نے پانی تھوڑا سا گرا دیا تو مجذوب صاحب نے ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا کہ کیا تربوز والا سمجھ رکھا ہے؟ ایسے ہی عجیب عجیب ان کے واقعات ہوتے تھے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے ایک مخالف کے لئے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کا دعا سے انکار کرنا

فرمایا کہ:

دیوبند کے ایک صاحب تھے ان کے ذمہ کوئی مقدمہ لگ گیا اور اس میں ان پر کوئی بڑی رقم واجب الادا ہوگئی، وہ بہت پریشان ہوئے اور ناچار و مجبور ہوکر دعا کے لئے حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے یہاں گئے، ان سے جاکر عرض کیا کہ حضرت میں دعا کے لئے حاضر ہوا ہوں، ایسا ایسا معاملہ ہے! میں بہت زیادہ پریشان ہوں! معلوم کیا کہ کہاں سے آنا ہوا ہے، انہوں نے کہا کہ دیوبند سے، حضرت نے فرمایا کہ دیوبند سے آئے ہو؟ تو گنگوہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے پاس نہیں گئے؟ دیوبند سے تو گنگوہ قریب ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت! مجھے تو آپ سے عقیدت ہے! میں آپ سے دعا کرانے حاضر ہوا ہوں اور بہت اصرار کیا اور حضرت منع کرتے رہے، اور آخر میں فرمایا کہ اگر تمام اولیاء بھی ملکر تمہارے لئے دعا کریں تو تمہارا مسئلہ حل نہیں ہوگا، تمہارا مسئلہ صرف گنگوہ سے حل ہوگا! تم وہاں جاکر دعا کراؤ! وہ صاحب گنگوہ گئے اور جاکر حضرت سے دعا کے لئے کہا تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے میرا کوئی نقصان نہیں کیا ہے۔ تم نے میری کوئی مخالفت نہیں کی ہے بلکہ تم نے اللہ کی مخالفت کی ہے پہلے تم اس سے توبہ کرو پھر میں دعا کروں گا۔ یہ صاحب دارالعلوم کے مخالف تھے اور دارالعلوم میں ممبری کے خواہشمند تھے، ممبر نہ بنائے جانے پر دارالعلوم کی مخالفت کرتے تھے۔ اب حضرت کے کہنے پر ان کو تنبیہ ہوئی اور انہوں نے توبہ کی پھر حضرت نے بھی دعا فرمائی اور ان کا مسئلہ حل ہوگیا، مقدمہ میں بھی ان کو کامیابی مل گئی۔ دراصل مسئلہ یہ تھا کہ بعض اہل دیوبند (جو علماء میں سے نہیں تھے) یہ چاہتے تھے کہ ہم لوگ مدرسے کے ممبر بنیں اور اس کے سیاہ وسفید کے مالک ہوں۔ ادھر حضرت گنگوہی دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ تھے، ان کی تاکید تھی کہ کسی غیر عالم کو ممبر نہ بنائیں! ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ نے حضرت کو لکھا بھی تھا کہ اگر ان میں سے ایک دو ممبر بنالیں تو کیا حرج ہے؟ اور تو سب لوگ علماء ہی رہیں گے اور ہماری اکثریت رہے گی اس لئے کیا حرج ہے؟ حضرت گنگوہی نے جواب دیا کہ مدرسہ سے مقصود رضائے الٰہی ہے، محض مدرسہ مقصود نہیں ہے۔ ہمارے ذمہ اللہ کی رضا جوئی ہے اور مدرسہ اس کا ذریعہ، اگر ان کے ممبر نہ بنانے سے انتشار ہو تو مدرسہ بند کردیا جائے اس کی ضرورت نہیں ہے مگر ان کو ہرگز ممبر نہ بنایا جائے (اس زمانے میں ممکن ہے کہ اس طرح کے کچھ لوگ ہوں گے جن کے مزاج میں شرارت ہو جب کہ اوپر کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح کے لوگوں کے لئے حضرت منع فرماتے تھے۔ ورنہ عموماً اہل دیوبند علماء کے معتقد اور قدرشناس رہے ہیں۔ اور دارالعلوم کے خدام رہے اور انہوں نے بہت سے نازک مرحلوں میں دارالعلوم اور اس کے ذمہ داروں کا ساتھ دیا ہے اور ہر ممکن تعاون پیش کرتے رہے ہیں، از ناقل)

حضرت شاہ ولی اللہ، مرزا مظہر جان جاناں اور مولانا فخر الدین صاحب کا واقعہ

بزرگوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں، اس پر حضرت دہلوی: مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت مولانا فخر الدینؒ کا درج ذیل واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا کہ:

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ان تینوں بزرگوں کی ایک صاحب نے دعوت کردی، تینوں بزرگ بڑے اونچے درجے کے لوگ ہیں، تینوں اس زمانے کے اقطاب ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو دنیا جانتی ہے، انہوں نے اور ان کے خاندان نے قرآن وحدیث کی وہ خدمات انجام دی ہیں جنہیں کبھی

فراموش نہیں کیا جاسکتا، اور حضرت مرزا صاحب بھی بڑے عالم، شاہی خاندان سے ان کا تعلق ہے، حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ سے قرابت کا تعلق ہے اور مزاج میں بڑی نزاکت تھی اور مولانا فخر الدین صاحب دہلی میں چشتیہ سلسلہ کے اونچے درجے کے بزرگ ہیں۔ خیر! یہ حضرات دعوت کے لئے اس کے مکان پر پہونچ گئے، اب اس نے یہ کیا کہ ان لوگوں کو بٹھا کر گھر سے غائب ہوگیا۔ دوپہر کی دعوت تھی اب یہ لوگ انتظار کررہے ہیں، اب ظہر کے بعد کافی دیر میں آتا ہے اور اس نے تینوں بزرگوں کو بجائے کھانا کھلانے کے ایک ایک پیسہ دیا کہ آپ لوگ اپنے طور پر کھانا کھالیں! اس پر حضرت مولانا فخر الدین صاحب نے تو اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم صبح سے مزدوری کرتے تو ایک پیسہ نہیں کماتے تم نے ہمیں بیٹھے بٹھائے ایک پیسہ دے دیا اس لئے بھائی تمہارا بہت بہت شکریہ!

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے کچھ نہیں فرمایا اور وہ خاموش رہے اور حضرت مرزا صاحب اس پر بہت ناراض ہوئے کہ تو نے ان بزرگوں کا وقت خراب کیا اور ان کو لاکر یہاں بٹھادیا یہ لوگ درس وتدریس کا کام کرتے اور کچھ دینی کام کرتے۔ خبردار! آئندہ ہرگز ایسی حرکت نہ کرنا۔

حضرت شاہ عبد العزیز کے زمانے میں ایک ملحد کی عجیب گستاخی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا دانشمندانہ تعاقب

فرمایا کہ:

حضرت شاہ صاحب کے زمانے میں شیعہ، دہریہ، ملحدین اور جاہل پیروں اور جوگیوں کا بڑا زور تھا، یہ لوگ دین کا بہت مذاق اڑاتے تھے۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب آخر میں نابینا ہوگئے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت جامع مسجد کی طرف جارہے تھے۔ ساتھ میں آپ کے خادم بھی تھے، نصیر الدین ان کا نام ہے، آپ نے دور سے شور کی آواز سنی اور خادم سے کہا دیکھ کر آؤ کہ کیا شور ہے؟

خادم گئے اور دیکھا کہ ایک شخص ننگا دھڑنگا مجمع میں کھڑا ہوا ہے اور اس نے اپنے عضو مخصوص میں دھاگا باندھ رکھا ہے اور اس کو حرکت دے کر کہتا ہے کہ دیکھو یہ اللہ کا الف ہے، گستاخی کررہا ہے، ہر قسم کے لوگ جمع ہیں، خادم صاحب نے حضرت کو بتانے سے احتراز کیا کہ حضرت کچھ نہیں ویسے ہی شور ہے، کوئی بات نہیں، حضرت نے فرمایا کہ نہیں بتاؤ! چنانچہ خادم نے بتایا کہ حضرت وہ ایسی ایسی گستاخی کررہا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ جاؤ! اور اس کی پیٹھ پر لات مارکر یہ کہنا کہ الف تو خالی ہوتا ہے اس کے نیچے نقطے نہیں ہوتے، تیرے الف کے نیچے یہ دو نقطے کیسے ہیں؟ چنانچہ خادم نے اسی طرح کیا اور ایک زوردار لات مارکر اس سے اسی طرح کہا بس پھر کیا تھا لوگوں میں ٹھٹھا لگ گیا اور خوب اس کا مذاق اڑایا اور پھر وہ بھاگ گیا۔

کسی انسان کو جو رزق ملتا ہے اس میں تنہا اسی کا حصہ نہیں ہوتا ہے

فرمایا کہ:

انسان کو جو رزق ملتا ہے وہ صرف اس کے مقدر کا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں بہت سے لوگوں کے حصے ہوتے ہیں، چھوٹوں کے، بڑوں کے پڑوسیوں کے، رشتہ داروں کے۔

انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں تنہا اکیلا کماتا ہوں بچوں وغیرہ کی کفالت کرتا ہوں اس میں صرف میرا ہی احسان ہے؛ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اصل کفالت کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، وہی انسانوں کی اور تمام انسانوں کی کفالت کرتے ہیں، ان کو پالتے ہیں، اور روزی دیتے ہیں بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

کہ چھوٹوں کی وجہ سے بڑوں کو رزق دیتے ہیں بیوی کی وجہ سے شوہر کو روزی دیتے ہیں اس لئے انسان کو اس طرح نہیں سوچنا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ صبح کو ہمارے یہاں بہت سے پوتے پوتیاں سب جمع ہو کر آتے ہیں دادا جی پیسے لایئے! اور ہر ایک ان میں سے پانچ روپیہ لیتا ہے اور ایک دو روپیہ دو، تو کہتے ہیں کہ دادا جی ایک دو روپیہ میں کچھ نہیں ہوتا۔ بہر حال سب بچے پانچ پانچ روپیہ لیتے ہیں اور ہم بھی خوشی کے ساتھ ان کو دیتے ہیں ،اللہ کا انعام ہے کہ اس نے ان کی شکل میں اپنی نعمتوں سے نوازا، یہ سب رونق انہیں سے ہے اور میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کی ضرورتوں کے اعتبار سے دیتے ہیں اور جیسی جیسی ان کی ضرورتیں بڑھتی رہتی ہیں اللہ اسی کے بقدر عطا فرماتے رہتے ہیں۔ ہمیں بالکل یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ تنہا ہم ہی ان کے کفیل ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کفیل ہیں اور جب اس طرح انسان سوچے گا تو اس کو خرچ کرنے میں بھی کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں ہوگی اور بلکہ خوشی سے خرچ کریگا اور اس خرچ کرنے پر بھی اس کو اجر و ثواب ملے گا، یہ مزید اللہ کا انعام ہے۔

کھانے اور کھلانے میں علماء کا معمول اور ان کے چہرے پر رونق کا سبب

فرمایا کہ:

عوام میں مشہور ہے کہ مولوی لوگ کھاتے بہت ہیں، اسی وجہ سے خوب موٹے موٹے ہوتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم نے اپنے اکابر بزرگوں کو دیکھا ہے کہ خود تو بہت کم خوراک ہیں مگر دوسرے حضرات کی میزبانی خوب کرتے ہیں، دوسروں کو خوب کھلاتے ہیں۔ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کو دیکھا کہ ان کا دسترخوان مہمانوں کے لئے ہمیشہ وسیع رہتا تھا۔ خود بھی حضرت مہمانوں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ چمڑے کا گول دسترخوان ہوتا تھا مہمان اس کے چاروں جانب بیٹھ جاتے اور حضرت بھی بیٹھتے۔ روٹیاں حضرت اپنے پاس کپڑے میں رکھتے اور جس کے پاس روٹی ختم ہوتی اس کے سامنے رکھ دیتے، مہمانوں پر پوری نظر رہتی تھی اور خود بہت کم کھاتے تھے، بس چھوٹے چھوٹے بچوں کے سے لقمے لیتے رہتے تھے۔

اسی طرح سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے یہاں بھی دیکھا، جمعہ کو اکثر میری حاضری ہوتی اور جمعہ کی نماز کے بعد کھانا حضرت کے ساتھ ہی کھانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ مہمانوں کو خوب کھلاتے اور خود بہت کم کھاتے بس تھوڑا تھوڑا مہمانوں کے ساتھ لیتے رہتے تھے؛ حالانکہ حضرت شیخ کا بدن فربہ تھا دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ حضرت بہت کھاتے ہوں گے مگر حضرت کی خوراک بہت کم تھی، بارہا ہم نے دیکھا ہے۔ دراصل اہل علم چونکہ عموماً تر و تازہ ہوتے ہیں، جسامت بھی عموماً اچھی ہوتی ہے تو وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ زیادہ کھانے پینے کی وجہ سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تر و تازگی اور یہ رونق اور ہی ہوتی ہے اور یہ ان کے علم و عمل کی برکت ہوتی ہے، کھانے پینے کی وجہ سے نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم و عمل کی برکات سے نوازے۔

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ کی ایک مجلس کی روئداد حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی ڈائری سے

گلاؤٹھی سے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب استاذ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی جامع مسجد گلاؤٹھی ملاقات کے لئے تشریف لائے، آپ کا وطن قصبہ آنچولی ضلع میرٹھ ہے۔ مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہیں، ۲۶ سال سے گلاؤٹھی میں استاذ ہیں، جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف وغیرہ جیسی بڑی کتب آپ کے زیر درس ہیں، انتہائی سنجیدہ اور باوقار عالم دین ہیں ان کا حضرات اکابرین سے خادمانہ تعلق رہا ہے، میرے پیر و مرشد حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ اور مجاز ہیں جید الاستعداد استاذ ہیں مصلحانہ مزاج رکھتے ہیں، آپ کی تقاریر بھی اسی انداز کی ہوتی ہیں، احقر سے دوستانہ مراسم ہیں اسی نسبت سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے، پھر ہم دونوں حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر خان صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، حضرت نے بڑی بشاشت سے ملاقات کی اور گلاؤٹھی کے حالات معلوم کئے، مدرسہ منبع العلوم اور اس کے اساتذہ اور کارکنان کے بارے میں تفصیلی باتیں معلوم کیں۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ آپ کو اتنا عرصہ ہو گیا مگر کبھی آپ سے ملاقات نہ ہو سکی، خیر! میرا ابھی گلاؤٹھی جانا نہیں ہوتا عرصہ ہو گیا، گئے

ہوئے، نیز فرمایا کہ گلاؤٹھی کا مدرسہ بہت قدیم مدرسہ ہے، حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ نے اس کو قائم فرمایا تھا، حضرت اس کے بانی ہیں، گلاؤٹھی کے رئیس منشی مہربان علی صاحب نے گلاؤٹھی کی جامع مسجد بنوائی حضرت نانوتوی سے ان کا تعلق تھا، حضرت نے فرمایا کہ مسجد کی آبادی مدرسہ سے ہوتی ہے اس لئے اس میں ایک مدرسہ قائم کر دیا جائے تاکہ مسجد بھی آباد رہے اور علم دین کی اشاعت بھی ہوتی رہے حضرت نے مدرسہ کی بنیاد بھی رکھ دی اور اپنے داماد مولانا عبداللہ انصاری کو بحیثیت مدرس اور اپنے صاحبزادے حافظ محمد احمد صاحب کو (جو بعد کو مہتمم دار العلوم دیوبند ہوئے) طالب علم کی حیثیت سے گلاؤٹھی بھیج دیا اور اس طرح مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی کا آغاز ہوا۔

نیز فرمایا کہ گلاؤٹھی میں بڑے بڑے ذی استعداد اور قابل اساتذہ ہوئے تھے، معقولی اور منقولی، حدیث کے ماہر، اور کتب خانہ بڑا قیمتی تھا یہ کتب خانہ ہی دراصل مدرسے کی جان ہوتی ہے، وہاں کے کتب خانے میں بڑی بڑی قیمتی کتابیں تھیں، علماء ان سے استفادہ کرتے تھے، وہاں ایسے ایسے لوگوں نے پڑھا جو بعد میں چوٹی کے علماء ہوئے، چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری علیہ الرحمہ، حضرت شیخ مولانا فخر الدین صاحب سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا کریم بخش صاحب علیہ الرحمہ، بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب علیہ الرحمہ وغیرہ اور میری تعلیم بھی وہیں کی ہے۔ میں نے اسی مدرسہ میں قرآن پاک حفظ وناظرہ قاری بہادر خانصاحب سے پڑھا جو پانی پت سے فارغ تھے اور وہاں کے مشہور قاری استاذ القراء مولانا قاری عبدالسلام پانی پتی کے شاگرد تھے، انہیں سے سبعہ عشرہ پڑھی تھی پھر فارسی مولانا مشتاق احمد خانصاحب گیسوپوری سے اور ایک استاذ صاحب ''شاہجہانپور، کٹھور'' کے تھے اور پھر عربی کتب اول سے آخر تک بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خانصاحب سے پڑھی، اس طرح سے یہ فیض گلاؤٹھی کا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مدرسہ کو بڑی شہرت اور مقبولیت عطا فرمائی تھی، مدرسہ کے امتحان کے لئے دار العلوم دیوبند کے علیا کے اساتذہ جاتے تھے، مدرسہ کے مہتمم اس وقت حضرت مولانا محی الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو بڑے معقولی اور مختلف فنون کے ماہر تھے اور اساتذہ کے بڑے قدردان تھے، اس کے بعد مولانا کے صاحبزادے مولانا حمید الدین صاحب کا دور اہتمام آیا اور پھر حافظ نسیم الدین کا دور بھی اچھا گذرا ہے، ادھر دہلی سے قاری محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ کی بڑی اعانت کی اور ہمیشہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے (آمین) اسی درمیان چائے آگئی اور فراغت کے بعد مجلس برخاست ہوگئی۔

علمائے کرام کو اپنے مسائل کے لئے سڑکوں پر نہیں آنا چاہئے

فرمایا کہ:

آج کل علماء کے اخباروں میں خوب بیان آرہے ہیں اور بیان کے ساتھ تصویر بھی شائع ہو رہی ہے، فلاں کا بیان آیا پھر فلاں کا آیا پھر دوسرے کا آیا، تو اب تیسرا کیوں خاموش بیٹھے لہذا اس نے بھی بیان دیدیا، عجیب بات ہے! ان کو تو چین وسکون سے اپنے کام میں لگا رہنا چاہئے تھا اسی کام میں ان کے لئے عافیت تھی، سیاسی لیڈروں کی طرح علماء کو اس میں نہیں پھنسنا چاہئے، اب اس پارٹی کی مخالفت کی اور خوب زور وشور سے مخالفت ہو رہی ہے اور پھر دوسری پارٹی سے ہاتھ ملالیا، یہ کام ان کے لئے زیب نہیں دیتے، یہ تو وہ جماعت ہے جس کے لئے چرند وپرند یہاں تک کہ چیونٹیاں، سمندروں کی مچھلیاں دعائیں کرتی ہیں، فرشتے ان کے لئے پر بچھاتے ہیں، اس لئے اپنے وقار کو باقی رکھتے ہوئے سکون واطمینان سے دین کے کام میں لگے رہنا چاہئے، یہ سیاسی لیڈر تو یہی چاہتے ہیں کہ مدارس برباد ہو جائیں اور دین کا کام ٹھپ ہو جائے اور اس کی صورت یہی کرتے ہیں کہ علماء ان کے ساتھ مل کر کام کریں اور جب علماء ان کے ساتھ مل کر کام کریں گے تو مدارس پر اور دین کے کام پر ان کی گرفت ڈھیلی ہو جائے گی، اس طرف سے توجہ ہٹ جائے گی جس سے نظم میں خلل ہو جائے گا، ان حضرات کو تو یہ چاہئے کہ مضبوطی کے ساتھ اللہ پر توکل اور بھروسہ کر کے اپنے اپنے دینی امور میں مشغول رہیں اور اہل سیاست کی طرف بالکل توجہ نہ کریں پھر دیکھنا کیا ہوگا؟

یہ ہوگا کہ دنیا اور دنیا والے ان کے قدموں پر گریں گے مگر آج یہ ہو رہا ہے یہ لوگ ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، ان کے در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں

اور اپنی جماعت کا وقار مجروح کررہے ہیں ہمارے اکابر کی یہ شان نہیں تھی بلکہ ان کی یہ شان تھی کہ دنیا والے بڑے بڑے ان کے پیچھے اور وہ دنیا سے بے نیاز، اپنے کام میں مصروف تھے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کا اتباع نصیب فرمائے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش کارگذار مہتمم کا تذکرہ

معلوم فرمایا کہ:

حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ تشریف لے آئے؟ طلبہ نے بتایا کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ بھی لے آئے اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش زید مجدہ' کارگذار مہتمم صاحب بھی تشریف لے آئے۔

فرمایا کہ ہاں بھائی دونوں بزرگوں کی بڑی قربانیاں ہیں دونوں حسبۃً للہ کام کررہے ہیں، مولانا خاموش صاحب خود ایک ادارے کے ذمہ دار ہیں، اس کی ذمہ داریاں بھی کم نہیں ہیں ان کو بھی نبھاتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی دارالعلوم کے لئے بھی وقت دیتے ہیں اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے آتے ہیں اور پھر یہاں قیام کے دوران بھی کوئی راحت و آرام کا خاص اہتمام نہیں، بلکہ بے معاوضہ خدمت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے ۔(آمین)

بڑے شریف آدمی ہیں اور پھر فرمایا کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ کی بھی بڑی قربانیاں ہیں دارالعلوم سے کوئی مالی فائدہ نہیں، اپنے اخراجات اپنے ذمہ کرتے ہیں، کھانے کا نظم بھی اپنا خود اور وہ بھی طالب علمانہ، اس میں کوئی خاص اہتمام نہیں جبکہ وہ گھر کے رئیس ہیں مگر گھر کا سارا راحت و آرام چھوڑ کر یہاں بے آرامی کی زندگی گذارتے ہیں جبکہ اس وقت ۹۵ یا ۹۶ سال کی عمر ہے اس وقت آدمی صرف اپنے آرام کے لئے سوچتا ہے مگر وہ ادارہ کے کام میں اپنے آپ کو لگائے ہوئے ہیں اور فرمایا کہ بہت غنیمت ہے، نہ جانے ان کے بعد ادارہ کو ایسا مہتمم ملے گا کہ نہیں ان کی قدر کرنی چاہئے!

حضرت نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ:

مہتمم صاحب مدظلہٗ کے بارے میں فرمایا تھا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم کو لوگ ان کے مرنے کے بعد روئے، ان کی قدر وفات کے بعد ہوئی مگر دیکھنا کہ مولانا مرغوب صاحب کو لوگ ان کی زندگی ہی میں روئیں گے، اب ان کے جیسا مخلص مہتمم دارالعلوم کو ملنا مشکل ہے اگر چہ میرے ساتھ قاری طیب کا جو معاملہ تھا وہ معاملہ میرے ساتھ مولانا مرغوب صاحب کا نہیں رہا مگر پھر بھی میں یہ کہتا ہوں کہ ان جیسا مہتمم دارالعلوم کو نہیں ملے گا۔

وہ ایک طرف تو ایک امیر اور رئیس آدمی ہیں اور دوسری طرف انتہائی سنجیدہ اور مخلص بڑے ہی متواضع اور منکسر المزاج آدمی ہیں اور ساتھ ساتھ انتہائی ہوشیار اور بے دار مغز اور دور اندیش بھی ہیں اور مدبر بھی، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کے سائے کو دیر تک قائم رکھے۔

خاندانی شرافت ومروت کے حامل سرسید احمد خان کا ایک واقعہ

فرمایا کہ:

کچھ لوگ خاندانی شریف ہوتے ہیں جب ان سے کوئی ملتا ہے تو یہ لوگ اپنے اعلیٰ اخلاق کی چھاپ ان پر چھوڑتے ہیں، اس پر حضرت نے تین بزرگوں کے واقعات سنائے۔

فرمایا کہ: سرسید احمد خان بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بڑے اعلیٰ اخلاق کے آدمی تھے، ایک مرتبہ علی گڑھ اسٹیشن سے آپ کسی ٹرین میں سوار ہوئے ، اتفاق سے اسی ڈبے میں کوئی رئیس معلوم ہوتے تھے، پیچھے سے سوار چلے آرہے تھے جب سید صاحب چڑھے تو ان صاحب نے معلوم کیا کہ یہ کونسا اسٹیشن ہے؟

سید صاحب نے کہا کہ یہ علی گڑھ ہے اس پر انہوں نے کہا کہ وہی علی گڑھ جو سر سید کا علی گڑھ ہے، آپ نے کہا کہ ہاں وہی علی گڑھ ہے۔ اس پر ان صاحب نے کہا کہ سید صاحب بہت خراب آدمی ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں اس پر سید صاحب نے کہا کہ جی وہ تو اس سے بھی بدتر آدمی ہیں اس کا کیا پوچھنا ؟ وہ تو بہت بد انسان ہیں، خیر اور بہت سی باتیں ہوئیں جب کھانے کا وقت آیا تو ان رئیس صاحب نے سید صاحب سے کہا کہ آیئے کھانا کھا لیجئے ! سید صاحب نے کہا کہ میں کھانا نہیں کھا سکتا، میں اس لائق نہیں ہوں جو آپ کے ساتھ کھانا کھا سکوں، سید صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ کو میرا نام معلوم ہو جائے تو آپ میرے ساتھ بیٹھنا بھی پسند نہیں کریں گے، رئیس صاحب نے کہا کہ خدانخواستہ ایسی کیا بات ہے؟ ایسا نہیں پھر جب کھانے کے لئے زیادہ اصرار کیا تو سید صاحب نے اپنا نام بتا دیا کہ میں ہی سر سید ہوں، اس پر وہ رئیس صاحب بڑے نادم اور شرمندہ ہوئے اور بہت معذرت کی اور بہت احترام سے پیش آئے کہ حضور آپ تو بڑے شریف انسان ہیں ہمیں معلوم نہیں تھا

سر سید احمد خان کی مروت کا ایک دوسرا واقعہ

سید صاحب کا ہی ایک واقعہ اور حضرت نے سنایا کہ ایک صاحب نے ملازمت کی ضرورت کے لئے کسی افسر سے کہا کہ میں بہت پریشان ہوں مجھے ملازمت کی ضرورت ہے اور میں سید صاحب کا داماد ہوں، سید صاحب کے ان افسر صاحب سے تعلقات ہوں گے، خیر! اس تعلق سے ان صاحب کو ملازمت مل گئی مگر وہ صاحب انتہائی شرمندگی کے ساتھ سید صاحب کی خدمت میں پہونچے کہ کم از کم سید صاحب سے پوری بات کہہ دوں کہیں وہ افسر صاحب سید صاحب سے معلوم نہ کرلیں، یہ صاحب اس خیال سے سید صاحب کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ ایسا ایسا معاملہ ہو گیا، میں نے انتہائی پریشانی میں آپ کی دامادی کا واسطہ دیا اور فلاں افسر صاحب نے آپ کی رعایت کر کے مجھے ملازمت پر لگا لیا۔

میں بہت شرمندہ ہوں اور آپ سے معذرت کرنے آیا ہوں، اس پر سید صاحب نے ان کے ساتھ بڑا عجیب معاملہ کیا اور کہا کہ بھائی داماد ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ میری کوئی بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیتا آپ داماد ہو جاتے دوسرے یہ کہ میں آپ کی بیوی کو اپنی بیٹی بنالوں۔

پہلی صورت تو ممکن نہیں کیوں کہ میری کوئی بیٹی نہیں البتہ دوسری صورت ممکن ہے اس لئے میں آپ کی اہلیہ کو اپنی بیٹی بنا لیتا ہوں، اس لئے آپ میرے داماد ہیں اور پھر چلتے وقت بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کو رخصت کیا اور کچھ کپڑے اور کچھ تحفے بھی اس کو دئے اور کہا کہ یہ میری بیٹی کو دیدینا۔

پھر فرمایا کہ اگر چہ ان کے نظریات کے بارے میں علماء کو اختلاف رہا، اعتقاد کے بارے میں ان سے غلطی ہوئی ہے اور اس پر علماء نے گرفت بھی کی ہے تاہم ان کے اخلاق بڑے اعلیٰ تھے اور مسلم قوم کے لئے انہوں نے بڑے بڑے اچھے کام بھی کئے چنانچہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا قیام بھی کوئی مسلمانوں کے لئے کم نہیں ہے۔

حضرت سید عابد حسین صاحبؒ کی شرافت و مروت

حضرت سید عابد حسین صاحب دیوبندی بڑے پائے کے بزرگ ہیں، سادات خاندان سے آپکا تعلق ہے اپنے زمانے میں انتہائی مشہور بزرگ تھے لوگوں کا خیال تھا کہ اگر اہل دیوبند پر اگر کوئی مصیبت آئی تو حضرت حاجی صاحب کی برکت سے اللہ تعالیٰ دور فرما دیں گے اتنے نیک تھے، ان کے عملیات بھی بڑے مشہور اور مؤثر تھے جس کو دیدیا فائدہ ہو گیا۔

حضرت دار العلوم دیوبند کے بانی ہیں اور مہتمم بھی ہیں آپ کے دور اہتمام میں ایک طالب علم کسی وجہ سے ناراض ہو گیا اور ناراض ہو کر دار العلوم سے چلا گیا وہ طالب علم شہر دیوبند ہی کی کسی مسجد میں رہتا تھا، حضرت اس کو تلاش کرتے کرتے اس کے پاس پہونچ گئے اور اس سے کہا کہ بھائی آپ مہمان رسول ہیں اور دار العلوم چلیں! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں اگر آپ ناراض ہو گئے تو میرا کیا بنے گا؟ اس لئے آپ مجھے معاف کریں! چنانچہ آپ اس طالب علم کو معافی مانگ کر واپس پڑھنے کے لئے لے آئے، یہ تھی حاجی صاحب کی شرافت۔ اللہ اکبر۔ اب کہاں ایسے لوگ؟

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم کا واقعہ اور ان کے چند کمالات کا ذکر

فرمایا کہ:

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ بڑے حلیم الطبع آدمی تھے، اساتذہ اور ملازمین کے بارے میں کبھی سخت رویہ اختیار نہیں فرماتے تھے، اسی طرح طلبہ کے حق میں بھی وہ انتہائی مشفق اور مہربان تھے اور میرے ساتھ بھی ان کا معاملہ انتہائی شفقت کا رہا، وہ لمبے لمبے اسفار کرتے اور مجھے یہاں ذمہ دار بنا جاتے۔ ان کی عدم موجودگی میں سارے کام میں کرتا اور پھر واپسی کے بعد کبھی محاسبہ نہیں کرتے بلکہ اگر کچھ لوگ شکایت کرتے کہ حضرت آپ کی عدم موجودگی میں انہوں نے ایسا کیا، یہ کیا، وہ کیا۔ تو حضرت فرماتے کہ: میں نے ان کو ایسا کرنے کا اختیار دیدیا ہے اس لئے انہوں نے میری اجازت ہی سے ایسا کیا ہے بس پھر کیا تھا کہ کہنے والوں کا منھ بند ہو جاتا تھا اور بات وہیں ختم ہو جاتی تھی۔ وہ سب کا برابر خیال رکھتے تھے اور ان کی بات کا بھی سب لوگ لحاظ کرتے تھے اور فرمایا کہ انداز بیان تو ان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا عطا فرمایا تھا کہ کوئی مخالف سے مخالف بھی ان کی بات پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا مجلس میں تقریر ہو رہی ہے اور ہمیشہ مثبت تقریر ہوتی تھی اس میں یہ بھی ہوتا تھا کہ کسی فرقۂ باطلہ کا توڑ بڑے خوبصورت اور میٹھے انداز میں ہوتا تھا بالفرض اگر وہ مخالف موجود بھی ہوتا تو بھی اس کو ناگوار نہیں ہوتا تھا۔

نیز فرمایا کہ: قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے اور بہت یاد بھی تھا۔ تجوید کے ساتھ پڑھتے اور لہجہ بڑا پرکشش ہوتا تھا۔ اور ظاہری حسن سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا۔ بڑے حسین وخوبصورت معلوم ہوتے تھے، باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ پھول جھڑ رہے ہیں۔ بمبئی میں ستائیس اٹھائیس سال قرآن پاک سنایا اور تفسیر بھی فرماتے تھے۔ ان تقاریر سے بمبئی میں بڑی اصلاح ہوئی۔ بڑے بڑے لوگ اسمیں شریک ہوتے تھے اور ان تقاریر نے بمبئی میں انقلاب پیدا کر دیا یہ۔ تقاریر ایسے ماحول میں شروع ہوئیں جب اس علاقے میں علمائے دیوبند کے بیانات عموماً نہیں ہوتے تھے۔ ہر طرف بدعات کا زور تھا۔ بمبئی برائیوں کا گڑھ تھا۔ ایسے حالات میں قاری صاحب کی تقاریر بڑی مؤثر ہوئیں اور وہاں کے حالات بدلے، اسی وجہ سے حضرت قاری صاحب کو لوگ ''فاتح بمبئی'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔

بلوغ کے بعد اولاد کی شادی میں دیر کرنا اچھا نہیں

مولانا عبد الرحیم صاحب بستوی استاذ دار العلوم عصر کے بعد ملاقات کے لئے حاضر ہوئے حضرت والا نے حسب معمول کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ مولانا عبد الرحیم صاحب امتحان کے بعد وطن تشریف لے گئے تھے۔ اب واپسی میں حضرت سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے۔ حضرت نے معلوم کیا کہ: کب تشریف لائے تھے؟ فرمایا کہ تقریباً ایک ہفتہ قبل واپس آ گیا تھا اور کہا کہ بچے کی شادی تھی، اس کے لئے گیا تھا حضرت نے معلوم کیا کہ بخیر وعافیت فارغ ہو آئے؟ مولانا نے کہا کہ الحمد للہ! حضرت نے معلوم کیا کہ اور بھی کوئی بچہ باقی ہے شادی سے۔ مولانا نے کہا کہ ۸/ سے فارغ ہو چکا ہوں ایک لڑکا خیر الہدی باقی ہے اس کے لئے بھی دعا فرما دیں! حضرت نے معلوم کیا، عمر کیا ہے؟ مولانا نے کہا کہ بالغ ہو چکا ہے مگر ابھی کچھ عرصہ بعد شادی کروں گا اس پر حضرت نے فرمایا کہ اس کی بھی جلدی شادی کر دیں یہی بہتر ہے اور فرمایا کہ حضرت مدنیؒ بھی یہی فرماتے کہ شادی بالغ ہونے کے بعد جلدی کرنا چاہئے خصوصاً اس زمانے میں اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے اس میں بڑی عافیت ہے۔

سرزمین مکہ معظّمہ کی برکت، کریلوں میں تلخی نہیں تھی

فرمایا کہ:

جب میں حج کے لئے گیا تو وہاں مکہ مکرمہ میں ''حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب مکی'' سے ملاقات ہوئی، مولانا سہارنپور میں ''کھیڑہ افغان'' کے

رہنے والے تھے اور ایک زمانے تک مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے۔تبلیغی جماعت کے اہم لوگوں میں سے تھے، مکہ میں تبلیغ کا مرکز تھا اور مولانا بڑی سرگرمی کے ساتھ اس میں مشغول رہتے تھے۔ بڑا کام کیا مگر اخیر میں سعودی حکومت نے ان پر پابندی لگادی تھی اور پھر وہ یہیں اپنے گاؤں ہی میں آ گئے تھے یہیں ان کا انتقال ہوا۔ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔خیر! مکہ مکرمہ میں جب مولانا سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ہماری دعوت کردی اور کھانے میں مکہ مکرمہ کے کریلے پکوائے کریلے انہوں نے خود مکان میں لگا رکھے تھے۔اس میں سے تازہ کریلے تیار کرائے ؛مگر عجیب بات یہ تھی کہ کریلے کڑوے نہیں تھے۔ان میں بالکل تلخی نہیں تھی ؛ حالانکہ دوسری جگہ کے کریلے وہاں ہوتے تھے وہ کڑوے ہی ہوتے تھے،مگر ان کریلوں کا ذائقہ ہی عجیب تھا اور فرمایا کہ دراصل یہ مکہ مکرمہ کی سرزمین کی برکت ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔اللہ تعالیٰ نے وہاں کی سرزمین میں بڑی برکات رکھی ہیں۔

حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا زہد اور انکی بے مثال غریب پروری

فرمایا کہ:

جب عید و بقرعید آتی تو حضرت ایسے موقع پر ہمیشہ اپنے متعلقین کو یاد رکھتے ان کو کبھی فراموش نہیں کرتے تھے، اپنے متعلقین اور جاننے والوں میں جو بیوائیں اور بے سہارا، غریب لوگ ہوتے تھے ان کو منی آرڈر کے ذریعہ رقم بھجواتے تھے اور جو موجود ہوتے ان کو بھی انعام سے نوازتے یہاں تک اس دن ڈاکیہ آتا تو اس کو بھی انعام دیتے تھے۔

فرمایا کہ:

ایک تاجر صاحب آپ کو پچیس ہزار روپیہ ہدیہ دینا چاہتے تھے آپ نے نہیں لئے انہوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ مدرسہ میں جمع کردو! مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے میں دار العلوم سے تنخواہ لیتا ہوں۔اور اگر غریب، مفلس آدمی ہدیہ دیتا تو معمولی ہدیہ بھی قبول فرمالیتے ،کبھی ایسا بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک صاحب نے آپ کو ایک روپیہ لاکر دیا کہ حضرت فلاں گاؤں سے فلاں بیوہ نے آپ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے تو آپ نے بہت خوشی کے ساتھ اس کو قبول کرلیا، مدرسہ والے اسفار میں خرچ سے زیادہ رقم آپ کو دیتے تو آپ اس کو ہمیشہ واپس کردیتے اور جتنا خرچ ہوتا تھا اتنا ہی لیتے تھے۔

ایک صاحب کشف بزرگ سے حضرت نانوتویؒ کا تعلق اور ان کے کشف کی روشنی میں حضرت نانوتویؒ کا مقام رفعت

فرمایا کہ:

’’پنجلاسہ، پنجاب‘‘ میں ایک بزرگ راؤ عبدالرحمٰن صاحب تھے۔ بڑے صاحب کشف و کرامات۔ جب کوئی ان سے دعا کے لئے بچے کی پیدائش کے بارے میں عرض کرتا تو فرمادیتے کہ تیرے یہاں لڑکا ہوگا یا لڑکی ہوگی جو بھی ہونا ہوتا ظاہر فرمادیتے۔ان کے خادم نے کہا کہ حضرت آپ یہ کیسے بتا دیتے ہیں؟ تو فرمایا کہ اللہ کی جانب سے اس کی صورت میرے سامنے کردی جاتی ہے تو میں دیکھ کر بتا دیتا ہوں حضرت نانوتوی ان کے یہاں بڑی عقیدت سے جاتے تھے، جب مولانا نانوتویؒ ان کے یہاں جاتے تو یہ کہتے تھے کہ آؤ حاجی قاسم آؤ! مولانا نے فرمایا کہ میں نے تو حج کیا نہیں ہے مگر پھر بھی شاہ صاحب حضرت کو حاجی صاحب کہتے تھے اور جس وقت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ حج کو گئے تو ادھر پنجلاسہ ہو کے گئے اور حضرت راؤ عبدالرحمٰن صاحب کے یہاں ملاقات کے لئے پہونچے تو حضرت نے وہی کہا کہ آیئے حاجی قاسم آیئے! مولانا نے فرمایا کہ حضرت میں حج کے لئے ہی جارہا ہوں۔ راؤ صاحب نے فرمایا کہ میں تو اسی وجہ سے حاجی کہتا ہوں، حضرت نانوتویؒ نے دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ بھائی تمہارے لئے کیا دعا کروں میں نے تو تم کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخاری شریف پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، تمہارا تو یہ مقام ہے، تمہیں میری دعا کی ضرورت نہیں ہے تم تو خود بہت بڑے

آدمی ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کی خود حفاظت کرتے ہیں، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی منجانب اللہ حفاظت کا حیرت ناک واقعہ

فرمایا کہ:

جب حضرت امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ہجرت کر کے جا رہے تھے تو پنجلاسہ ہو کر گئے اور راستے میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ کے یہاں قیام کیا، حاجی صاحب نے وہیں کمرے میں وضو کیا اور اشراق کی نماز کی تیاری کی، ادھر مخبر نے خبر دی کہ حاجی صاحب عبدالرحیم صاحب کے یہاں روپوش ہیں وہاں سے ان کو گرفتار کر لیا جائے چنانچہ حکومت کا ایک افسر آپ کی تلاش میں آیا اور شاہ صاحب کے یہاں آ کر اس نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا اور کسی سے معلوم کچھ نہیں کیا۔ جب کہیں نہ مل سکے تو اسی کمرے کی طرف آیا اور کمرے کا دروازہ ایک دم پھٹ کھول دیا اب دیکھا تو وہاں پانی پڑا ہوا ہے اور مصلیٰ بچھا ہوا ہے اور کمرے میں کوئی نہیں ہے۔ اس کو بڑی حیرت ہوئی اور ویسے ہی بات بنانے کے لئے شاہ صاحب سے معلوم کیا کہ یہ پانی کیسا ہے اور یہ مصلیٰ کیوں بچھا رکھا ہے؟

شاہ صاحب نے فرمایا کہ وضو کا پانی ہے اور مصلیٰ پر ہم نماز پڑھتے ہیں اس نے کہا کہ نماز تو آپ مسجد میں پڑھتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ فرائض مسجد میں پڑھتے ہیں اور نوافل یہیں گھر میں پڑھتے ہیں، خیر! وہ تو دفعہ ہو گیا تو اب شاہ صاحب نے کمرے میں آ کر دیکھا تو حاجی صاحب نماز پڑھ کر دعا میں مشغول تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کی حفاظت فرمائی اور وہ افسر حضرت کو نہ دیکھ سکا، اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دشمنوں سے حفاظت کر تے ہیں۔

مکر اور حیلہ کا زمانہ

فرمایا کہ:

بھائی یہ مکر اور حیلہ کا زمانہ ہے، اس پر حضرت تھانویؒ کے حوالے سے ایک قصہ سنایا کہ حضرت کے سامنے لوگوں نے ذکر کیا کہ ایک بڑھیا آئی تھی وہ مانگ کر لوگوں سے بہت سا مال اکٹھا کر کے لے گئی، حضرت نے فرمایا کہ بھائی یہ حیلہ بازی اور مکر کا زمانہ ہے، اور پھر ایک صاحب کا قصہ سنایا کہ ایک صاحب تھے اچھے اور خوشحال خاندان کے تھے اور پڑھے لکھے بھی تھے، اب اتفاق سے ان کے حالات خراب ہو گئے اور فاقوں کی بھی نوبت آ گئی، اب انہوں نے ایک تدبیر کی کہ ایک مدرسے میں گئے اور کہا کہ میں حفظ کرنا چاہتا ہوں، میرا داخلہ کر لیں! مدرسہ والوں نے داخلہ کر لیا یہ پڑھنے لگ گئے، حالانکہ یہ پہلے سے حافظ تھے مگر اب یاد کر رہے ہیں اور رات دن یاد کرتے ہیں مگر یاد نہیں ہوتا، دو چار آیتیں بھی یاد نہیں ہوتی ہیں۔ رات دن یاد بھی کرتے ہیں اور دعائیں بھی کرتے ہیں دوسروں سے بھی دعائیں کراتے ہیں مگر یاد ہی نہیں ہوتا ہے، اب دوسرے لوگوں میں چرچے ہوتے ہیں کہ دیکھو بے چارے بڑھاپے میں حفظ کا شوق لے کر مدرسہ میں آئے ہیں اور کتنی محنت کرتے ہیں رات دن لگے رہتے ہیں محنت کرتے ہیں دعائیں کرتے ہیں مگر یاد نہیں ہوتا ہے۔ ان کی طرف سے سب لوگ فکرمند ہیں ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک عرصہ اسی طرح گذر گیا اب اچانک کیا ہوا؟ ایک دن صبح جو اٹھے تو بہت خوش ہیں اور انتہائی مگن ہیں لوگوں نے معلوم کیا کہ بھائی کیا بات ہے؟ آج تو خلاف معمول بڑے خوش نظر آتے ہیں، یہ صاحب کہتے ہیں کہ ہاں! آج بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے آج کا دن بڑا ہی مبارک دن آیا ہے۔ لوگوں نے معلوم کیا کہ کیا خوشی ہوئی؟ تو کہتے ہیں کہ رات خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں نے آپ سے اپنی شکایت کی کہ مجھے قرآن پاک یاد نہیں ہوتا ہے، میرا حافظہ بہت کمزور ہے، آپ نے اپنا لعاب دہن میرے منھ میں ڈال دیا بس۔ اسکی

برکت ہے کہ آج الحمدللہ سارا قرآن پاک یاد ہو گیا اور تمام کتابیں حل ہو گئی ہیں چاہے ابھی قرآن پاک سن لو! سب یاد ہے، فقہ کی کوئی عبارت لاؤ! میں سمجھا دوں گا، اب میرا دل بہت روشن ہو گیا ہے اور ہر چیز آسان ہو گئی ہے بس پھر کیا تھا لوگوں نے بڑے انعام واکرام سے نوازا اور خوب مالدار ہو گئے اس حیلہ اور مکر سے خوب دولت جمع کر لی۔

تو بھائی اس طرح آج حیلہ اور مکاری کا زمانہ ہے جو لوگ حیلہ باز ہوتے ہیں دھوکہ باز ہوتے ہیں، وہ اس طرح کے مکر کے ذریعہ خوب کھاتے کما تے ہیں اللہ محفوظ فرمائے (آمین)

فقر وفاقہ کی حالت میں تقویٰ پر ثابت قدمی کی نادر مثال، شاہ اسحاق صاحب دہلویؒ کا عبرت آمیز واقعہ

فرمایا کہ:

پہلے زمانے میں لوگوں نے دین کی خاطر بڑے فقر وفاقے کی زندگی گذاری ہیں اب اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، کئی کئی دن ہو جاتے اور کھانے کی کوئی چیز میسر نہیں آتی تھی۔

حضرت شاہ اسحاق صاحب نور اللہ مرقدہ بڑے اونچے لوگوں میں سے ہیں، قرآن وحدیث کے سلسلے سے بڑے بڑے علمائے کبار کو ان سے شاگردی کا شرف حاصل ہے، ان کے مریدین میں بڑے بڑے امراء اور دولتمند لوگ شامل تھے مگر ان کی خانگی زندگی بڑی عسرت سے گذری تھی مگر ہمیشہ انہوں نے لوگوں سے اپنے احوال کو پوشیدہ رکھا۔

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ ان کی ایک خادمہ ان کے گھر کے کسی بچے کو باہر لے کر نکلی، بچہ رو رہا تھا اور بہت کمزور بھی معلوم ہوتا تھا، حضرت مولانا مفتی صدر الدین صاحب آزردہ جو اس وقت کے استاذ العلماء تھے اور دہلی کے سرکاری کالج میں پڑھاتے تھے انہوں نے بچے کو اس حالت میں دیکھ کر خادمہ سے معلوم کیا کہ بچہ بہت کمزور ہے آخر کیا بات ہے؟ اس پر خادمہ نے بتادیا کہ کھانے کو نہیں ملا ہے کئی دن سے فاقہ ہے، اس لئے کمزور ہے اور گھر کے سب لوگ فاقے میں مبتلا ہیں، مفتی صاحب نے (۳۰۰) روپیہ خادمہ کے ہاتھ حضرت کے یہاں بھجوادئے کہ ان کو استعمال کرلیں اور ضرورت پوری فرمالیں تو حضرت شاہ صاحب نے واپس فرمادئے اور لینے سے انکار کر دیا جب یہ رقم مفتی صاحب تک پہونچی تو خود حضرت مفتی صاحب یہ رقم لے کر حضرت کے پاس گئے ،اور عرض کیا کہ میں رشوت نہیں لیتا یہ پیسے میری تنخواہ کے ہیں، شاہ صاحب نے فرمایا کہ رشوت کا تو میرے دل میں خیال بھی نہیں آیا مگر چونکہ آپ سرکاری ملازم ہیں انگریزی کالج میں پڑھاتے ہیں اس لئے میں تو آپ کی تنخواہ کو ناجائز سمجھتا ہوں، اس لئے میں ان کو نہیں لوں گا یہ کہہ کر انکار کر دیا اور باوجود سخت حاجت کے وہ رقم نہیں لی۔ اللہ اللہ کیا لوگ تھے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا فاقہ کی حالت میں وعظ

فرمایا کہ:

دہلی میں ایک صاحب تھے جو علماء کے بڑے قدر دان تھے اور علماء سے اپنے گھر میں بلا کر وعظ بھی کراتے تھے، حضرت شاہ صاحب بھی ان کے یہاں وعظ فرماتے تھے ان کو منشی جی کہتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے حضرت شاہ اسماعیل شہید صاحبؒ سے وعظ کہنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے قبول بھی کر لیا اور وعظ کہنے تشریف لے گئے، وعظ شروع ہو گیا مگر منشی جی نے محسوس کیا کہ شاہ صاحب جس شان سے وعظ فرماتے تھے آج وعظ میں وہ شان نہیں ہے، حضرت کی آواز بلند نہیں ہے اور آہستہ آہستہ وعظ کہہ رہے ہیں، انہوں نے حضرت کے ایک ساتھی سے جو خادم بھی تھے، اصرار کیا تو بتایا کہ تین دن سے حضرت نے کچھ کھایا نہیں ہے، بالکل فاقہ سے ہیں، اس لئے یہ صورت حال ہے۔ منشی جی نے حضرت سے کہا کہ حضرت مجھے کچھ کام ہے اس لئے اب وعظ ختم فرمادیں! اور علیحدہ حضرت کو لے گئے اور الگ کمرے میں کھانے کا نظم کیا۔ حضرت نے کھانے سے منع فرمادیا اور کہا کہ میں ساتھیوں کے بغیر نہیں کھا

سکتا، میرے ساتھی بھی تین دن سے بھوکے ہیں، منشی جی نے ان کے لئے بھی نظم کیا اور پھر کئی دن تک اچھے اچھے کھانوں سے حضرت کی میزبانی کی۔

غلط فہمیوں کا ازالہ

کسی نے معلوم کیا کہ مولسری کا جونشان ہے جنازہ کی چارپائی کا، اس کی حقیقت کیا ہے؟ بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے، جن میں بہت علماء بھی ہیں کہ اس جگہ جس کی نماز جنازہ ہو جائے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور اس سلسلے میں ایک کشف بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ جگہ بالکل عرش کے نیچے درمیان میں ہے، مولانا یعقوب صاحبؒ کو یہ مکشوف ہوا تھا، حضرت نے فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے، کسی کو یہ کشف نہیں ہوا۔ کوئی عرش چھوٹا سا ایک تخت ہے؟ جس کے بالکل نیچے یہ جگہ آ گئی اور پھر کشف میں اس کو ناپ لیا گیا۔ یہ سب باتیں وہمی ہی ہیں اور فرمایا کہ قرآن کریم میں کرسی کا حال یہ بیان ہوا ہے کہ زمین وآسمان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور عرش اس سے بھی بہت بڑا ہے، بہر حال یہ بے کار اور واہیات بات ہے۔

اسی طرح مولانا رفیع الدین صاحبؒ کا وہ کشف جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نے مولسری کے کنویں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دودھ تقسیم فرمار ہے ہیں، اس کنویں سے وہ تمام طلبہ جو آئندہ زمانے تک دارالعلوم میں پڑھنے آئیں گے وہ سب آپ سے دودھ لے رہے ہیں اور اپنے اپنے برتنوں میں لئے جارہے ہیں، اور حضرت رفیع الدین صاحب نے ان سب کو پہچان لیا اور ایک طالب علم نے سالن کا برتن آپ کے سامنے پھینک کر یہ کہا کہ یہ طلبہ کے کھانے لائق سالن ہے؟ اور گستاخانہ جملے کہے تو آپ نے کہا کہ تو دارالعلوم کا طالب علم نہیں ہے، تو لوگوں نے آپ سے معلوم کیا کہ آپ نے کیسے کہہ دیا اور کیسے سمجھا کہ طالب علم نہیں ہے تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ان تمام طلبہ کو دیکھا ہے جو آئندہ دارالعلوم میں پڑھنے آئیں گے اور یہ ان میں نہیں تھا اور حقیقت میں وہ طالب علم نہیں تھا بلکہ دوسرے طالب علم کا کھانا لینے آیا تھا، بہر حال حضرت نے فرمایا کہ یہ سب گھڑی ہوئی باتیں ہیں ، جو لوگوں کے درمیان مشہور ہو گئی ہیں۔

حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کا تصرف

فرمایا کہ:

حضرت شاہ عبد القادر صاحب دہلویؒ کا تصرف بڑا قوی تھا، اور روحانیت بڑے اعلیٰ درجے کی تھی، پھر واقعہ سنایا کہ ایک صاحب کو جن سوار ہو گیا ، انہوں نے لوگوں سے دم کرایا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا، حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے بھی دم کرایا گیا مگر جن نہیں بھاگا۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کہیں دہلی سے باہر تھے جب تشریف لائے تو ان کے پاس لے جایا گیا حضرت نے دم کیا تو جن بھاگ گیا۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے معلوم کیا کہ: کیا کیا تھا؟ فرمایا کہ: دم کیا تھا۔ معلوم کیا کہ کیا پڑھا تھا؟ فرمایا: سورۂ فاتحہ پڑھی تھی معلوم کیا کہ کیسے پڑھی تھی؟ فرمایا: کہ "یا جبّار" کی شان میں پڑھی تھی، وہ بھاگ گیا، اس پر شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ "یا جبّار" کی شان میں پڑھی تھی، اس کا مطلب کسی نے نہیں بتایا کہ کیا ہے؟ البتہ ایسا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت جبار کو اپنے اوپر طاری کر کے پڑھی ہوگی، واللہ اعلم!

حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا تصرف

فرمایا کہ:

فرمایا کہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا کشف اور تصرف دونوں بڑے قوی تھے، قصہ سنایا کہ مجھے ہنسی بہت آتی تھی، بات بات پر ہنسی آتی تھی اور اس زیادتی کا احساس بھی تھا، میں حضرت کے مکان پر بیٹھا ہوا تھا اور حضرت گھر کے اندر سے باہر تشریف لائے، میں نے سلام اور مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے ہنسی بہت آتی ہے، حضرت نے سن لیا اور حضرت کا تصرف تھا کہ اسی وقت سے ہنسی موقوف ہو گئی اور میں اپنی عام حالت پر آ گیا، پھر کبھی زیادہ ہنسی

نہیں آئی، یہ ہے حضرت کے تصرف کا کمال اور حضرت کی برکت۔

حضرتؒ کے تصرف کا دوسرا واقعہ

فرمایا کہ:

جلالین شریف کے بعد میری تعلیم موقوف ہوگئی تھی اور میں بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خان صاحب کے کام میں مشغول ہوگیا تھا، ان کی بسیں چلتی تھیں، دس گیارہ بسیں تھیں، مختلف روٹوں پر چلتی تھیں، بلند شہر، انوپ شہر، میرٹھ، جہاں گیر آباد وغیرہ، تعلیم کے چھوٹنے کا احساس بھی تھا مگر میں کیا کر سکتا تھا ؟ بڑے بھائی کی بات تھی، خیر! ہوا یہ کہ حضرت اجراڑہ کے سالانہ جلسے میں تشریف لائے اور میں گلاؤٹھی سے حضرت سے ملاقات کے لئے گیا، حضرت سے ملاقات ہوئی دو پہر کو جب حضرت قیلولہ کے لئے لیٹ گئے تو میں حضرت کا بدن دبانے لگا، اسی درمیان حضرت نے معلوم فرمایا کہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ایسا ایسا معاملہ ہے! تعلیم موقوف ہوگئی ہے اور میری خواہش ہے کہ تکمیل ہو جاتی سن کر خاموش ہوگئے۔ ادھر جب میں اجراڑہ سے گلاؤٹھی پہونچا تو حضرت کا تصرف اور اس کا اثر دیکھئے کہ بھائی صاحب نے فرمایا کہ:

ارے نصیر! دنیا کے کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں، سب ہو جائیں گے تم سب چھوڑ واور پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو! چنانچہ اگلے دن پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت مدنی کا تصرف اور حضرت مدنی کی توجہ کی برکت سے اللہ نے دوبارہ تعلیم میں لگا دیا۔ حضرت میرے ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، کیا ٹھکانہ ہے؟ اللہ تعالی حضرت کے درجے بلند فرمائے (آمین) حضرت ہی نے میرا دار العلوم میں تقرر کرایا اور ہر سال خود ہی ترقی دیتے تھے کبھی میں نے کوئی کتاب بدلنے کی درخواست نہیں کی، ایک دفعہ حضرت نے میرے نام جلالین شریف لکھ دی یہاں جلالین اس کو دی جاتی تھی جس نے کئی سال ترجمۂ قرآن پڑھایا ہو اور میں نے کبھی ترجمہ نہیں پڑھایا تھا، اس پر بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم جلالین کیسے پڑھا لوگے! ترجمہ تو تم نے پڑھایا ہی نہیں؛ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! میں جلالین کیسے پڑھاؤنگا؟ آپنے مجھے جلالین دیدی ہے، فرمایا کہ: پڑھاؤ! تم جوان آدمی ہو محنت کرو پڑھاؤ میں نے عرض کیا حضرت دعا فرما دیجئے فرمایا کہ ہاں ہاں دعا بھی ہوگی۔

حرم شریف میں موذی جانور کے مارنے کی ممانعت نہیں

فرمایا کہ:

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ حرم شریف میں حاجی کے لئے ہر قسم کا جانور مارنا منع ہے مگر ایسا نہیں۔ ہاں شکار کی ممانعت ہے اور یہ ممانعت قرآن کریم میں ہے فرمایا ''لا تقتلوا الصيد وأنتم حرم'' تو شکار کرنیکی اور شکاری جانور کے قتل کی ممانعت ہے اور اگر کوئی موذی جانور سامنے آجائے تو اسکے قتل کی ممانعت نہیں، اسکو قتل کر سکتے ہیں۔

فرمایا کی جب ہم نے پہلا حج کیا تو اس وقت لوگ غلہ وغیرہ کھانے کی چیزیں اپنے ساتھ لے جاتے تھے، اب ایک حاجی صاحب کا غلہ بوری میں رکھا ہوا تھا، چوہے نے بوری

کاٹ دی اور غلہ گر گیا۔ حاجی صاحب نے چوہے کو مار دیا، لوگوں نے اس سے کہا کہ تو نے جانور مار دیا تیرے اوپر تو دم لازم ہوگیا۔ اس لئے تو ایک بکری ذبح کر! بیچارہ پریشان ہوگیا کیسے کرے؟ اتنی بڑی رقم کا نظم اسکے پاس نہیں ہوگا۔ اسکو کسی نے بتا دیا کہ دیوبند کے مولانا وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں ان سے مسئلہ معلوم کرو! چنانچہ وہ آئے اور ذکر کیا کہ ایسا ہوا میں نے چوہا مار دیا اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ تیرے اوپر دم لازم ہوگیا، اب میں کیا کروں؟ ہم نے کہا کہ کوئی دم واجب نہیں ہوا اور اس سے دم واجب نہیں ہوتا ہے۔ اب اگر پھر ملے تو آئندہ بھی مار لیجیو اس سے دم واجب نہیں ہوتا ہے۔

ہندوستان میں صرف دو ہی ہیں، اگر تیسرا ہوتا تو پورے ہندوستان کی اصلاح ہو جاتی

فرمایا کہ:

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ بڑے اونچے درجے کے لوگوں میں ہیں انکی نظیر نہیں، حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہوی جو بڑے محدث تھے انھوں نے حضرت گنج مرادآبادیؒ سے حدیث کی اجازت حاصل کی تھی، اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب سے احقر کو اجازت حاصل ہے۔ بہر حال مولانا گنج مرادآبادیؒ بڑے لوگوں میں ہیں مگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے وہ بہت قائل ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا کہ ہندوستان میں صرف دو ہی ہیں ایک مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ایک میں اگر کوئی تیسرا بھی ہوتا تو پورے ہندستان کی اصلاح ہو جاتی اور تینوں سارے ہندوستان کے لئے کافی ہوتے، اگر کوئی حدیث پڑھانے کیلئے آپ سے مشورہ لیتا تو آپ اسکو گنگوہ جانے کا مشورہ دیتے اور کہیں کا نہ دیتے حضرت گنج مرادآبادیؒ بڑے صاحب کشف بزرگوں میں ہیں۔

انسانوں نے اپنی حیثیت خود گرائی ہے

حضرت کے خادم قطب الدین بنگالی گھر کا سامان خرید کر لائے۔ ایک ہزار کا نوٹ دیا تھا سامان خریدنے کے بعد صرف چوبیس روپئے باقی رہے بقیہ کا سامان آ گیا، قطب الدین نے ۲۴/روپئے لا کر دیئے اور کہا کہ یہ بچے ہیں حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ بقیہ سب پھینک آئے، خرچ ہو گئے، خادم نے کہا جی ہاں! راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضرت اب تو ہزار کے نوٹ کی بھی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ حضرت نے فرمایا کہ اب کسی بھی چیز کی کوئی حیثیت نہیں رہی یہاں تک کے انسان جو اشرف المخلوقات تھا سب سے اعلیٰ جسکی حیثیت تھی وہ حیثیت اسکی بھی باقی نہ رہی۔ اب انسان بھی بے حیثیت ہو گیا۔ اب اسکی بھی وہ قدر و قیمت جو پہلے تھی اب باقی نہیں رہی کیونکہ اب انسان بھی انسانوں جیسے کام نہیں کرتا بلکہ اس نے بھی اب درندوں والے کام شروع کر دئے، حیوانیت کے تمام حدوں کو پار کر دیا، کہیں آپس میں قتل و قتال ہے، کہیں چوری ہے، ڈکیتی ہے، ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی ہے، محارم کے ساتھ بدکاری اور زناکاری ہے۔ یہاں تک باپ بیٹی کے ساتھ منھ کالا کرنے لگا۔ آئے دن اخبارات میں اسطرح کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ کہیں بیٹا باپ کو قتل کر رہا ہے، کہیں شوہر بیوی کو جلا رہا ہے، کہیں بیوی شوہر کا قتل کر رہی ہے وغیرہ وغیرہ، یہ کوئی انسانوں کے کام ہیں؟ جب انسان نے یہ کام شروع کر دئے تو اب اسکی وہ حیثیت ہی ختم ہو گئی، بس اللہ محفوظ رکھے (آمین)

پہلے طلبہ قدر شناس اور سادہ ہوتے تھے

فرمایا کہ:

پہلے طلبہ بڑے نیک اور سیدھے سادھے ہوتے تھے۔ دوپہر کو دال ملتی تھی مدرسہ سے اور جو دال بچ جاتی تھی اسکو پھینکتے نہیں تھے بلکہ اسکو پی لیتے تھے۔ اسکو تبرک سمجھتے تھے اور ساتھیوں کو کھلاتے تھے اور ایک ملاجی تھے مدرسہ کے خادم، وہ یہ کام کرتے تھے کہ جب طلبہ کھانے سے فارغ ہو جاتے تو انکی بچی ہوئی روٹیاں جمع کرتے، کسی کے یہاں سے ایک ٹکڑا لیا، کسی کے یہاں سے آدھی روٹی، کسی کے یہاں سے دال بچی ہوئی ملی، ملاجی سب کو ایک جگہ جمع کرتے اور اپنے کمرہ میں ان طلبہ کو بلاتے جنکا کھانا نہیں ہوتا تھا اور دسترخوان بچھا کر سب کو کھلاتے تھے وہ طلبہ کھا لیتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے اور ملاجی کو بھی دعائیں دیتے، ملاجی ہمیشہ یہ عمل کرتے تھے، طلبہ نادار ہوتے تھے، وہ شوق سے بچا ہوا کھا لیتے اور پڑھنے میں خوب محنت کرتے تھے، اب طلبہ کہاں کھائیں گے؟ اب تو کہدیں گے، یہ تو جھوٹا ہے۔ یہ تو ایسا ہے ویسا ہے۔ اب وہ سادگی اور نیکی کہاں؟ اور اسکی برکت بہت تھی، وہ طلبہ اپنے زمانہ کے بڑے علماء اور بزرگ بنے۔

بزرگوں کی روحانیت وفات کے بعد بھی باقی رہتی ہے مگر......

فرمایا کہ:

اللہ والے نیک بزرگوں کی روحانیت جس طرح ان کی زندگی میں رہتی ہے اوراس کے دور دور تک اثرات ہوتے ہیں اورلوگ ان کے اثرات اور ان کی برکات کا زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں اسی طرح ان کی وفات کے بعد بھی ان کی روحانیت باقی رہتی ہے البتہ اس کا ادراک وفات کے بعد ہر ایک کو نہیں ہوتا بلکہ وہ ادراک بھی اہل اللہ کو ہوتا ہے دوسرے اس کا ادراک نہیں کرسکتے۔اس پر قصہ سنایا کہ:

گنگوہ میں ایک بزرگ تشریف لائے اوران بزرگ صاحب کا معمول تھا کہ وہ اہل اللہ کے مزارات پر جب جاتے تو دور کھڑے ہوکر فاتحہ وغیرہ پڑھتے تھے،مزار کے قریب نہیں جاتے تھے اور پھر بتاتے بھی تھے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں اوران کی روحانیت کس درجے کی ہے وغیرہ،لوگ ان کو حضرت گنگوہی کے مزار پر لے گئے اور بتایا نہیں کہ کس بزرگ کے مزار پر جارہے ہیں،جب یہ مزار کے قریب پہونچے تو بڑی زور کی انہوں نے چیخ ماری اور پھر بہت دیر تک روتے رہے کافی دیر روئے۔اس کے بعد مزار کے قریب مسجد میں نماز پڑھی اورلوگوں سے کہا کہ ایسا نہیں کیا کرتے بلکہ پہلے سے بتادیا کرتے ہیں کہ ہم کہاں جارہے ہیں؟اس طرح سے تو بعض مرتبہ جان نکل جاتی ہے یہ تو بہت بڑے درجے کے بزرگ ہیں،ان کی روحانیت کا کیا ٹھکانہ ہے؟یہ بڑے کمالات اور مرتبہ والے بزرگ ہیں۔

حضرت تھانوی جلدی کسی کی دعوت نہیں کرتے تھے

فرمایا کہ:

اب تو علماء کو پرانی وضع اختیار کرلینا چاہئے یعنی کھانے پینے میں،پہننے میں تکلفات نہیں کرنا چاہئے بلکہ سیدھی سادھی زندگی گذارنا چاہئے اور کسی کی دعوت بھی سوچ سمجھ کر کریں اس میں بڑا تکلف ہوتا ہے،تنخواہ کم ہے،اخراجات زیادہ ہوتے ہیں،پھر پریشانی ہوتی ہے۔

حضرت تھانویؒ کسی کی دعوت نہیں کرتے تھے،حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ جو حضرت کے پیر و مرشد ہیں انہوں نے نصیحت کی تھی کہ کبھی کسی کی دعوت نہ کرنا!حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ کی نصیحت کے خلاف کیا اورایک صاحب جو میرے یہاں بہت آتے جاتے تھے میں نے دعوت کردی۔انہوں نے قبول کرلی،اور جب کھانا لگ گیا اور کھانے کے لئے بیٹھے تو اب فرماتے ہیں کہ میں تو مرچ نہیں کھاتا ہوں!ان کے بروقت اس طرح کہنے سے بڑی تکلیف ہوئی اگر مرچ نہیں کھاتے تھے تو پہلے ہی کہہ دیتے جب دعوت قبول کی تھی مگر اس وقت نہیں کہا۔خیر!حضرت کی ایک عزیزہ آنکھ بنوا کر آئی تھیں ان کے لئے بلا مرچ کا سالن بنا تھا۔ان سے کہلایا کہ اگر کچھ سالن ہو تو دیدیں چنانچہ وہاں سے سالن لاکر ان کو کھلایا فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی نصیحت کے خلاف کیا تھا اس کی وجہ سے یہ پریشانی ہوئی پھر آئندہ کسی کی دعوت نہیں کی۔

مہمان پرہیز کا کھاتا ہو تو میزبان کو پیشگی اطلاع دے

فرمایا کہ:

حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ جو دارالعلوم دیوبند کے قدیم اور مشہور استاذ تھے۔حضرت مولانا بلال اصغر صاحب موجودہ استاذ کے دادا صاحب تھے وہ بھی مرچ بالکل نہیں کھاتے تھے،اور جب گلاؤٹھی امتحان لینے کے لئے تشریف لے جاتے تو ان کے لئے علیحدہ ہمارے گھر (یعنی مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ) کے یہاں کھانا تیار ہوتا تھا اوراس میں مرچ بالکل نہیں ڈالی جاتی تھی،بہرحال مہمان اگر مرچ بالکل نہیں کھاتا ہے تو اس کی اطلاع پیشگی ہوجانی چاہئے تاکہ بروقت میزبان کو تکلیف نہ ہو اوراس سے خود مہمان کو بھی تکلیف نہیں ہوگی اسی وجہ سے اکابر کے یہاں ضابطے بنائے جاتے ہیں آنے والے کے

لئے؛ تا کہ کسی کو بھی تکلیف نہ ہو، اسی میں سب کے لئے راحت ہے۔

تصوف کے مسائل اور اس کی حقیقت کا ادراک شیخ کامل کی صحبت میں ملتا ہے

فرمایا کہ:

تصوف کے مسائل سے متعلق حضرت تھانویؒ کی بہت عمدہ کتاب ہے ''مسائل تصوف قرآن وحدیث کی روشنی میں'' اس پر ایک صاحب نے حواشی تحریر فرمائے ہیں اس میں مذکورہ احادیث کی تخریج بھی کی ہے اور حوالہ جات بھی تحقیق سے رقم کئے ہیں، کتاب نئے حاشیہ کے ساتھ حضرت کی خدمت میں پیش کی گئی، حضرت نے پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مسائل تصوف اور سلوک کے مدارج تو کسی شیخ کامل کی خدمت میں رہ کر ہی آتے ہیں، شیخ ہر ایک کے مزاج کے مطابق اس سے مجاہدہ کراتا ہے، ریاضت کراتا ہے، اس کی اچھی طرح گھسائی کرتا ہے جب کہیں جا کر اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور انہیں اعلیٰ اخلاق کا نام تصوف ہے، یہ محض کتابوں میں پڑھنے سے نہیں آتے، کتاب میں پڑھنے سے تو بس اتنا ہوتا ہے کہ تصوف کا علم آ گیا ہے اور اس علم سے متعلق کچھ باتیں یاد ہو گئیں اور بیان کر دیا تو لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ صاحب بڑے صوفی اور بزرگ ہیں حالانکہ اس کو تصوف نہیں کہتے یہ تو شیخ کامل کی خدمت میں ہی آتا ہے، اسی وجہ سے پہلے لوگ خوب مجاہدے کراتے تھے اور سالکین سے خوب محنتیں کراتے تھے، خدمت کے کام کراتے تھے تا کہ خدمت خلق سیکھ سکیں اور پھر اللہ کے بندوں کی خدمت کریں اور یہی حاصل تصوف ہے۔

ایک خودساختہ پیر اور حضرت تھانویؒ

فرمایا کہ:

ایک صاحب تھے خودساختہ پیر، لوگوں کو بیعت کرتے تھے، مجلسیں لگاتے تھے مگر کسی سے تعلق نہیں کیا تھا بس یوں ہی بلا کسی شیخ کے تعلق کے بیعت کر لیا کرتے تھے، اب لوگوں نے ان سے سند مانگی کہ آپ کن بزرگ سے بیعت ہیں سند تو بتائیے! اب ان صاحب نے حضرت تھانویؒ کو لکھا کہ میں لوگوں کو بیعت کیا کرتا ہوں مگر میرا کوئی شیخ نہیں ہے اور لوگ مجھ سے سند مانگتے ہیں لہذا آپ مجھے سند عنایت فرما دیں تا کہ لوگوں کو میں وہ سند دکھا دوں اس پر حضرت نے ان صاحب کو تحریر فرمایا کہ پہلے اپنے دماغ کا علاج کرو! چونکہ جو اس طرح لوگوں کو بیعت کرتا پھرتا ہو اور کسی سے تعلق اصلاحی نہ ہو وہ آدمی تو پاگل اور دیوانہ ہے اس کو اپنے روحانی علاج سے پہلے اپنے دماغ کا علاج کرنا چاہئے۔

کتاب کے سوالات تو اب ختم ہو گئے، حضرت تھانویؒ کی فراست کا ایک عجیب واقعہ

فرمایا کہ:

ایک صاحب حضرت تھانویؒ سے تصوف کے سلسلے میں مکاتبت کرتے تھے اور کسی کتاب میں دیکھ کر اس سے سوالات حضرت کی خدمت میں لکھتے رہتے تھے۔ حضرت کو اس کتاب کے بارے میں علم تھا، حضرت کے مطالعہ میں رہ چکی تھی جب اس کتاب کے تمام مسائل لکھ چکے (اور بزعم خود یہ سمجھتے رہے کہ حضرت کو اس کا علم نہیں ہے) تو حضرت نے ان کو لکھا کہ اب تو آپ کی کتاب کے سوالات پورے ہو گئے۔ اب آپ کہاں سے سوالات لکھیں گے؟ اس کے بعد ان صاحب نے سوالات کا سلسلہ ختم کر دیا۔

حضرت مدنیؒ کا درسِ حدیث اور آپ کی جامع کمالات شخصیت

فرمایا کہ:

حضرت مدنیؒ کی شخصیت بڑی بھاری بھرکم شخصیت تھی واقعۃً آپ زاہد تھے، زہد آپ کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا۔ حضرت علامہ کشمیری کے بعد

دار العلوم دیوبند میں مسند حدیث کی خالی جگہ کو پر کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ حضرت اس وقت میں مدینہ منورہ میں درس حدیث دیتے تھے حضرت کو یہاں بلالیا گیا اور حضرت نے بھی دار العلوم کی حیثیت کو سمجھا اور یہاں تشریف لائے اس سے قبل بھی دار العلوم میں آپ پڑھا چکے تھے مگر اب مستقل یہاں قیام کی نیت سے تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحبؒ اس سے پہلے پڑھاتے تھے اور پھر حضرت مدنی کے معاصرین انتہائی چوٹی کے باصلاحیت اساتذہ تھے، حضرت علامہ ابراہیم صاحبؒ، علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کی موجودگی میں اس مسند کا حق ادا کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی مگر حضرت کے درس حدیث کی تقریر ایسی جامع اور تمام پہلوؤں کو لئے ہوئے ہوتی تھی کہ کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا، گویا حضرت مدنیؒ نے علامہ کشمیری کی خالی جگہ کو نہ صرف یہ کہ پر کیا بلکہ بحسن وخوبی پُر کیا۔ اس کے علاوہ حضرت کی عوامی تقاریر بھی بڑی مؤثر ثابت ہوتی تھی۔ ہر جمعرات کو آپ کا سفر ہوتا تھا ، مدارس کے جلسے ہوں یا عوامی جلسے اسی ترتیب سے آپ کی ان میں شرکت ہوتی تھی ان پروگراموں کی وجہ سے پورے ملک میں آپ کا ایک بہت ہی گہرا اثر تھا۔ ادھر آپ کے سیاسی جلسے اور ان کی تقاریر بھی پورے ملک میں مشہور تھیں ان سب چیزوں نے ملک وعوام اور خواص کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا علاوہ ازیں آپ کی روحانیت اور للّٰہیت نیز آپ کے جذبۂ خدمت خلق نے آپ کے اوصاف جمیلہ میں چار چاند لگا دئے تھے جو آپ کو ایک مرتبہ دیکھ لیتا آپ پر فریفتہ ہو جاتا تھا، جس نے آپ کو قریب سے دیکھ لیا اس کی نگاہ میں کوئی دوسرا جمتا نہیں تھا، آج ایسی شخصیتیں کہاں ہیں؟ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔

انگریز حکومت کرنا جانتا تھا

فرمایا کہ:

جب باقاعدہ ہندوستان پر قبضہ ہو گیا تو اس نے بڑے اصول اور ضابطوں سے حکومت کی وہ حکومت کرنا جانتا تھا۔ فرمایا کہ: انگریز کے زمانے میں پرائمری وغیرہ اسکولوں میں ہندو بچے اپنی پراتھنا علیحدہ کرتے تھے اور مسلمان بچے علیحدہ حمد پڑھتے تھے۔ اس نے کبھی نہیں کہا کہ ہندو مسلم ایک ہی طرح عبادت کریں بلکہ جو جس کا طریقہ ہو وہ اس کے مطابق عبادت کرتا رہے۔ کوئی آپس میں انتشار نہ ہو آج یہ گندی ذہنیت کے لوگ برسر اقتدار ہیں، کہتے ہیں کہ مسلمان بچے بھی مورتیوں کی پوجا کریں گے، ہماری طرح پراتھنا کریں، ورنہ اسکول چھوڑ دیں! جیسا کہ آج ہی کے اخبار میں مہاراشٹر کی حکومت نے اعلان کیا ہے اور اس پر مسلمان احتجاج بھی کر رہے ہیں۔ یہ سب تعصب کی باتیں ہیں، اس سے سماج اور معاشرہ خراب ہوتا ہے اس قسم کی باتوں سے کیا فائدہ ہے؟ بلکہ اس سے ملک میں انتشار اور اختلاف ہوتا ہے پھر جھگڑے ہوتے ہیں دونوں طرف جانی و مالی نقصان ہوتا ہے، انگریز کے دور میں ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ ملک میں امن وامان تھا جھگڑے فساد بالکل نہیں ہوتے تھے اور آج آئے دن یہاں جھگڑے فساد ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ حکومت کرنے کا سلیقہ نہیں جانتے۔ آج بھی انگلینڈ چھوٹا سا ملک ہے مگر ان کے یہاں نظم وضبط ہے مسلمان بھی آزاد ہیں دیگر اقوام بھی آزاد ہیں اور وہاں کی حکومت اپنی عوام کی خوشحالی کے لئے چاق وچوبند ہے، مسلمان بڑی بڑی تجارت کرتے ہیں اور اس سے دنیا کے مسلمانوں کو نفع پہونچاتے ہیں۔ لوگ وہاں سے لاکر مدارس چلاتے ہیں مساجد بنواتے ہیں اگر اہل ہند کی حکومت وہاں ہوتی تو ایک ایک مسلمان کو کان پکڑ کر نکال دیتے اور طرح طرح سے پریشان کرتے مگر وہاں مسلمان مامون ہیں اور بڑے بڑے دینی کام انجام دے رہے ہیں۔

بارہ بستی علاقہ پر حضرت مدنیؒ کا فیضان اور آپ کی کھلی کرامت ہندوؤں نے کہا یہ تو فرشتے بن کر آئے ہیں

فرمایا کہ:

شدید گرمی کا زمانہ مئی رجون کا مہینہ تھا لوگ بارش نہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھے بارش کے لئے لوگ دعائیں مانگ رہے تھے اور بارش نہیں ہو رہی تھی ایسے وقت میں بارہ بستی سے اسد اللہ خان صاحب آئے جو حضرت مدنیؒ کے خاص عقیدتمندوں میں سے تھے اور حضرت مدنیؒ بھی ان سے بے انتہا تعلق رکھتے تھے اور کچھ لوگ بھی ان کے ہمراہ تھے، حضرت کے یہاں آئے، ٹھہرے، بات چیت ہوئی اور حضرت سے بگراسی اور چندیانہ وغیرہ چلنے کی فرمائش

کی اور حضرت بھی تیار ہو گئے یہاں سے سیانہ تک تو گاڑی وغیرہ سے پہونچ گئے اور ''سیانہ'' سے بیل گاڑی میں چلے، ہمراہ حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب برادر بزرگ حضرت شیخ مولانا نصیر احمد خان اور اسد اللہ خاں ہیں جیسے ہی سیانہ سے بیل گاڑی چلی جب کہ شدت کی گرمی پڑ رہی تھی اچانک بادل آئے اور پھر زبردست بارش ہوئی اور اتنی بارش ہوئی کہ سب لوگ بھیگ گئے، حضرت کے کپڑے بھی تر بتر ہو گئے اور تمام راستوں میں پانی بھر گئے، سڑکیں چونکہ اس علاقے میں نہیں تھیں، اس علاقے میں بسیں بھی نہیں چلتی تھیں، بیل گاڑی سے یا پھر پیدل ہی لوگ چلتے تھے، اس لئے بارش سے تمام راستوں میں پانی بھر گیا، جب لوگ منزل پر پہونچے تو وہاں کے ہندو بھی دیکھنے کے لئے آ گئے اور کہا کہ یہ لوگ تو فرشتہ بن کر آئے ہیں، ان کی برکت سے یہاں کے لوگوں کو بارش نصیب ہوگئی ورنہ یہاں تو خشک سالی پڑ رہی تھی اور بلا شبہ یہ حضرت ہی کی کرامت اور آپ کی آمد کی برکت تھی، اللہ کی رحمت بارش بن کر نازل ہوئی۔ سفر میں حضرت مدنیؒ اپنا پورا سامان ضرورت کا اپنے ہمراہ رکھتے تھے، کپڑے بستر لوٹا پانی کی صراحی وغیرہ۔

حضرت کے پاس سب کچھ تھا مگر مولانا بشیر احمد خان صاحب بس جو کپڑے پہن گئے تھے اسکے علاوہ ان کے پاس نہیں تھے، حضرت مدنیؒ نے ان کو کپڑے دئے اور خود بھی کپڑے تبدیل فرمائے اور پھر ایک دو روز وہاں قیام کر کے واپس لوٹے۔

مدرسے کی برکات

فرمایا کہ:

مدرسہ کی بڑی برکات ہوتی ہیں بستی پر بھی اور اہل بستی پر بھی، مدرسہ کی برکت سے نیک لوگ بستی میں آتے ہیں اور اپنے ہمراہ اللہ کی رحمت لاتے ہیں، اس سے تمام علاقے والے فیضیاب ہوتے ہیں، خصوصاً علمائے کرام اور بزرگوں کی آمد باسعادت ہوتی ہے یہ علمائے کرام حضرات انبیائے کرام کے وارث اور سچے جانشین ہوتے ہیں، ان کے بڑے فضائل اور برکات ہیں، جو احادیث میں مذکور ہیں۔ ان کی آمد سے لوگوں کو دینی اور روحانی فیوض و برکات میسر ہوتے ہیں ان کی دعاؤں کی برکت سے لوگوں کے دینی اور دنیاوی کام بن جاتے ہیں۔ اس لئے ان کی قدر کرنی چاہئے (بارہ بستی کا ذکر چل رہا تھا) فرمایا کہ چندیانہ میں جامع مسجد میں ایک مدرسہ تھا دورۂ حدیث تک کی تعلیم وہاں ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء نے وہاں تعلیم حاصل کی ہے جو میرے بڑے بھائی اور استاذ مولانا بشیر احمد خانصاحب ہیں۔ انہوں نے چندیانہ میں اسی مدرسہ میں حفظ کلام اللہ کیا اور ابتدائی تعلیم کا آغاز بھی یہیں سے کیا ہے بعد میں گلاؤٹھی گئے اور پھر وہاں تعلیم مکمل کی اس مدرسہ ہی کی برکت تھی کہ بڑے بڑے اکابر یہاں تشریف لائے، حضرت شیخ مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیہٹوی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کا جانا تو عجیب طرز سے ہوا۔ حضرت کا پروگرام تھا، سیانہ سے تانگہ میں جانا تھا چندیانہ سے تانگہ آ گیا اور حضرت کو سیانہ پہونچنے میں تاخیر ہوگئی تانگہ والے واپس ہو گئے۔ حضرت ان کے جانے کے بعد سیانہ پہونچے رات کا وقت ہو گیا۔ حضرت تنہا، راستہ بتانے والا بھی کوئی نہیں اور تقریباً سولہ کلومیٹر کا راستہ۔ کوئی رہبر نہیں، راستہ میں اندھیرا ہے، پیدل چلنا ہے، حضرت چل دئے، رات کے کسی وقت میں چندیانہ پہونچے۔ جب صبح کو نماز کے لئے آئے تو حضرت کو موجود پا کر حیران رہ گئے عجیب بات تھی ان حضرات کی۔ اب کون ایسی مشقتیں برداشت کر سکتا ہے جو یہ حضرات کر گئے اور نہ جانے کتنے ایسے سفر کئے ہوں گے اپنی راحت و آرام کو چھوڑ کر ایسے پر مشقت سفر کرنا جب کہ ان حضرات کی کوئی دنیاوی غرض ہی نہیں، بس غرض دین کی غرض۔ اللہ کے نیک بندوں کی خدمت کی غرض۔ اور ہر چیز میں رضائے الٰہی مقصود تھی، اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ انہیں حضرات کی برکت سے آج پوری دنیا میں دار العلوم دیوبند کا نام روشن ہے اور ان کے اخلاص کی برکت سے روشن رہے گا۔ ان شاء اللہ

ٹھنڈا پانی بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے

فرمایا کہ:

ٹھنڈا پانی بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب نعمت ہے انسانوں پر، اللہ تعالیٰ نے بے شمار اپنی نعمتیں برسائی ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا اور نہ ان کا شکر ادا ہوسکتا ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وان تعدوا نعمة اللّٰه لا تحصوها" مگران سب نعمتوں میں ٹھنڈا پانی بے مثال نعمت ہے، خصوصاً ہمارے اس علاقے میں، یہ نعمت بہت ہی ارزاں ہے، اگر برف نہ بھی دستیاب ہوتو کوئی پریشانی کی بات نہیں، زمین سے قدرتی ٹھنڈا اور شیریں پانی نکلتا ہے اور اتنا ٹھنڈا کہ برف کی حاجت نہیں دوسرے علاقوں میں یہ نعمت اتنی سستی نہیں ہے۔

فرمایا کہ: جب میں سب سے پہلے یہاں دیوبند بغرض تعلیم آیا تو سب سے پہلے حضرت مدنی کے مکان پر پہونچا، شدید گرمی کا موسم تھا، سامان رکھا اور وہیں حضرت کے مکان کے نل سے پانی پیا جو اتنا ٹھنڈا تھا کہ میں یہی سمجھا کہ اس میں برف کا پانی ہے حالانکہ وہ سادہ پانی اور قدرتی اور اصلی پانی تھا، پھر میں نے غسل کے لئے بالٹی بھری اور غسل خانہ میں گیا تو اس پانی کو سر پر ڈالنے کی ہمت نہیں ہورہی تھی، اتنا ٹھندا تھا، عجیب اللہ کا انعام ہے!

فرمایا کہ: حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کو وصیت کی تھی کہ ہمیشہ ٹھنڈا پانی پیا کرو اس کی وجہ سے ہر بال سے اللہ کا شکریہ ادا ہوگا، عموماً اللہ والے خوب ٹھنڈا پانی پیتے ہیں اور خوب اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اللہ والوں کی تو ہر ہر ادا سے اللہ کی شکر گزاری کا احساس ہوتا ہے۔

اسرپ علی مولبی تو ہی ہے؟

فرمایا کہ:

ایک دیہاتی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے ملاقات کے لئے آیا، حضرت بیٹھے ہوئے باہر ہی سے نظر آرہے تھے، اس نے وہیں دور سے ہی معلوم کیا کہ اسرپ علی کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ میں ہوں، اشرف علی! اس نے کہا کہ تو تو اسرب علی نہیں ہے! وہ تو گورا ہے اور تو کالا ہے۔حضرت کے قریب کوئی صاحب اور بیٹھے ہوئے تھے وہ صاحب خوب گورے چٹے تھے، حضرت نے فرمایا کہ پھر یہ صاحب ہیں تو اس نے کہا یہ تو ڈھیر گورا ہے، اسرب علی اتنا گورا نہیں ہے، اس پر حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! وہاں مزدور کام کررہے ہیں ان سے معلوم کرلے! وہ بتادیں گے چنانچہ اس نے مزدوروں سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ وہی تو مولانا اشرف علی صاحب تھے، اب یہ حضرت کی خدمت میں آیا اور کہا کہ اب تو کالا ہوگیا پہلے تو گورا تھا، حضرت نے معلوم کیا کہ کب دیکھا تھا؟ اس نے کہا کافی دن ہوگئے، حضرت نے فرمایا کہ وہ جوانی کی بات تھی، جوانی کے رنگ روغن اور ہوتے ہیں اور بڑھاپے کے احوال دوسرے ہوتے ہیں، بھائی! اب بڑھاپا ہے، وہ شخص ملاقات کرکے چلا گیا۔

فرمایا کہ: حضرت کو بے ڈھنگی باتوں پر بڑی تکلیف ہوتی تھی مگر حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ اس کی سیدھی سادھی باتوں پر اتنا لطف آرہا تھا کہ بس وہ یہی کہتا رہے کہ تو تو اسرب علی نہیں ہے اور میں سنتا رہوں، دیہاتی اور گاؤں کے لوگ شہری تہذیب وتمدن سے نا آشنا ہوتے ہیں اور ان کی سیدھی سادھی باتوں میں اخلاص ہوتا ہے، ریاء اور بناوٹ نہیں ہوتی یہ لوگ اہل اللہ اور دینداروں کے سچے عاشق ہوتے ہیں۔

بعض بے ڈھنگی باتیں بڑی تکلیف کا باعث ہوتی ہیں

فرمایا کہ:

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کی بے ڈھنگی باتیں بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں، اس پر حضرت نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک بڑھیا کے بیٹے کی شادی ہوئی، دلہن گھر میں آگئی مگر دلہن بہت خاموش رہتی اور کوئی بات نہیں کرتی، کبھی کچھ بولتی ہی نہیں، بڑھیا نے کہا کہ دلہن تو ہمیشہ چپ رہتی ہے، بولتی کیوں نہیں؟ بولا کر! بولنے سے گھر میں رونق ہوتی ہے۔ دلہن بولی کہ میری ماں نے بولنے سے منع کردیا ہے اس لئے میں بولتی نہیں ہوں، ساس نے پھر کہا کہ بولا کر! چنانچہ دلہن ایک دن بولتی ہے کہ اماں! اگر تیرا بیٹا مرگیا تو مجھے یوں ہی بٹھائے رکھے گی یا شادی کردے گی، بڑھیا نے کہا کہ تیرا نہ بولنا ہی بہتر ہے، تیری

اماں نے ٹھیک کہا تھا اس لئے تو بولا مت کر! تو اسی طرح بہت سی باتیں بڑی تکلیف کا باعث ہوتی ہیں۔

پہلے زمانے کے طلبہ بڑے ذی استعداد اور باادب ہوتے تھے

فرمایا کہ:

پہلے زمانے کے طلبہ بڑے ذی استعداد ہوتے تھے کتابوں کے مضامین از بر کر لیتے تھے، انتہائی مشقت اور محنت کے ساتھ پڑھتے تھے، قندھار، ہرات، کابل، جلال آباد۔ اسی طرح سے سرحد کے طلبہ ذہین بھی ہوتے تھے اور محنتی بھی، اسی کے ساتھ اساتذہ کا بڑا ادب واحترام بھی کرتے تھے اگر راستہ میں کوئی استاذ مل گیا چاہے چھوٹا ہو یا بڑا غرض کسی بھی درجے کا ہو طلبہ کی مجال ہی نہیں تھی کہ گذر جائیں بلکہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور جب استاذ گزر جاتے اس کے بعد جاتے تھے اور اب تو حال یہ ہے کہ استاذ جا رہے ہیں اسکے سامنے سے گذر جائیں گے اور کوئی پرواہ نہیں کریں گے، یہاں بھیڑ ہے، وہاں بھیڑ جمع ہے، کوئی سلیقہ نہیں۔

فرمایا کہ: میں ایک دفعہ تعلیمات کے دفتر پر اعلان پڑھ رہا تھا، گھنٹے کے درمیان میں وقت خالی ہو گیا تھا، حضرت شیخ الادب صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ مولوی صاحب تم اسی لئے یہاں آئے ہو؟ بس اتنا کہا تھا پھر زندگی بھر وہاں کھڑے ہونے کی جرأت نہیں ہوسکی، اب ہر جگہ بھیڑ ہے، راستوں پر بھی بھیڑ جمع کر لیتے ہیں، نکلنا دشوار ہو جاتا ہے اور نہیں دیکھتے کہ کون آرہا ہے اور کون جا رہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کباڑ جمع ہو گیا۔ پہلے زمانے میں طلبہ ایسے نہیں ہوتے تھے، بڑی مضبوط استعداد ہوتی تھیں اور امتیازی نمبرات ۵۱/۵۲/۵۳ حاصل کرتے تھے، جبکہ ۳۵/ پر پاس ہوتے تھے، اس سے کم پر فیل ہوتے تھے اور اس سے پہلے تو پاس ہونے کے لئے چالیس نمبرات لانا ضروری ہوتا تھا۔ ۳۹/ پر فیل ہوتے تھے اور امتحان بھی بڑا سخت ہوتا تھا، پرچے میں تین سوالات ہوتے تھے اور تینوں کا حل کرنا ضروری ہوتا تھا اور اب تو پانچ میں سے تین کرنے ہوتے ہیں اور ایک بات یہ بھی ہوتی تھی کہ پرچے میں عبارت بہت کم ہوتی تھی حفظ کا امتحان زیادہ ہوتا تھا، اب تو حفظ کا امتحان ہوتا بھی نہیں ہے اب تو اکثر و بیشتر عبارت دیکھ کر اسی سے سوال ہوتا ہے اور اس سے آسانی ہو جاتی ہے، پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا پھر بھی طلبہ اچھے نمبرات لاتے تھے۔ اب یہ معیار بہت گر گیا ہے، دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے، طلبہ کو محنت کرنی چاہئے استعدادوں کو اعلیٰ بنانا چاہئے۔

خشک اخلاقی کا ایک نمونہ

فرمایا کہ:

بعض لوگ بڑے خشک اخلاق ہوتے ہیں اور اس پر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ فراہمی غلہ کے سلسلے میں بلند شہر کے علاقے میں بارہ بستی کا سفر تھا۔ ہمراہ حضرت مولانا گل صاحب تھے، جو شعبۂ تنظیم و ترقی کے ذمہ دار، ناظم تھے اور ان کا ایک چپراسی اور ایک ڈرائیور، کل چار آدمی تھے۔ سب سے پہلے ''بگراسی'' پہونچے اور وہاں کے ایک رئیس جو مجھے بھی

جانتے تھے اور میرے یہاں مکان پر آتے تھے اور ادھر حضرت مدنیؒ کے یہاں بھی آتے تھے، خوب اچھی طرح جان پہچان تھی، عصر سے قبل ان کے یہاں پہونچے سامان رکھا، گاڑی کھڑی کی اور ان کی بیٹھک میں جا کر بیٹھ گئے۔ حقہ چل رہا تھا باتیں ہوتی رہیں، عصر کا وقت ہو گیا، مسجد قریب ہی تھی ہم لوگ نماز پڑھنے چلے گئے نماز کے بعد پھر آ کر بیٹھ گئے، مختلف باتیں ہوتی رہیں اور اب مغرب کا وقت آ گیا، مغرب کی نماز پڑھنے چلے گئے، اور پڑھکر آ گئے اس کے بعد بھی کوئی کھانے پینے کی بات نہیں ہوئی، جب کافی دیر ہو گئی تو میں نے مولانا محمود گل صاحب سے کہا کہ ہم کو ''جلال پور'' بھی جانا ہے، انہوں نے کہا کہ جانا ہے، میں نے کہا کیوں نہ ابھی چلا جائے انہوں نے کہا کہ بہت اچھا! چنانچہ میں نے ڈرائیور سے کہا سامان رکھو اور چلو، ہم چل دئے مگر خان صاحب نے کھانے کی بات تک نہیں کی حالانکہ کھانے کا وقت تھا اور ایسے وقت آدمی کہہ دیتا ہے کہ بھائی کھانا کھا کر جانا مگر انہوں نے نام تک نہیں لیا یہاں سے ہم جلال پور

چلے گئے اور وہاں میرے ہم زلف تھے ان کے یہاں پہونچ گئے اور کھانا کھا کر آرام کیا اور صبح کو کام شروع کیا۔

بزرگوں کو اللہ تعالیٰ روحانی قوت سے نوازتے ہیں

فرمایا کہ:

پہلے بزرگوں کے حالات اور مجاہدات میں اکثر یہ بات ملتی ہے کہ ان کو فاقے ہوتے تھے اور کئی کئی دن کے مسلسل فاقے ہوتے تھے، بچے بھی بھوکے اور خود بھی بھوکے، بیوی بھی بھوکی، بڑی تکلیف ہوتی ہوگی، آج تو فاقوں کا تصور بھی نہیں ہوتا، ان فاقوں کی لذتوں سے بھی ہم لوگ ناآشنا ہیں اور اس کے باوجود اگر ان کو کوئی ہدیہ دیتا اور اس کو وہ مناسب نہیں سمجھتے تو اس کو نہیں لیتے تھے، واپس کر دیا کرتے تھے، حالانکہ سخت ضرورت ہوتی تھی، فاقوں سے اور زیادہ کیا ضرورت ہوگی؟

فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے روحانی قوتوں سے نوازا تھا اسی وجہ سے ان کے لئے صبر وقناعت آسان ہوگیا تھا۔ وہ لوگ فاقہ کرتے تھے مگر پڑوسیوں کو بھی اسکا پتہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کا اخفا بھی کرتے تھے، چھپاتے تھے اور اگر ان کے اس راز کو ظاہر کر دیتا تھا تو اس سے ناراض ہو جاتے تھے، اللہ اللہ یہ کیسا صبر تھا؟ کیسی قناعت تھی؟ بڑے اونچے درجے کے یہ لوگ تھے، اور ان کی رفیقۂ حیات بھی اسی طرح صبر وقناعت والی تھیں۔ آج یہ دونوں وصف ہمارے اندر سے نکل گئے اسی وجہ سے وہ روحانیت جو ان اکابر میں تھی وہ ہمارے اندر نہیں ہے۔ کاش کہ ایسے اوصاف ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائیں؛ تاکہ ان اکابر جیسے فیوض و برکات ہم کو بھی میسر آسکیں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں بڑے نازک طبع تھے

فرمایا کہ:

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ بہت بڑے عالم اور صاحب نسبت عالیہ بزرگ ہیں ان کی روحانیت بڑی قوی ہے، علم بھی بہت پختہ ہے، شاہی خاندان سے آپ کا تعلق ہے، حضرت اورنگ زیب عالم گیرؒ کے رشتہ میں بھائی لگتے ہیں مگر طبیعت میں انتہائی سلیقہ مندی اور نزاکت تھی، خلاف مزاج معمولی بات بھی ان کی طبع نازک پر انتہائی گراں ہوتی تھی، ان کی نزاکت طبع کے چند واقعات حضرت نے سنائے۔

چارپائی میں کان کی وجہ سے نیند نہیں آئی

فرمایا کہ:

ایک نواب صاحب نے ان کی دعوت کی، حضرت نے قبول فرمالی اور نواب صاحب کے یہاں پہونچ گئے، نواب صاحب نے قسم قسم کے کھانے تیار کرائے اور خوب اچھی طرح سے حضرت کی میزبانی کی۔ جب رات کا وقت آیا تو حضرت کو آرام کرنے کے لئے بستر لگا دیا گیا اور آپ لیٹ گئے مگر تمام رات سو نہیں سکے بالکل نیند نہیں آئی، صبح کو نواب صاحب نے حال معلوم کیا تو فرمایا کہ:

پوری رات نیند نہیں آسکی، وجہ معلوم کی تو بتایا کہ جس چارپائی پر بستر لگایا گیا تھا اس میں کان تھی اس وجہ سے میں رات بھر نہیں سو سکا چنانچہ دیکھا گیا تو بہت معمولی سی کان (ہلکا ٹیڑھا پن) تھی، یہ تھی آپ کی نزاکت طبع۔

مرزا جان جاناں اور شہزادہ

فرمایا کہ:

ایک شہزادے آپ کی خدمت میں آئے، ملاقات ہوئی، شہزادہ کو پیاس محسوس ہوئی اور پانی طلب کیا حضرت نے فرمایا کہ گھڑا رکھا ہوا ہے اس میں

سے پانی پی لو!

شہزادہ نے گھڑے سے پانی پیا مگر گھڑے پر پیالہ بے خیالی میں ذرا ٹیڑھا رکھ دیا بس حضرت سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جب پیالہ تک سیدھا نہیں رکھ سکتے تو حکومت کیا کرو گے؟

لحاف میں دھاگے بے ترتیب ڈالدئے جانے کی بناء پر نیند نہیں آئی

فرمایا کہ:

ایک بڑھیا آپ کے لئے لحاف تیار کر کے لائی بہت خوبصورت لحاف، بڑی محنت سے اس میں ڈورے ڈالے گئے تھے، رات کے وقت لحاف آیا آپ نے استعمال فرمایا مگر کوئی چیز آپ کو مسلسل پریشان کرتی رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ساری رات نیند نہیں آئی، صبح کو خدام سے فرمایا کہ دیکھو اس میں جوئیں معلوم ہوتی ہیں خدام نے کہا نیا لحاف ہے اس میں جوئیں کہاں؟ خیر! اب جو دیکھا گیا تو اس میں کہیں کہیں ڈورے بے ترتیب ہو گئے تھے جس کہ وجہ سے آپ کو گویا جوؤں کا احساس ہوا اور پوری رات جاگ کر گذاری۔

میں ریچھ کو بیعت نہیں کرتا، ریچھ اور انسان میں مناسبت نہیں

فرمایا کہ:

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ مولانا غلام یحیٰ صاحب بہاری (جو مشہور اور بڑے عالم دین تھے، معقولی اور منقولی عالم تھے، قطبی پر ان کا حاشیہ بھی ہے (مگر داڑھی ان کی بہت بڑھی ہوئی تھی) حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کے ارادے سے آئے۔ حضرت نے ان کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے اور آنکھ بند کر کے کہا کہ جلدی کہو کیا کہنا ہے؟ مولانا نے کہا کہ حضرت بیعت کے لئے حاضر ہوا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ مرید اور پیر میں مناسبت ضروری ہے اور انسان اور ریچھ میں کوئی مناسبت نہیں اس لئے میں تم کو بیعت نہیں کرتا، اس پر مولانا غلام یحیٰ صاحب ناراض ہوئے اور کہا کہ بس آپ ہی ایک پیر اور شیخ ہیں اور کوئی نہیں اور کسی شیخ سے بیعت ہو جائیں گے، یہ کہہ کر چلے گئے اور اس کے بعد بہت سے شیوخ کے یہاں گئے مگر کوئی شیخ پسند نہیں آیا اور کسی سے مناسبت نہ ہو سکی آخر میں حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور داڑھی وغیرہ درست کرا کے حاضر ہوئے اب حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہاں اب بیعت کریں گے چنانچہ بیعت کر لیا اور بڑے شوق اور محبت سے مولانا کی تربیت فرمائی اور ایک زمانہ تک حضرت کی خدمت میں رہے اور مرید اور شیخ میں کامل مناسبت ہوگئی اور پھر حضرت مرزا صاحب نے مولانا کو اجازت وخلافت سے نوازا، بہر حال اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب تک پیر اور مرید میں مناسبت نہ ہو مرید کو فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر مرید کو شیخ سے مناسبت نہیں ہے تو مناسبت پیدا کرے ورنہ تو کورا ہی رہے گا اور شیخ کی مصاحبت سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکے گا، اسی وجہ سے بیعت ہونے سے پہلے خوب غور وفکر ہو کہ کس سے مرید ہونا چاہئے، کہاں مناسبت ہو سکے گی اور کہاں مناسبت نہیں ہو سکے گی تا کہ شیخ کی مصاحبت سے کامل استفادہ کر سکے۔

حضرت مرزا صاحب کا ایک اور عجیب وغریب واقعہ

فرمایا کہ:

حضرت مرزا صاحب جمعہ کی نماز دہلی کی جامع مسجد میں پڑھتے تھے اور ہمیشہ جنوبی دروازہ سے آتے اور مشرقی دروازہ سے باہر جاتے تھے، جمعہ کی نماز کے بعد مرزا صاحب یہ عجیب کام کرتے کہ ایک بزرگ مسجد کے برآمدہ میں بیٹھے رہتے تھے۔ یہ بزرگ مصلیٰ پر بیٹھے رہتے اور ان کے پاس ایک لوٹا رکھا رہتا تھا اس لوٹے پر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی رہتی تھی مرزا صاحب ان کا لوٹا اٹھا کر توڑ دیتے، اینٹ پھینک دیتے اور چٹائی کا مصلیٰ ان کے نیچے سے کھینچ کر

اس کو بھی پھینک دیتے اور پھر مشرقی دروازہ سے چلے جاتے اور زبان سے کچھ نہیں کہتے اور نہ وہ بزرگ کچھ بولتے، ہر جمعہ کو مرزا صاحب یہ عمل کرتے، لوگ بڑا تعجب کرتے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ مگر کسی کو معلوم کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، ایک دن خدام نے ہمت کر کے یہ بات معلوم کی کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ جب ہم نوعمر تھے تو بہت سے لوگ ہمارے چاہنے والے تھے جن میں یہ صاحب بھی تھے مگر کچھ وقت کے بعد سب نے آنا جانا چھوڑ دیا مگر یہ صاحب برابر آتے جاتے رہتے، انہوں نے تعلقات ختم نہیں کئے تو ایک مرتبہ مراقبہ کیا اور اس میں ان کی روحانیت کا مقام جاننا چاہا تو دیکھا کہ ان کی روحانیت بہت بڑھی ہوئی ہے، اور میں ان کی روحانیت کے سامنے دب کر رہ گیا، اب جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو میں دل سے ان کا انتہائی احترام کرنے لگا اسی درمیان وہ ایک دن میرے یہاں ملاقات کے لئے تشریف لائے اور میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کا بہت احترام کیا اور ان کو اپنی جگہ بٹھایا انہوں نے انکار کیا مگر میں ان کو اپنی جگہ بٹھانے کے لئے اصرار کرتا رہا تو انہوں نے یہ کیا کہ میری روحانیت سلب کر لی اور میں بالکل خالی رہ گیا اور بہت پریشان ہوا اور ان سے درخواست کی کہ یہ واپس کر دیں تو انہوں نے ایک شرط لگائی کہ وہی پہلا یعنی بچپن والا معاملہ کرو گے اور ہمیشہ ایسا کرو گے اس کا وعدہ کرو تو واپس کرتا ہوں ورنہ نہیں چنانچہ میں نے مجبوراً وعدہ کر لیا اور اب یہ سب کچھ اسی وعدہ کے ایفاء کے لئے کرتا ہوں۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ اعلیٰ درجے کے ذہین اور انتہائی نازک طبع تھے

فرمایا کہ:

حضرت مولانا علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ انتہائی ذہین انسان تھے۔ استعداد نہایت اعلیٰ درجہ کی پائی تھی، جامع المعقول والمنقول تھے، تمام کتابیں حفظ یاد تھیں، اگر کوئی بات ان سے معلوم کی جاتی تو فرماتے کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر ہے وہاں اسکو دیکھ لینا، اگر وہاں دیکھنے کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آتی تو پھر فرماتے کہ کتاب لاؤ! اور کتاب منگا کر اس مقام کو سمجھاتے، ہم نے ان کو مطالعہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ہاں اتنا ضرور کرتے صبح کو ناشتہ کر کے لیٹ جاتے، کمرہ بند کر لیتے پھر کچھ دیر کے بعد جب سبق کا وقت آتا، تیاری کر کے وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر درس کے لئے تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ میں لیٹ کر سبق ترتیب دیتا ہوں اور جب سبق پڑھانے کے لئے چلتے اگر راستہ میں چھینک آ گئی تو بس وہیں سے لوٹ جاتے اور فرماتے کہ آج سبق نہیں ہوگا، اعلیٰ ذہانت کے ساتھ انتہائی نزاکت بھی ان کے مزاج میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی تھی وہ اپنے وقت کے بڑے لوگوں میں سے تھے، بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب سے بہت اچھے تعلقات تھے، علامہ کو چھاچھ بہت پسند تھی۔ بھائی صاحب کے یہاں کوٹھی پر بھینس رہتی تھیں چنانچہ بھائی صاحب ان کے لئے صبح کو روزانہ تازہ چھاچھ اور تازہ گھی بھیجا کرتے تھے۔ دونوں کے باہم مزاج بہت حد تک یکساں تھے، بھائی صاحب بھی معقولی عالم تھے، بلکہ احادیث پر بھی اچھی نظر تھی، یہاں جب دار العلوم آئے تو سب سے پہلے ابو داؤد شریف کا سبق ان سے متعلق ہوا تھا، طلبہ عجیب عجیب سوالات کرتے، مگر بھائی صاحب انتہائی عمدہ اور مسکت جواب دیتے۔

بزرگوں کی زندہ دلی حکیم محمد اسحاق صاحب کٹھوریؒ اور حضرت مدنیؒ کی بے تکلفی

فرمایا کہ:

حضرت مولانا اسحاق صاحب کٹھوریؒ (میرٹھ) محلّہ مہر نگر میں مطب کرتے تھے، دار العلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے، حضرت مدنیؒ سے بڑا گہرا تعلق تھا اور بہت بے تکلفی تھی، جب دیو بند تشریف لاتے تو حضرت مدنیؒ ان سے مٹھائی کا مطالبہ کرتے تھے وہ انکار کرتے اور حضرت اصرار فرماتے بالآخر زور زبردستی ان سے پیسے لے کر مٹھائی کھائی جاتی اور وہ اس کے لئے تیار ہو کر بھی آتے تھے چنانچہ دو روپیہ حکیم صاحب اسی مقصد سے رکھ لاتے تھے، حکیم صاحب نہایت نیک صورت اور نیک سیرت آدمی تھے، حکیم بڑے حاذق تھے اور مریض سے اس طرح پیش آتے کہ مریض کا آدھا مرض مطب میں آ کر اور حکیم صاحب سے ملکر ختم ہو جاتا تھا، ان کے علاج سے خلق خدا کو بڑا نفع ہوتا تھا، حکیم صاحب کی

عادت تھی کہ جب نسخہ لکھتے تو جو دوائیاں نسخے میں لکھتے ان کو ایک خاص انداز سے گنگناتے رہتے تھے اور نسخہ لکھتے تھے، نہایت پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ اپنے مریضوں کے لئے تہجد میں دعا کرتے تھے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے علاج میں بڑی تاثیر رکھی تھی، مریضوں کو خوب شفا ہوتی تھی، دوائیں خود حکیم صاحب کے مطب میں تیار ہوتی تھیں، اور پورے اجزاء ڈالے جاتے تھے، شکل وصورت ایسی تھی کہ دیکھنے سے اللہ یاد آجائے اب اس طرح کے حکماء کہاں ہیں؟ مخلوق خدا کی خدمت حسبۃً للہ کرتے تھے۔

یہ امداد غیبی تھی، حضرت تھانوی کا ایک واقعہ

فرمایا کہ:

حضرت تھانویؒ نے خانقاہ میں اوپر ایک کمرہ بنوایا تھا، اسی میں آپ تصنیف وتالیف کا کام کرتے تھے، ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ حضرت اسی کمرہ میں مثنوی مولانا روم کے ترجمہ کا کام فرما رہے تھے، اس درمیان کمرہ بند رہتا تھا، اب اسی حال میں ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھلوایا، حضرت نے دیکھا کہ وہ کبوتر باز ہے اور کہہ رہا ہے کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے حضرت نے فرمایا کہ میرا بھی ایک کام ہے پہلے تو میرا کام کردے پھر میں بھی تیرا کام کردوں گا اس نے وعدہ کرلیا، اس وقت صورت یہ تھی کہ مثنوی کے جس حصہ کو میں لکھ رہا تھا اس میں کبوتروں سے متعلق کچھ اصطلاحات تھیں جن کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں نے اس سے وہ اصطلاحات معلوم کیں اس نے تمام ضروری چیزیں بتادیں میں نے اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی اور اس کا بھی کام کردیا اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ ''یہ امداد غیبی تھی'' جو بروقت اللہ کی طرف سے آئی اور اس شخص کو اللہ نے ایسے وقت میں بھیج دیا اور اس طرح میری مشکل آسان فرمادی۔

واقعہ سنانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اللہ والوں کی اسی طرح سے مدد ہوتی ہے اور اسی طرح سے ان کے کام بنتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو اللہ کا ہوتا ہے اللہ اس کا ہوجاتا ہے اور اپنی رحمت خاصہ سے ان کی ضرورتوں کو پوری کرتا ہے۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کا بھنگی کے ساتھ برتاؤ

فرمایا کہ:

ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ کو ضرورت ہوئی کہ خنزیر کب بالغ ہوتا ہے معلوم کریں آپ ایک دفعہ اپنی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے تھے سامنے سے ایک بھنگی آیا اس سے آپ نے معلوم کیا اور اس نے بتادیا اس کے بعد حضرت اس کا اس درجے اکرام کرتے تھے کہ جب بھی وہ سامنے آتا تو وہ اس کے احترام میں کھڑے ہوجاتے تھے یعنی اگر کسی نے ایک بات بھی بتادی تو وہ استاذ کے درجے میں ہوگیا۔ حضرت کا نظریہ یہ تھا۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ پہلے اکابر میں اس قدر کسر نفسی تھی کہ اگر وہ یہ سمجھتے کہ میرے نفس کے اندر یہ بات آئی ہے کہ میں آپ کو فلاں عالم سے بڑا سمجھنے لگوں گا تو ان عالم صاحب سے کوئی کتاب پڑھتے اور ان کو اپنا استاذ بنالیتے تاکہ ہمیشہ ان کا احترام کریں گویا اس شیطانی خدشہ کا یہ علاج کرتے تھے کہ اس قدر کسر نفسی اور تواضع تھی ان حضرات کے مزاج میں، دراصل اسی چیز نے ان حضرات کو اونچا اٹھادیا تھا۔

حضرت نانوتویؒ کا روحانیت میں مقام

فرمایا کہ:

ایک صاحب جو عالم بھی تھے اور روحانی بزرگ بھی تھے، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور یہ صاحب حضرت نانوتویؒ کے مقام ومرتبہ سے واقف نہیں تھے بس ایک عالم سے ملاقات کے لئے آگئے، خیر! مجلس میں بیٹھے اور بات چیت ہوئی، اور حضرت کے علوم

سے متاثر ہوئے اور پھر فرمانے لگے کہ حضرت آپ کے پاس علوم ظاہری تو ماشاء اللہ بہت ہے اور علمی مقام آپ کا بہت اونچا ہے مگر آپ روحانیت کی طرف بھی توجہ فرمایئے! تاکہ باطنی علوم بھی آپ کو حاصل ہوجائیں حضرت نے فرمایا کہ بھائی میں تو ایسا ہی محروم القسمت ہوں مجھے تو کچھ آتا جاتا نہیں ہے کچھ آپ ہی توجہ فرمائیں اور عنایت فرمادیں اب ان صاحب نے مراقبہ کیا اور حضرت کا مقام جاننا چاہا اور دیکھا کہ حضرت کی روحانیت تو اس سے بہت بڑھی ہوئی ہے ،اور یہ صاحب وہاں تک پہونچ بھی نہ سکے ان صاحب کو ہوش آیا اور حضرت سے معافی مانگی کہ حضرت مجھے معاف فرمادیں مجھے معلوم نہیں تھا میں آپ سے واقف نہیں تھا اور معذرت کرکے چلے گئے، وجہ یہ تھی حضرت اپنے احوال باطنہ کا بہت زیادہ اخفاء کرتے تھے۔

بادل بھی مامور ہوتے ہیں

طلبہ کہہ رہے تھے کہ بڑی دعائیں ہورہی ہیں اور بارش نہیں ہورہی ہے، سخت گرمی ہورہی ہے، ساری مخلوق پریشان ہے کھیتوں وغیرہ کو بھی پانی کی سخت ضرورت ہے، مویشی بھی پریشان ہیں، حضرت نے فرمایا کہ بھائی یہ بادل بھی تو مامور ہیں جہاں کا حکم ہوگا، وہیں برسے گا جس وقت کا حکم ہوگا اس وقت برسے گا، ابھی اللہ کا حکم نہیں ہے وہ جب اور جس وقت بہتر سمجھیں گے حکم دیں گے اور بارش ہوگی۔

پھر فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے کھیت میں آواز سنی بادل کو حکم ہوتا ہے کہ اے بادل! تو فلاں کے کھیت میں جا کر برس! اب یہ شخص جو آواز کو سن رہا تھا وہ بادل کے ساتھ ساتھ چل دیا اب وہ بادل ایک جگہ ایک کھیت میں جا کر خوب برسا اور پوری زمین سیراب ہوگئی اب یہ شخص کھیت کے مالک کے پاس گیا اور معلوم کیا کہ بھائی تمہارا کیا خاص عمل ہے جس کی وجہ سے ایسا ہوا ہے؟ تو اس نے کہا کہ اتنا تو اس کی پیداوار میں سے اپنے بچوں اور گھر کے خرچ کے لئے رکھتا ہوں اور اتنا صدقہ کرتا ہوں اللہ کے لئے دیتا ہوں اور اتنا میں اگلی فصل کی کاشت کے لئے رکھتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جگہ کے لئے اور جس وقت کے لئے اللہ کا حکم ہوتا ہے بادل اسی جگہ اور اسی وقت بارش برسائے گا تو بھائی ابھی یہاں کے لئے حکم نہیں ہوا ہے، جہاں کا حکم ہوا ہے وہاں برس چکا ہے اور برس رہا ہے کہیں اتنا برس رہا ہے کہ سیلاب آرہے ہیں اور کہیں بالکل خشکی ہے یہ سب اللہ کی مصلحتیں ہیں اور اپنی مصلحتوں کو بس وہی جانتا ہے اس میں کسی کو دخل نہیں ہے ہمیں تو ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہئے، وہ بارش برسائے جب بھی اور محروم رکھے جب بھی ،یہی اس کی بندگی کا تقاضا ہے۔

بنی اسرائیل کی سفاکیاں اور ان کا ظلم عظیم

فرمایا کہ:

آج کل اخبارات میں فلسطینیوں پر یہودیوں کے مظالم کا خوب خوب چرچا ہورہا ہے۔ یہودی قوم نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے ان کے خلاف ہر تشدد کو روا کر دیا ہے، ان پر ہر طرف سے حملے کئے جارہے ہیں اور ان کے ننھے منے معصوم بچوں کو گولیوں سے بھونا جارہا ہے۔ عورتیں اور بوڑھے بھی ان کے ظلم کا شکار ہورہے ہیں ان کے نوجوانوں کو قتل کیا جارہا ہے اور گرفتاریاں بھی ہورہی ہیں۔ حملے کرکے ان کے نقل وحرکت کے راستوں کو برباد کر دیا گیا ہے، راستے کے پل اور سڑکوں کو تباہ کر دیا ہے، بجلی کے ٹرانسفارمر اور پانی کی سپلائی کے تمام نظام کو درہم برہم کر دیا گیا ہے اور ان کی بستیاں لائٹ بند ہونے کی وجہ سے اندھیروں کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہیں، پانی کی سپلائی نہ ہونے کی وجہ سے تمام علاقے شدید اضطراب اور پریشانی میں ہیں بہت سے لوگ اپنے گھروں سے غائب اور لاپتہ ہیں نہ جانے وہ لوگ یہودی حملوں کے شکار ہوگئے یا اسرائیلی فوجوں نے ان کو گرفتار کر لیا ہے، ان کا پتہ نہیں ہے، خدا جانے وہ کہاں ہوں گے؟ ہزاروں فلسطینی مسلمان اسرائیل کی جیلوں میں بند ہیں جن میں جوانوں کے ساتھ ساتھ بوڑھے، بچے نیز عورتیں بھی ہیں اور وہ سخت پریشانی کے عالم میں موت وحیات کی جنگ لڑ رہے ہیں یہی سب باتیں آج حضرت کی مجلس میں ہورہی تھیں اور اخبارات میں چھپنے والی اس سلسلے کی خبروں کا ذکر تھا کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ واقعۃً یہودی بڑے سفاک اور ظالم ہوتے ہیں انہوں نے ہمیشہ دوسروں پر مظالم کئے ہیں اور خود کو مظلوم ہی کہتے

رہے ہیں یہاں تک کہ ان کے ظلم سے انبیائے کرام کی معصوم جماعت بھی محفوظ نہیں رہی، بہت سے انبیائے کرام کو انہوں نے اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا یہاں تک بہتوں کا سر قلم کر دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انہوں نے سازشیں کیں یہاں تک کہ آپ کے قتل کے منصوبے تیار کئے چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کے ایک مشہور قبیلے بنونظیر کے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین کی دعوت کے سلسلے میں بات کرنے کے لئے تشریف لے گئے ۔ساتھ میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق بھی ہیں، یہودیوں نے مشورہ کر کے آپ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا دیا کہ آپ یہاں تشریف رکھیں ہم ابھی آتے ہیں اور ایک شخص کو تیار کیا کہ ایک بڑا سا پتھر اوپر سے آپ پر گرا دے تا کہ آپ کا کام (نعوذ باللہ) ہو جائے، آپ بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر ،حضرت عمر آپ سے علیحدہ تھے جیسے ہی آپ وہاں بیٹھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا کہ آپ فوراً یہاں سے اٹھ جائیں، اللہ کے حکم سے آپ اٹھ گئے اور حضرات شیخین کو آپ نے اس واقعہ سے مطلع کیا اور اس کے بعد بحکم الٰہی آپ نے حکم دیا کہ سارے بنونظیر یہاں سے چلے جائیں اور ہر ایک اپنے اونٹ پر جتنا سامان لے جاسکتا ہے لے جائے، بقیہ چھوڑ کر چلے جائیں اس طرح یہاں سے بنونظیر کے تمام یہودی نکال دئے گئے بہر حال یہودی ہمیشہ سے سفاک اور ظالم اور انسانیت کے دشمن رہے ہیں خصوصاً اسلام اور مسلمانوں سے ان کا معاملہ ہمیشہ معاندانہ رہا ہے یہ لوگ غاصب ہیں ۔انہوں نے فلسطین کی مقدس سر زمین کو جو مسلمانوں کی زمین تھی ناجائز قبضہ کیا اور آگے بڑھتے بڑھتے مستقل اپنی حکومت قائم کر لی اور مسلمانوں کے لئے ایسی ایسی مشکلات کھڑی کر دی ہیں کہ ان کا مستقبل قریب میں کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا ہے یہ لوگ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی توہین کرتے ہیں، ان میں آگ لگا دیتے ہیں اور ان کو بر باد کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کی تذلیل کرتے ہیں، ان کے مظالم سے تاریخ بھری پڑی ہے اور امریکہ پوری طرح اس کی سرپرستی کر رہا ہے اس کو ہر قسم کی امداد دے کر اس کو مسلمانوں کے خلاف ہر طرح سے مضبوط کر رہا ہے اور ساری دنیا تماشائی بنی ہوئی ہے ساری دنیا پر ہتھیاروں کے لئے پابندی ہے مگر اس کے یہاں ہر قسم کے مہلک اور خطرناک ہتھیار موجود ہیں اور اسلحہ ساز فیکٹریاں اور کارخانے ہیں جن پر کوئی پابندی نہیں اس کے پاس اتنی بڑی مقدار میں ہتھیار ہیں کہ جب چاہے کسی مسلم ملک پر حملہ کر کے اس کو تباہ کر سکتا ہے اس سے پورے خطے میں خطرات محسوس کئے جا رہے ہیں اور ساری مسلم حکومتیں خاموش ہیں، کوئی کچھ نہیں کر سکتا، بس اللہ تعالیٰ ہی مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ اور علمائے رام پور کے درمیان مناظرہ

فرمایا کہ:

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کا ایک مرتبہ پروگرام ہوا کہ رام پور تشریف لے جائیں، تاریخ طے ہوگئی اور حضرت مولانا چل دئے ادھر جب علمائے رامپور کو پتہ چلا تو وہ لوگ مناظرہ کے لئے تیار ہو گئے اور حالات کو انہوں نے اس سلسلے میں خوب گرما دیا، ہر طرف شور مولانا اسماعیل آرہے ہیں اور یہاں منا ظرہ ہوگا۔

مولانا جب رام پور کے قریب چند منزل کے فاصلے پر تھے تو ایک صاحب رام پور سے تشریف لائے اور مولانا سے راستے میں ملاقات کی اور رام پو ر کے حالات سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ حالات خراب ہیں وہ لوگ (علمائے رامپور جو بدعتی تھے) مناظرہ پر تلے ہوئے ہیں اس لئے آپ رام پور تشریف نہ لے جائیں حالات بگڑ سکتے ہیں میں یہی عرض کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ کا بہت بہت شکریہ! آپ تشریف لائے مگر ہم رام پور چلیں گے اور وہ لوگ جو سوال کریں گے اگر جواب معلوم ہوگا تو جواب دیں گے ورنہ ہم کہہ دیں گے کہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔

اگر منقولات سے معلوم کریں گے جب بھی جواب دیں گے اور معقولی کوئی سوال کریں گے تو اللہ نے ہمیں بھی عقل دی تو ہم بھی معقولات کی بحث چھیڑ دیں گے بہر حال حضرت مولانا رام پور تشریف لے گئے اور اہل رام پور کی جانب سے ایک عالم صاحب مقرر ہوئے جنہوں نے حضرت مولانا سے سوالا ت کئے، حضرت نے ان کے جوابات دئے ۔سوالات منقولی بھی تھے اور معقولی بھی تھے، حضرت سب کے جوابات دیتے رہے اور یہ سوالات اور جوابات کا

سلسلہ تین دن تک چلتا رہا۔ حضرت نے ان کے ہر ہر اشکال کا جواب دیا جب ان کے سوالات ختم ہو گئے تو حضرت نے پھر معلوم کیا کہ آپ کے سوالات ختم ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ ہاں ختم ہو گئے، حضرت نے کہا اگر کچھ اور معلوم کرنا ہو تو وہ بھی معلوم کر لو! جواب دیں گے انہوں نے کہا کہ اب ہمارا کوئی سوال باقی نہیں ہے سارے سوالات ختم ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت نے سوال کیا کہ بھائی ہمارے بھی چار اشکال ہیں، دو معقولی اور دو منقولی آپ ان کے جوابات دیں! رامپوری مولانا نے کہا کہ ٹھیک ہے!

آپ اپنے سوالات کریں! حضرت نے اپنے چاروں سوالات بیان فرما دئے، اس پر مولانا نے کہا کہ ان کے جوابات ہم کل کو دیں گے حضرت نے کہا کہ بہت اچھا کوئی بات نہیں کل کو دیدیں!، خیر! کل ہو گئی مگر جن کو جواب دینا تھا وہ تشریف نہیں لائے تو لوگ ان کے پاس گئے اور دیکھا کہ کمرہ بند ہے اور اندر سے بند کیا ہوا ہے، دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں تو دروازہ نہیں کھلتا بہت کوشش کے بعد دروازہ نہیں کھلا تو کمرے کا دروازہ توڑا گیا اب جو دیکھا تو مولانا زندہ نہیں ہیں وہ مر چکے ہیں اور ایک پتھر ان کے سرہانے رکھا ہوا ہے اس پتھر سے انہوں نے اپنا سر پھوڑ لیا اس طرح خودکشی کر لی ہے اس طرح مولانا بے چارے اپنے انجام کو پہنچے۔

بزرگوں کا احترام تو بزرگ ہی کرتے ہیں، استاذ کے ادب واحترام کی نادر مثال

فرمایا کہ:

بھائی بزرگوں کا احترام کرنا سب کے بس کی بات نہیں بلکہ بزرگ کا احترام بھی بزرگ ہی کرتے ہیں، دوسرا کوئی نہیں کر سکتا اس پر حضرت نے ایک واقعہ سنایا کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند فرماتے تھے کہ میں حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں پندرہ سال تک گیا اور کبھی بغیر وضو کے نہیں گیا، ہمیشہ وضو کر کے جاتا تھا فرمایا کہ: یہ ہے ان حضرات کے احترام کا حال، اب ہم لوگ کہاں ایسا احترام کر سکتے ہیں؟

حضرت نانوتویؒ سراپا علم تھے

فرمایا کہ:

حضرت نانوتوی سراپا علم تھے ان کا گوشت، ہڈی چمڑا، خون اور تمام چیزیں صرف علم ہی تھیں، علم سے بھرے ہوئے تھے اور کوئی خاص قسم کا علم نہیں بلکہ تمام ہی علوم میں وہ باکمال تھے، حدیث ہو، فقہ ہو، علم کلام ہو، تصوف ہو، علم تفسیر ہو، اور مناظرہ تو ان کا خاص میدان تھا۔ جس فن میں چاہو مناظرہ کر لو! حضرت ہمیشہ غالب رہتے تھے اور ایسے ایسے علوم بیان فرماتے جو کہیں نہیں ملتے۔ بس حضرت ہی کے یہاں ملتے تھے، حضرت کی اگرچہ عمر زیادہ نہیں ہوئی صرف ۴۹ ربرس کی عمر میں انتقال فرمایا تاہم بڑے بڑے کام انہوں نے اسی چھوٹی سی عمر میں فرمادئے اور خوب ان کی شہرت ہوئی۔

ہر قسم کی پریشانی کا علاج تعلق مع اللہ ہے

فرمایا کہ:

آج کل لوگ پریشان ہیں کوئی کاروبار سے پریشان ہے، کوئی روٹی روزی سے پریشان ہے، کوئی بیماری سے پریشان ہے، کوئی اولاد سے پریشان ہے، کوئی ملکی حالات سے پریشان ہے، کوئی دیگر احوال سے پریشان ہے۔

فرمایا کہ: ہر پریشانی کا علاج تعلق مع اللہ ہے، اللہ سے تعلق پیدا کر لو اور زبان سے بھی اللہ کا ذکر چلتے پھرتے کرتے رہو، جب کوئی چلتے پھرتے بھی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا اثر اس کے دل پر بھی پڑتا ہے اور اس احوال میں تبدیلی بھی آتی ہے، اکابر، بزرگوں کی صحبت بھی اختیار کرنا چاہئے اس سے بھی ذکر

اللہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے، آخرت یاد آتی ہے، اس طرح ہمیں تعلق مع اللہ ہو جائے گا جو ہر پریشانی کا علاج ہے۔

حضرت شاہ اسحاق صاحب علیہ الرحمہ اجمیر میں

فرمایا کہ:

حضرت اسحاق صاحب دہلویؒ جب اجمیر تشریف لے گئے تو وہاں کے مجاوروں نے حسب عادت آپ کو گھیرا اور آپ کے پیچھے لگ گئے، ان لوگوں کو مانگنے کی عادت ہوتی ہے، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ پہلے ہم لوگوں کو زیارت کرنے دو! پھر ہماری قیام گاہ پر آنا، وہاں جو کہنا ہو وہ کہنا، اب ہمیں پریشان نہ کرو! چنانچہ وہ لوگ ہٹ گئے اور حضرت زیارت وغیرہ سے فارغ ہو کر قیام گاہ پر پہونچے تو پھر یہ لوگ حاضر ہوئے تو حضرت نے ان کو لپ بھر بھر کر روپیہ دئے اور خوب سب کو مالا مال کر دیا اس پر مجاوروں نے کہا کہ کون کہتا ہے کہ یہ وہابی ہیں؟ یہ تو بڑے اچھے آدمی ہیں، بزرگ ہیں، ایسے ہیں ویسے ہیں، اس طرح تو کسی نے بھی روپیہ نہیں لٹائے، ایک نواب صاحب کی بیگم صاحبہ آئی تھیں اور انہوں نے بھی اس طرح نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے بھی گن گن کر روپئے دئے تھے انہوں نے تو ہاتھ بھر بھر کر لٹائے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی کو عزت دے تو اسکی حفاظت کرنا چاہئے

فرمایا کہ:

اگر کسی کو اللہ تعالیٰ عزت اور توقیر عطا فرمائیں تو اس کی قدر اور اس کی حفاظت کرنی چاہئے، اس کی ناقدری نہیں کرنا چاہئے! اس پر حضرت نے امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ کا ایک قصہ سنایا، حضرت کے پاس ایک صاحب آئے اور حضرت کے خادم بن گئے، رہتے رہے ایک مرتبہ حضرت کو سفر درپیش ہوا اور دریا کا سفر تھا، کشتی چل رہی تھی، حضرت کے پاس دس ہزار اشرفیوں کی رقم تھی، خادم صاحب کو معلوم تھا، اب خادم صاحب تو لگے ہی ساتھ اسی مقصد کے لئے تھے۔ چنانچہ خادم نے شور مچایا کہ میں لٹ گیا میری تو چوری ہوگئی اور میرے دس ہزار دینار چوری ہو گئے، لوگوں نے سوچا دریا میں سفر ہو رہا ہے کوئی باہر بھی نہیں جا سکتا اس لئے تلاشی لینا چاہئے تا کہ چوری کا پتہ چل جائے۔ جب یہ بات ہوئی تو امام بخاریؒ نے وہ دس ہزار اشرفیوں کی تھیلی خاموشی سے دریا میں ڈال دی۔ اب تلاشی ہوئی، کشتی میں کسی کے پاس اس طرح کی رقم نہیں ملی، تو لوگوں نے کہا کہ دریا میں سفر ہو رہا ہے اور کشتی سے اتر کر کوئی گیا بھی نہیں ہے اور کسی کے پاس کوئی رقم بھی نہیں ملی، اس لئے تو ہی جھوٹ بولتا ہے اور ناحق دوسروں پر الزام لگاتا ہے۔

چنانچہ لوگوں نے اس کی جوتوں سے پٹائی کی اور خوب بے عزتی ہوئی، یہ صاحب امام صاحب کو بے عزت کرنا چاہتے تھے اور ان کی رقم ہڑپنا چاہتے تھے، اس لئے خود ہی بے آبرو ہوئے اور جب کشتی سے نیچے اترے تو امام صاحب سے کہتے ہیں کہ حضرت آپ کے پاس جو رقم تھی وہ کیا ہوئی؟ تو حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس کو دریا میں ڈال دیا۔ اس کو تعجب ہوا، اس نے کہا کہ اتنی بڑی رقم دریا میں ڈال دی فرمایا کہ: ہاں اللہ تعالیٰ نے جو مجھے عزت دی ہے اس کے مقابلے میں دس ہزار اشرفیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تم نے مجھے بے عزت کرنا چاہا میں نے اپنی عزت کی حفاظت کی اس لئے میں نے وہ رقم دریا میں ڈال دی، تو حضرت امام بخاری کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کی دی ہوئی عزت کے سامنے اس مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مال تو آنی جانی چیز ہے اور اللہ کی دی ہوئی عزت ایک دائمی اور مستقل نعمت ہے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

پہلے طلبہ صرف درسیات پر توجہ دیتے تھے

فرمایا کہ:

پہلے زمانے میں طلبہ اخبار و رسائل و قصہ کہانیوں کی کتابیں نہیں پڑھتے تھے بلکہ پوری دماغی قوت کتابوں کے مطالعے میں صرف کرتے تھے اور طلبہ

تو کیا اکثر اساتذہ بھی اخبار وغیرہ غیر ضروری چیزیں نہیں پڑھتے تھے۔

اس پر ایک قصہ سنایا کہ:

ایک مرتبہ ایک مجلس میں حضرت الاستاذ مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب اخبار اٹھا کر دیکھنے لگے اور حضرت اخبار وغیرہ پڑھتے نہیں تھے۔ کسی نے کہا کہ اخبار آج کا نہیں ہے بلکہ پرانا ہے۔ حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ بھائی میرے لئے تو نیا ہی ہے، واقعۃً حضرت کے لئے نیا ہی تھا چونکہ حضرت اخبار پڑھتے ہی نہیں تھے، بہر حال پہلے اساتذہ اخبار بینی کو غیر ضروری بلکہ بے کار چیز سمجھتے تھے اور آج کل تو یہ حال ہے کہ طلبہ سب سے پہلے اخبار پڑھتے ہیں، رسالہ پڑھتے ہیں، فحش ناولیں پڑھتے ہیں، بہت سے طلبہ تکیہ کے نیچے بھی ناولیں رکھتے ہیں، پڑھتے پڑھتے سو جاتے ہیں اب کہاں سے علم میں برکت آئے گی؟ برکت تو آتی ہے انہاک اور یکسوئی کے ساتھ پڑھنے سے، پوری ذہنی قوت کتابوں میں صرف کرنے سے، دن رات پڑھیں، اسباق کا ناغہ نہ ہو، مطالعہ نہ چھوٹے، تکرار (مذاکرہ) برابر ہوتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی مانگیں کہ اللہ ہم نے تو وہ کام کر دیا جو ہمارے کرنے کا تھا۔ اب علم کا فیضان تو آپ کی طرف سے ہوگا، آپ ہمیں علم نافع عطا فرمائیں علم کا نور بھی آپ کی جانب سے عطا ہوگا، نور علم بھی عطا فرمایئے! تب جا کر بھائی ملتا ہے اور نورانیت حاصل ہوتی ہے۔

آمین کی دو قسمیں ہیں، جبکہ آمین کی تیسری قسم آمین بالشر کا کہیں ثبوت نہیں

فرمایا کہ:

ایک مرتبہ کہیں جھگڑا ہو گیا کچھ لوگ آمین آہستہ کہتے تھے اور کچھ لوگ زور سے، انگریز افسر کے یہاں جھگڑا پہونچا اس نے علماء کو بلایا اور اس مسئلے کی تفصیل جاننی چاہی، علماء نے کہا کہ جو لوگ آمین بالجہر یعنی بلند آواز سے کہتے ہیں وہ بھی صحیح ہیں اور جو لوگ آمین بالسر کہتے ہیں یعنی آہستہ آمین کہتے ہیں وہ بھی صحیح ہے چنانچہ اس وضاحت کے بعد انگریز افسر نے کہا کہ آمین بالجہر اور آمین بالسر تو دونوں صحیح ہیں اور تیسری قسم نہ ''آمین بالجہر'' ہے نہ ''آمین بالسر'' ہے بلکہ یہ ہے ''آمین بالشر'' اور اس پر پابندی لگنا چاہئے اس پر حضرت نے ایک قصہ سنایا کہ ایک صاحب نماز پڑھ رہے تھے جب امام صاحب نے پڑھا ''غیر المغضوب علیھم ولا الضالین'' تو ان صاحب نے برابر والے نمازی کے کان میں منھ لگا کر پوری قوت سے زور لگا کر کہا ''آمـــیـــــن'' انہوں نے ان آمین بالجہر کہنے والے صاحب کے ایک زوردار تھپڑ پوری قوت سے ان کے کان پر مارا بس ہو گئی آمین بالجہر، تو یہ ہے تیسری قسم ''آمین بالشر'' اس کا شریعت میں کہیں ذکر نہیں ہے آج کل جو غیر مقلدین آمین بالجہر کرتے ہیں یہ واقعی آمین بالشر ہی ہے، آمین بالجہر نہیں اور حدیث شریف سے آمین بالجہر کا تو ثبوت ہے آمین بالشر کا نہیں اللہ تعالیٰ ان کو شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

مصائب مسلمانوں کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں

فرمایا کہ:

بھائی تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کی وجہ ہماری بداعمالیاں ہیں جیسے ہمارے اعمال ہیں اسی طرح اللہ کے یہاں سے فیصلے ہوتے ہیں ہمارے اعمال اگر اچھے اور نیک ہوں گے تو اللہ کے فیصلے بھی ہمارے حق میں اچھے ہوں گے ورنہ تو مصیبتیں ہی آئیں گی قتل وغارت گری، فتنہ وفساد ہوگا اور فرمایا کہ یہ امریکہ کی مصیبت بھی ہماری ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے اگر مسلمانوں کے احوال اچھے ہو جائیں گناہوں سے توبہ واستغفار کریں، تو ان شاء اللہ امریکہ کی مصیبت سے بھی نجات مل جائے گی؛ بلکہ ہر مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ آج جبکہ ہر گھر میں اللہ کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں، کیسے پریشانیاں دور ہوں گی، بس اللہ ہی رحم وکرم کا معاملہ فرمائے (آمین)

حضرت تھانویؒ ہر فن مولیٰ تھے

فرمایا کہ:

حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت عجیب وغریب تھی ۔ ہر فن اور علم ہر میں کمال حاصل تھا تمام علوم میں دسترس حاصل تھی ، بڑی جامع شخصیت ہیں، میرا خیال ہے کہ کم از کم سو برس پہلے تک ایسی شخصیت کوئی نظر نہیں آتی ،حضرت کے انتقال پر دہلی میں جلسہ ہوا تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے جلسہ میں تقریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے انتقال پر آپ لوگوں کو(عوام کو) رونے اور آنسو بہانے کی ضرورت نہیں ہے آپ لوگوں کے لئے تو ہم ہی کافی ہیں ،ہم آپ کی دینی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں ان کی وفات پر دراصل ہم کو رونا چاہئے کہ بوقت ضرورت ہم لوگ کہاں جائیں گے ؟ہم لوگ آڑے وقت میں ان سے رجوع کر سکتے تھے مگر وہ آج ہمارے درمیان سے اٹھ گئے اس لئے رونا تو ہم لوگوں یعنی علماء کو چاہئے کہ ان کو اپنی علمی ضروریات پوری کرنا مشکل ہے ہم لوگ کن سے رجوع کریں گے چونکہ اب ایسی شخصیات اٹھتی جارہی ہیں ،اس لئے یہ ہمارے لئے بڑا المیہ ہے بہر حال حضرت کی شخصیت ایسی ہی با کمال تھی ،علم حدیث ہو،تفسیر ہو،فقہ ہو،تصوف ہو، تجوید وقرأت ہو وغیرہ وغیرہ ۔ ہر علم میں آپ کو کامل عبور حاصل تھا اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے (آمین)

تین علوم درس وتدریس کے بغیر باقی نہیں رہتے

فرمایا کہ:

سلسلۂ گفتگو کے درمیان ایک مرتبہ فرمایا کہ تین علم ’’فن طب ،فن ہیئت ،اور فن قرأت ‘‘ ایسے ہیں کہ پڑھنے کے بعد اگر ان میں اشتغال نہ رہے تو یہ باقی نہیں رہتے بلکہ یہ ختم ہو جاتے ہیں ۔

فرمایا کہ میں نے بھی حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرأت پڑھی ،سبعۂ عشرہ پڑھی اور اجراء بھی کیا ،اجراء کے دوران حاشیہ پر اصول وفروع بھی لکھے ،مکمل اختلاف لکھے ،اسی طرح حضرت قاری صاحب سبق کے درمیان عجیب وغریب نکتے بیان فرماتے تھے ،وہ بھی سب تحریر کئے تھے ،نوٹ کی شکل میں میرے پاس تھے مگر افسوس کہ اب سب ختم ہو گئے ، وہ کاپی بھی کہیں گم ہوگئی اور درس وتدریس کا تعلق نہیں رہا اس لئے اب سب ختم ہو گیا اس لئے ان فنون کی مدارست اور مزاولت ضروری ہے ورنہ باقی نہیں رہتے اسی طرح فتویٰ نویسی کا فن ہے اگر فراغت کے بعد فتاوٰی لکھنے کا کام نہیں کیا تو یہ فن بھی ختم ہو جاتا ہے اور اگر کام میں لگ گئے اور مسائل آتے ہیں کتابیں دیکھی جارہی ہیں ،تحقیق ہو رہی ہے اور جواب دئے جارہے ہیں تو اس فن کو ترقی ہوتی ہے۔

نقلی علماء اور طلبہ بھی نقلی

فرمایا کہ:

جس طرح آج کل تمام اشیاء میں ملاوٹ چل رہی ہے کوئی چیز اصلی نہیں ملتی ،تیل ہو ،گھی ہو ، دودھ ہو۔ غرض کوئی بھی چیز اصلی نہیں ملتی بلکہ نقلی چل رہی ہے ،اسی طرح اب علماء اور طلبہ بھی نقلی ہو گئے ہیں یہ بھی اصلی نہیں رہے پہلے زمانے کے علماء بالکل اصلی ہوتے تھے ،اپنی ایک خاص وضع رکھتے تھے علم وعمل میں ، دین وتقویٰ میں نہایت پختہ اور مضبوط ہوتے تھے ،مزاجوں میں نہایت معتدل افراط وتفریط سے دور، ان کا مزاج شریعت کا مزاج ہوتا تھا اور خالص علمی کاموں میں مصروف رہتے تھے اس طرح طلبہ بھی ان کی تربیت کی وجہ سے اصلی طلبہ ہوتے تھے ،حقیقی معنی میں علم کے شیدائی ہوتے تھے اور عمل میں پختہ ہوتے تھے ،فرمایا کہ بھائی ! آج کل نہ علماء اصلی ہیں اور نہ طلبہ بلکہ سب نقلی اور ڈالڈا ہو گئے ہیں بس اب تو اللہ ہی مالک ہے ۔

دسواں باب

تأثراتی مضامین

☆☆☆☆☆

حرف آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

۱۸؍صفر ۱۴۳۱ھ؍۴؍فروری ۲۰۱۰ء پنج شنبہ کو برصغیر ہندوپاک اور بنگلہ دیش کا علمی و دینی حلقہ ایک جلیل القدر، صاحب درس عالم دین کے فیوض و برکات سے محروم ہوگیا۔ یعنی ایشیاء کی مشہور و بے مثال اسلامی دانش گاہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم نائب مہتمم صدر المدرسین اور شیخ الحدیث استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب دارفنا سے ملک بقاء کو سدھار گئے۔ (**انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**) **اللهم اغفر له واكرم نزله والحقه بالسلف الصالحين آمين**)

حضرت مولانا قدس سرہٗ بزرگوں کی روایات کے محافظ اور دارالعلوم دیوبند کے مخصوص ومذاق کے امین تھے۔ قدرت کے دست فیاض نے انہیں حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے آراستہ و مزین کیا تھا۔ انہیں دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ ’’كأن الملك نزل من السماء‘‘ گویا فرشتہ آسمان سے اتر آیا ہے۔ چوڑی چکلی روشن پیشانی، آہ سحر گاہی سے دمکتا ہوا چہرہ، سفید و نظیف لباس جس پر سلیقہ وقرینے کی گل کاری، مسند درس پر بیٹھتے تو لگتا کہ ایک مرقعۂ نو رجلوہ افروز ہے۔ پرکشش بلند آواز، لہجہ کی تمکنت اور بیان و ادا کی وضاحت سے درس کی تقریر ایسی لگتی جیسے عندلیب تیز لے میں نغمہ سنج ہے۔ وہ میدان علم وفن کے شہسوار اور تدریسی تجربات کے بحر ذخار تھے۔ ان کا شمار درس نظامی کے ماہر ترین اساتذہ میں ہوتا تھا۔ منقولات و معقولات ہر دونوں میں انہیں یکساں دسترس حاصل تھی، بالخصوص علم ہیئت میں۔ تو اس وقت ان کا کوئی ہمسر و ہم پلہ نہیں تھا۔ دارالعلوم دیوبند کی لگ بھگ ڈیڑھ صدی کی طویل تاریخ میں وہ اپنی اس خصوصیت میں منفرد و یگانہ تھے کہ انہوں نے اپنے تدریسی سفر کی ابتداء ’’ میزان و منشعب‘‘ سے کی اور اختتام ’’**أصح الكتب بعد كتاب الله**‘‘ یعنی صحیح بخاری پر کیا. **ذلك فضل الله يؤ تيه من يشا ء .**

خدائے رحیم و کریم نے حضرت مولانا کو اپنی رحمت کا مظہر بنایا تھا اور رحمت و رأفت اور شفقت و محبت کا پیکر مجسم تھے۔ جس کسی کو بھی آپ سے تعلق اور وابستگی نصیب ہوئی چاہے وہ مختصر مدت ہی کی ہو۔ وہ آپ کی اس مخلصانہ ادا کا گرویدہ ہوئے بغیر نہ ہوسکا۔ ہر شخص سے ایسا مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے کہ سب یہی باور کرتے کہ حضرت کی شفقت و عنایت مجھ پر سب سے زیادہ ہے۔ کسی عالم دین اور صاحب درس فاضل کو اس عالم رنگ و بو میں جو عزت و عظمت اور برتری اور بڑائی میسر ہوسکتی ہے وہ بفضل رب عظیم حضرت مولانا کو حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند جیسی باعظمت اور تاریخ ساز دینی درسگاہ کے صدر مدرس

اور شیخ الحدیث تھے۔ ہزاروں عالم ان کے شاگرد اور نیاز مند ہیں۔ اس عظمت و وجاہت کے باوجود ان میں تواضع اور فروتنی اس قدر تھی کہ جن لوگوں کو ان کے قریب رہنے اور برتنے کا موقع نہیں ملا ہے وہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے ہیں۔ بس یوں سمجھئے! کہ ہم عصر علماء میں وہ اپنے اس وصف میں سب سے ممتاز تھے۔

خالق کائنات نے ان کے قلب وزبان کو سلیم بنایا تھا، ان کی عام مجلسیں ہی نہیں بلکہ خاص مجالس بھی شکوہ وشکایت اور غیبت سے پاک وصاف رہتی تھیں وہ نہ خود کسی کے بارے میں حرف شکایت زبان پر لاتے تھے نہ دوسروں سے اس کا سننا پسند کرتے تھے۔ تحمل وبرداشت ان کی عادت اور خوش اخلاقی ان کا شیوہ تھی۔ وہ ایک ایسے قابل ستائش مرد مومن تھے جس کی ذات سب کے لئے سایۂ عاطفت وسکینت تھی۔ سخت سے سخت جذباتی حالات میں بھی وقار وتمکنت کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹنے نہیں پاتا تھا۔ کہاں تک ان کے حسنات وبرکات کو بیان کی جائے وہ تو ایک خزانۂ خوبی تھے۔ جس کا احساس ان کے بچھڑنے کے بعد ہو رہا ہے۔ ع

خدا بخشے بہت ہی خوبیاں تھی جانے والے میں

سوانحی خاکہ:

حضرت مولانا نسبی طور پر افغان بازید خیل داؤد زئی سے تعلق رکھتے ہیں، شجرۂ نسب ''یادگار سلف'' نامی کتاب میں یوں ہے:

''حضرت مولانا نصیر احمد خان بن عبدالشکور خان بن حقداد خان بن بنیاد خان بن سردار خان بن عمر خان بن غیاث خان بن شہباز خان بن سلیم خان بن دیوان دولت خان بن شیخ داؤد خان بن شیخ عیسیٰ خان افغانی بازید خیل داؤد زئی''

غالباً شہباز خان ان کے پہلے مورث اعلیٰ ہیں جنہوں نے موضع ''بسی''، ضلع بلند شہر کو اپنا مسکن اور وطن بنایا۔

تاریخ ولادت:

اسی موضع ''بسی'' میں ۲۱؍ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳؍دسمبر ۱۹۱۸ء کو آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ کے والد گرامی جناب عبدالشکور خان سرکاری فوج میں ملازم تھے۔ ساتھ ہی زمیندار بھی تھے، جب حضرت شیخ الہند نے ترک موالات کی تحریک شروع کی تو اس وقت کے علماء کے فتویٰ پر عمل پیراں ہوتے ہوئے فوج کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور ذریعۂ معاش کے لئے کاشت کاری کرنے لگے۔

تعلیم وتربیت :

تعلیم وتحصیل کے مراحل آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان متوفی ۱۹۶۶ء رحمہ اللہ سابق استاذ حدیث اور نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی زیر نگرانی ''مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی، ضلع بلند شہر'' میں طے کئے، جہاں حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب مدرس اعلیٰ کے منصب پر فائز تھے۔

منبع العلوم گلاؤٹھی ملک کے ان قدیم تاریخی مدارس میں سے ایک ہے جو حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہٗ اور ان کے رفقاء کی تحریک قیام مدارس کے تحت قائم کیا گیا تھا جس میں ایک زمانہ تک حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند وغیرہ اکابر دارالعلوم دیوبند کے ساختہ وپرداختہ علماء وفضلاء تدریسی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا نے اسی مدرسہ میں حفظ قرآن اور اردو وفارسی کی تعلیم کے ساتھ اپنے بڑے بھائی مولانا بشیر خان صاحب سے مع دورۂ حدیث درس نظامی کی تحصیل وتکمیل کی۔

۱۳۶۱ھ میں بعض اختلافات کی بنا پر جب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندی رحمہم اللہ وغیرہ اساتذہ دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے تو ان کی جگہوں کو پر کرنے کے لئے مولانا بشیر احمد خان صاحب، مولانا فخر الحسن صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک رحمہم اللہ کو دارالعلوم میں تدریس پر مقرر کیا گیا تو برادر کبیر مولانا بشیر احمد صاحب کے ساتھ حضرت مولانا بھی دیوبند آ گئے اور دارالعلوم

دیوبند میں داخلہ لیکر دوبارہ دورۂ حدیث کی تحصیل و تکمیل کی، اور ۱۳۶۴ھ تک دارالعلوم میں زیر تعلیم رہ کر دورۂ حدیث کے ساتھ "ہدایہ آخرین، مسلم الثبوت، توضیح وتلویح، بیضاوی سورۂ بقرہ، سراجی، دیوان متنبّی، شرح چغمینی، ملا جلال، قاضی مبارک، صدرا، حمد اللہ، میر زاہد وغیرہ" معقولات وغیرہ کی اہم کتابوں کی تحصیل کی۔ ساتھ ہی فن طب کی "نفیسی، حمیات قانونچہ، شرح اسباب کامل" کا بھی درس لیا۔ اور فن قرأت وتجوید کی بھی مع اجرائے سبعہ کی تکمیل کی۔ آپ کے دارالعلوم کے اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک، حضرت مولانا قاضی شمس الدین گجرانوالہ، حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاپ گڑھی، حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحب دیوبندی وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم میں خدمت تدریس:

۶۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں فنون کی تکمیل کے بعد ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ میں درجۂ ابتدائی عربی میں بحیثیت استاذ آپ کا تقرر عمل میں آیا اور "میزان الصرف ومنشعب، نحومیر وغیرہ" نحو وصرف کی بالکل ابتدائی کتابوں سے آپ نے تدریس کا آغاز کیا۔ سات سال تک ابتدائی کتابیں کامیابی کے ساتھ پڑھالینے کے بعد ۲۴ر ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ درجۂ وسطیٰ (ب) میں ترقی ہوئی نیز شعبان ۱۳۸۶ھ میں درجۂ وسطیٰ (الف) میں ترقی دی گئی۔ بعدازاں ۶ر صفر ۱۳۹۱ھ میں آپ ترقی پ کر درجۂ علیا میں پہونچ گئے۔ ساتھ ہی نیابت اہتمام کا منصب بھی تفویض ہوا، اور ۱۳۹۷ھ میں بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم میں صحیح بخاری کا درس آپ سے متعلق ہوا۔ اس سے پہلے "طحاوی، موطا، اور صحیح مسلم وغیرہ" کتب حدیث کا درس دے چکے تھے۔ اس کے نو سال بعد قائم مقام صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے اور بارہ سال تک بحیثیت قائم مقام صدر مدرسی کی خدمات انجام دینے کے بعد ربیع الاول ۱۴۰۰ھ میں مجلس شوریٰ نے آپ کو مستقل صدر مدرس مقرر کردیا۔ اور ۱۴۲۹ھ تک ان دونوں منصبوں پر فائز رہے پھر ضعف پیری اور امراض کی کثرت کی بنا پر از خود مجلس شوریٰ میں تحریر دیکر مفوضہ ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوگئے۔

تدریس کی اس پینسٹھ سالہ مدت میں ہر فن کی کتابوں کا درس دیا اور کامیاب درس دیا۔ آپ کا قلب سلیم، علم راسخ اور مزاج شگفتہ تھا۔ اس لئے بغیر کسی خارجی سہاروں کے ترقی، نیک نامی، اور قبولیت کے اس بلند و بالا مقام پر پہونچے جہاں ان کے معاصر علماء میں کوئی نہیں پہونچ پایا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر ایک کا یہ نصیب یہ بخت رسا کہاں؟

تذکیۂ نفس:

حضرت مولانا اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ سے متاثر تھے۔ درس اور دیگر مجالس میں ان کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے اور بسا اوقات ان کے ذکر پر گلوگیر ہوجاتے تھے۔ اور آنکھیں بھر آتیں، تعلیمی مراحل کی تکمیل کے بعد انہیں سے بیعت بھی ہوگئے تھے اور ان کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف پر پابندی سے عمل پیراں تھے۔ حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد اصلاحی تعلق حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے قائم کرلیا تھا اور انہیں کی رہنمائی میں سلوک کی منزلیں طے کرکے خلافت پائی۔ شب خیزی آپ کا دائمی معمول تھا۔ بالعموم تین بجے اٹھ جاتے تھے۔ جب تک ٹانگوں میں طاقت رہی تہجد میں ایک منزل قرأت قرآن کا معمول رہا۔ تہجد ادا کرنے کے بعد نماز فجر تک ذکر واذکار میں مصروف رہتے تھے۔ نماز باجماعت کی پابندی اور جمعہ کے دن اذان سے پہلے مسجد میں پہونچ کر نوافل وتلاوت میں مشغول رہنا ایک ایسا عمل تھا جس میں شاذ و نادر ہی تخلف ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو ان کی علمی و دینی عظمتوں کی طرح وہاں بھی ارفع و اعلیٰ درجات سے نوازے۔ اللّٰھم افض علیہ شآبیب رحمتك وعفوك وادخله الجنة واستقمنا من علومه وبركاته. (آمین)

میرے استاذ

حضرت مولانا نصیراحمد خان صاحب مرحوم

مولانا عبدالعلی فاروقی

مہتمم دارالعلوم فاروقیہ، کاکوری، لکھنؤ وایڈیٹر ماہنامہ ''البدر'' کاکوری لکھنؤ

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیراحمد خان صاحبؒ بھی ہمارے اس عالم فانی سے کوچ کر کے عالم باقی کی طرف رحلت فرما ہوئے '' **کل من علیها فان. ویبقیٰ وجه ربك ذوالجلال والاکرام**'' خبر نہ تو غیر متوقع کہی جاسکتی ہے اور نہ ناگہانی، عمر بھی سو کے قریب ہوچکی تھی، تدریسی ذمہ داریوں سے اختیاری ورضا کارانہ سبکدوشی حاصل کر کے ہمہ تن لقائے مولیٰ کے متمنی ہو کر وقت موعود کے لئے تیار ومنتظر بھی تھے، اپنے نصیبہ کی بلندی سے دینی کام بھی اتنی وافر مقدار میں کر چکے تھے کہ گونہ فراغ اور انعامات خداوندی کی امیدواری ہونا بھی حق بجانب تھا۔ شاگردوں اور عقیدتمندوں اور کفش برداروں کی اتنی بڑی فوج، ظفر موج چھوڑ کر گئے کہ ان کی آہوں، سسکیوں اور دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج ارحم الراحمین کیونکر نہ رکھیں گے بلکہ صدائے دل ہے کہ لاج رکھ کر ان شاء اللہ یہ فیصلہ بھی ہوچکا ہوگا کہ ''**یا ایتها النفس المطمئنة .ارجعی الیٰ ربك راضیة مرضیة. فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی**'' ان سب کے باوجود اپنے قلب مضطر کی اس کیفیت کا بیان کیونکر ہو کہ ؎

اٹھا شور محفل ناز سے ہوئی آبدیدہ مسرتیں
لیا نام کس نے ''نصیر'' کا کہ چراغ اشک جل گئے

مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ایک چراغ .... ٹمٹماتا ہی سہی، ایسا تو تھا جسے اپنا استاذ اور روحانی باپ کہہ کر اپنی خوردی پر ناز کرسکتا تھا؟ لیکن اب تو اس عظیم مرکز علمی کے تعلق سے بھی یہی کہنے پر مجبور ہوں کہ ؎

منزلوں کے سہارے گئے
جو بڑے تھے ہمارے گئے

بفضلہ تعالیٰ دارالعلوم ہے، اور اپنی آن بان کے ساتھ ہے، اکابر واعاظم اور ہم سروں وہم عصروں کے ساتھ ساتھ خوردوں پر مشتمل علمی کہکشاں بھی ہے، قال اللہ اور قال الرسول کی دل نواز صدائیں بھی گونج رہی ہیں اور سب سے بڑھ کر ''عصری معیار'' کو ملحوظ رکھ کر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ ؎

یہ رنگ و بہار عالم ہے، کیوں فکر ہے تجھ کو اے ساقی
محفل تو تری سونی نہ ہوئی، کچھ اٹھ بھی گئے کچھ آ بھی گئے

اس سوال کا جواب دینے کے لئے غالب کی تعبیر میں ''عمر رفتہ کو آواز دینا'' ہوگی اور وہ بھی اس جھجھک کے ساتھ کہ ؎

عہد پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

دارالعلوم دیوبند سے رسمی طالب علم کا سلسلہ ختم ہوئے چالیس برس کا طویل عرصہ بیت گیا، اس سے بھی تین برس پیچھے پلٹ کر چشم تصور سے دیکھتا ہوں تو ایک اجلا اجلا سراپا نظروں کے سامنے آتا ہے، رنگ وروپ، وضع قطع، ڈھال، اور بول چال سے لے کر انداز تدریس وتفہیم اور انداز تکلم وتبسم تک ہر چیز میں کچھ ایسی جاذبیت کہ ایک بار کے بعد دوبارہ دیکھنے اور برتنے کو دل مچلے۔

یہ تھے دارالعلوم کے طبقۂ متوسطہ کے استاذ حضرت مولانا نصیراحمد خان صاحب جو نہ صرف دارالعلوم کے اس وقت کے ضابطہ وگریڈ کے اعتبار سے

متوسط طبقہ کے استاذ تھے بلکہ اس اعتبار سے بھی متوسط کہ وہاں کے معلمین میں ان کے اساتذہ وتلامذہ دونوں ہی شامل تھے اور وہ سب کی نگاہوں میں با وقعت، غیر نزاعی اور محترم تھے۔

اب اسے فضل خداوندی کہئے یا میرے نصیبہ کی یاوری قرار دیجئے کہ کسی صلاحیت اور کسی کوشش کے بغیر ہی مجھے ایک سے ایک قابل اور کاملین اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، پھر ان کاملین میں بھی اپنی کمزور استعداد وصلاحیت کوملحوظ رکھ کر کہوں تو دو استاذ اس اعتبار سے نا قابل فراموش محسن رہے کہ ان کی کوئی بات، کوئی درسی تقریر اور کوئی کتابی وضاحت فہم سے بالاتر نہ رہی۔اللہ بہتر جانے کہ الفاظ کے انتخاب اور طرز ادا کا وہ کون سا سلیقہ ان دونوں کو عطا ہوا تھا کہ جس فن کی جو کتاب پڑھاتے ،لگتا تھا کہ بس یہ اسی کے ماہر ہیں۔

.ان دونوں میں پہلا نام تو ہمارے لکھنؤ کے استاذ مولانا قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی کا ہے کہ جن سے متوسطات تک تقریباً ہر فن کی کتابیں پڑھیں اور ہر کتاب میں ان کا یہی رنگ نظر آیا، ممکن ہے کہ کم از کم عمری، بے پرواہی اور تعلیم سے بے رغبتی ہی کی وجہ سے کبھی اس کا موقع نہ آیا ہو کہ کم از کم دوران درس ان کی زبان سے سنی ہوئی کسی بات کے لئے یہ کہنے کی نوبت آئی ہو کہ یہ سمجھ نہیں سکا، اسے دوبارہ سمجھا دیجئے!.پھر یہ تو دار المبلغین میں درس نظامی کے قیام کے اس ابتدائی دور کی بات ہے جہاں کے اولین اور بڑی جماعت کے طلبہ ہم ہی لوگ تھے............یہ الگ بات ہے کہ آگے چل کر ایشیاء کی سب سے عظیم دینی درسگاہ دار العلوم دیو بند اور وہاں کے قابل صد افتخار و مایۂ ناز اساتذہ تک بھی رسائی ہوئی، اور اب مسلسل چالیس برس تدریس انجام دیتے بھی گذر گئے، لیکن اپنے ابتدائی استاذ قاری صدیق صاحبؒ کے''درسیات پر حاوی'' ہونے اور تفہیم کی بے بہا استعداد کے حامل ہونے کا نقش روز اول سے آج تک کسی دھندلاہٹ کے بغیر قائم ہے۔

اسی سلسلہ کا دوسرا نام ہمارے ان ہی استاذ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ کا ہے، جس سے دار العلوم دیو بند کی تین سالہ رسمی طالب علمی کے دور میں تین ہی کتابوں کا درس لینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ پہلے سال فلسفہ کی معروف اور اب متروک کتاب''میبذی'' کا دوسرے سال مشکوٰۃ شریف جلد اول کا، اور تیسرے سال موٴطا امام مالک کا۔

حضرت مولانا کی اس وقت عام شہرت تو علم ہیئت کے ماہر ویکتا کی تھی جس میں وہ اپنے مربی واستاذ اور برادر اکبر حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب کے جانشین گردانے جاتے تھے اور اس فن کے منتہی طلبہ کو بڑے اہتمام کے ساتھ درس دیتے اور عملی مشق کے لئے پیتل کے گلوب ودیگر آلات کا تعاون لیتے ہوئے بھی کبھی کبھی دور ہی سے دیکھا کرتا تھا؛ مگر کل سے آج تک اس فن کی ابجد سے بھی بے بہرہ ہونے کی وجہ سے یہ بتانے سے قاصر تھا اور قاصر ہوں کہ اپنے بہت سے بڑوں اور استاذوں کی موجودگی کے باوجود اس وقت بھی علم ہیئت کے ماہر ویکتا حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ ہی کیوں قرار دئے جاتے تھے؟ تاہم جن تین کتابوں کا حضرت مولاناؒ سے درس لینے کی مجھے سعادت حاصل ہوئی اور بقدر ظرف استفادہ کا موقع ملا۔ان میں سے ایک کتاب فلسفۂ قدیمہ جیسے خشک غیر مرغوب اور معقولی فن کی تھی جب کہ دوسری دونوں کتابیں حدیث شریف جیسے عالی مقصدی اور مرغوب ومطلوب فن کی تھیں............اور ان دونوں فن کے درمیان جو رشتہ ہے اور ہوسکتا ہے وہ ظاہر ہے۔اب اسے مولانا نصیر احمد خان صاحب کا کمال کہئے، خداداد صلاحیت کہئے یا خصوصی انعام ربانی قرار دیجئے کہ وہ''میبذی'' پڑھانے بیٹھتے تو لگتا معقولی ہیں اور صرف معقولی ہیں اور پھر استاذ حدیث بن کر مسند درس پر بیٹھتے تو ان کا انداز ہی جدا ہوتا، پیاسی نگاہیں، ساکت جسم، رولتی زبان گویا زبان بے زبانی سے سراپا کہہ رہا ہوتا ہے کہ۔

دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ہم طلبہ سراپا گوش بن کر اسے انہماک سے سنتے، سمجھتے اور عش عش کرتے ہوئے سبق پڑھ کر درسگاہ سے نکلتے تو آپس میں یہ جملہ بار بار دہرایا جاتا کہ''ان کے یہاں بدل الغلط کا استعمال تو ہے ہی نہیں''........یعنی۔

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

یہ باتیں اس وقت کی ہیں جب ہمارے شیخ بخاری فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ، شیخ ترمذی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب اور شیخ مسلم جامع العلوم حضرت مولانا شریف الحسن صاحب ہوا کرتے تھے.........اور حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کا شماران حضرات کے خردوں میں ہوا کرتا تھا۔

پھر ''کبر کم موت الکبراء '' کے مطابق وہ وقت بھی آیا کہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب استاذ حدیث اور نیابت اہتمام کے مرحلوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ طے کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین بھی ہو گئے.........ان کے رسوخ فی العلم، تقویٰ، مہارت تدریس اور حسن نظامی کی بنیادوں پر انہیں مجلس شوریٰ نے شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین مقرر تو کردیا لیکن انہیں یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ، امام العصر حضرت مولانا انورشاہ کشمیری صاحبؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ کے علمی وارث بن کر ان کے مسند نشین ہونے کے لئے واقعی موزوں اور باصلاحیت ہیں؟.........اور معاملہ صرف ''کبر کم موت الکبراء '' کا نہیں بلکہ بڑوں کے خلاء کو پر کرکے خود بڑا بن جانے کا ہے۔

واقعہ بہرحال یہی ہے کہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب نے ربع صدی سے زائد عرصہ تک شیخ الحدیث کی حیثیت سے بخاری شریف کا تسلی بخش اور فرحت افزا درس دیکر یہ ثابت کردیا کہ وہ ہیئت وفلسفہ اور ریاضی جیسے علوم کے ماہر ہو کر ان کی تدریس کے فرائض کو انجام دے لیتے تھے لیکن حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے سامنے ان کا حسن انجام ظاہر فرمانے کے لئے انہیں انجام کار شغل فی الحدیث کی نعمت بے بہا سے حصۂ وافر عطا فرما کر اپنے مایۂ ناز اسلاف کے علوم وفنون کی نشر واشاعت کا سامان فراہم کیا تھا ''وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء''

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب ہماری اس فانی دنیا سے گئے ....اور اپنے ساتھ بہت سی خصوصیات اور دارالعلوم دیوبند کی صالح روایات لے کر گئے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مولانا کے دارالعلوم دیوبند سے ۶۵ رسالہ رشتے کے دوران ہر قسم کے سرد وگرم حالات آئے، کئی طوفان آکر گذر گئے، دارالعلوم کے در وبام سے لے کر اس کے اساتذہ وطلبہ و دیگر وابستگان تک سب ہی پر کسی نہ کسی انداز میں ان طوفانوں کی زد پڑی۔ عہدہ ومنصب سے لے کر عزت و وقار اور شہرت وشناخت تک میں تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ کئی پسندیدہ شخصیتیں ناپسندیدہ قرار پائیں اور کئی ناپسند لوگ مواقع سے فیضیاب ہو کر معزز ومقبول بن گئے ....لیکن حضرت مولاناؒ اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے تغیر وتبدل کے ہر عمل سے محفوظ ومامون رہے۔ ان کی شخصیت کے احترام کو ان کی اعتدال پسندی ومیانہ روی نے کبھی دھندلا نہ ہونے دیا اور ان کے ظاہر و باطن کی یکسانیت نے ان کے اعتبار واعتماد کو کسی بھی دور میں مجروح نہ ہونے دیا۔

وہ محبوب ومعتبر بن کر اس سرائے میں رہے اور اسی حال میں رخصت بھی ہوئے........حق تعالیٰ اس سلسلۂ خیر کو جاری وساری رکھتے ہوئے عالم آخرت میں بھی انہیں محبوبوں میں شامل رکھ کر ان کے ساتھ اکرام کا معاملہ فرمائے (آمین)

اب ہمارا معاملہ تو یہ ہے کہ ۔

دل میں یادِ غم بے کراں رہ گئی
جانے والا گیا داستاں رہ گئی

☆☆☆☆☆

حضرت الاستاذؒ کی یاد

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم، دیو بند

محمد سلمان منصور پوری

۱۹ رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ جمعرات کے روز فجر کی نماز سے پہلے ہی سے فون کی گھنٹیاں بج رہی تھیں کہ دار العلوم دیو بند کے پر شکوہ لاؤڈ اسپیکروں سے نمونۂ سلف صالحین، جامع المعقول والمنقول، بزرگوں کی مقدس روایتوں کے امین، استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ونور اللہ مرقدہ کے سانحۂ ارتحال کی المناک خبر نشر ہو رہی ہے۔ یہ خبر سن کر بے اختیار زبان سے ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' نکلا اور نظروں میں حضرت الاستاذ کا سراپا سما گیا۔ وقار وتمکنت کا چلتا پھرتا نمونہ، خوش خلقی، خوش کلامی کے ساتھ خوش لباسی کا پیکر جمیل، بایں ہمہ سادگی اور تواضع، علم وحلم اور خودداری کی صفات سے آراستہ وپیراستہ ایک ایسی دل آویز شخصیت جو ۹۶ رسالہ زندگی کے کسی موڑ پر کبھی ناگواری کا موضوع نہیں بنی۔ زندگی کے اتار چڑھاؤ اور ہزار ہنگاموں کے درمیان اعلیٰ انتظامی وتدریسی مناصب سے متعلق رہنے والے کسی شخص کا اخیر تک ''غیر متنازعہ'' بنے رہنا یقیناً ایسا امتیاز ہے جو خال خال کسی خوش نصیب کو میسر آتا ہے۔

حضرت الاستاذ کی ہر ہر ادا مثالی تھی، دار الحدیث میں منصب درس پر جب تشریف فرما ہوتے اور محدثانہ شان وشوکت سے جب درس شروع ہوتا تو زبانِ مبارک سے موتی جھڑتے ہوئے معلوم ہوتے، اور ''بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں'' کا سماں محسوس ہوتا تھا، بخاری شریف جلدِ اول میں تراجم ابواب پر مرتب اور جامع بحثیں ہوتیں، مسائل ودلائل پر گفتگو کا موقع ہوتا تو تمام ائمہ کا احترام کرتے ہوئے ان کے دلائل اور اپنے اکابرؒ کی طرف سے دئے گئے جوابات بہت مرتب انداز میں پیش فرماتے۔ اور اخیر سال میں رواں عبارت اور ضروری ترجمہ پر اکتفا فرماتے، تو اس وقت درس کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا تھا، کبھی درس کے دوران عشقِ رسولؐ ضبط کی تاب نہ رکھ پاتا تو آواز بھرا جاتی اور آنکھیں بھر آتیں لیکن پھر فوراً ضبط فرمالیتے، اور سبق آگے بڑھ جاتا۔ ۳۲/سال آپ نے اسی شان کے ساتھ بخاری شریف کا درس دیا، جب کہ دار العلوم میں تدریسی زندگی ۶۵/سال پر محیط رہی جو بجائے خود ایک ریکارڈ ہے۔ اس دوران ہزاروں تشنگانِ علوم نے آپ سے سیرابی حاصل کی جو دنیا کے چپہ چپہ میں دینی خدمات میں مشغول رہ کر آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بنے ہوئے ہیں۔

حضرت الاستاذ کو اپنے شیخ اور استاذِ معظم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے عشق تھا، دورانِ درس کثرت سے آپ کی آراء اور اقوال نقل فرماتے، اور مختلف مناسبت سے حضرت کے حالات سناتے رہتے تھے، اور جب بھی کبھی دعا کا موقع ہوتا تو نام لے کر حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کے خانوادے کے لئے ضرور دعا کراتے تھے۔

مدرسہ شاہی سے بھی آپ کو خاص تعلق تھا، جب تک یہاں ختم بخاری شریف کے لئے باہر کے اکابر کو بلانے کا معمول رہا اکثر حضرت الاستاذ ہی ختم کرانے کے لئے تشریف لاتے رہے، اور مدرسہ کے کتاب المعائنہ میں مدرسہ کے لئے گراں قدر رائے ثبت فرماتے رہے۔

احقر کو ۱۴۰۷ھ میں حضرت الاستاذ کے درس حدیث میں شرکت کی سعادت ملی اور بفضلہ تعالیٰ بخاری شریف جلد اول کے اکثر حصہ کی تلاوتِ حدیث اس ناکارہ کے حصہ میں آئی، جس کی بنا پر حضرت کی خاص توجہ اور شفقت اخیر تک حاصل رہی۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضرت الاستاذ کے مکان کے قریب لال مسجد میں تراویح میں قرآن پاک سنانے کا اتفاق ہوا تو حضرت الاستاذ نے نہایت قدر فرمائی اور ختم والے دن نئے رومال سے دستار بندی فرمائی، ویسے بھی جب دولت کدہ پر حاضری ہوتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ روئیں روئیں سے خوشی پھوٹ رہی ہے، اور احقر ہی کیا آپ کو اپنی سبھی روحانی

اولاد سے ایسا ہی مشفقانہ تعلق تھا۔

تقریباً ڈیڑھ سال قبل آپ نے مسلسل کمزوری اور عوارض کی بنا پر دار العلوم کی ذمہ داریوں سے سبک دوشی حاصل کرلی تھی، لیکن صاحبِ فراش ہونے کے باوجود معمولات کی پابندی قابل رشک تھی، ہوش وحواس اخیر تک بجا رہے، اور حسنِ خاتمہ کی دولت سے مشرف ہوئے۔

ہم لوگ جب ظہر سے قبل دیو بند پہنچے تو جنازہ احاطۂ مولسری میں لایا جا چکا تھا، تلامذہ اپنے عزیز تر استاذ کی آخری زیارت کے لئے پروانوں کی طرح اُمڈ آئے تھے۔ بمشکل زیارت اور پیشانی مبارک کو بوسہ دینے کا موقع ملا تو چہرہ نورِ ایمانی سے چمک رہا تھا۔ اور ایک عجیب طمانینت چہرے سے عیاں تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی بلا شبہ آپ کی ذات حدیثِ پاک خَيْرُكُمْ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ (تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں) کا مصداق تھے۔ نمازِ ظہر کے بعد ہزاروں علماء، طلبہ اور عوام کے مجمع نے حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ استاذِ حدیث دار العلوم دیو بند کی اقتداء میں جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور عصر کی نماز سے قبل قبرستان قاسمی میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃً

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت الاستاذ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں اور اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائیں، آمین۔

☆☆☆☆☆

رفتید ولے نہ ازدل ما

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ

کی وفات پر ایک تاثر

ندیم الواجدی، دیو بند

۴؍فروری ۲۰۱۰ء کی صبح دار العلوم دیو بند کی مسجد سے اعلان ہوا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب انتقال فرما گئے، دل و دماغ کے خرمن پر یہ خبر صاعقہ بن کر گری، حالانکہ حضرت عمر کی اس منزل میں تھے جہاں پہنچ کر کسی بھی وقت اس سانحے سے سابقہ پیش آ سکتا تھا مگر خبر سن کر کچھ دیر کو ایسا محسوس ہوا کہ شاید اعلان غلط ہوا ہے یا شاید ہمارے کانوں نے غلط سنا ہے، لیکن جب گھر سے باہر نکل کر تیز رفتاری کے ساتھ طلبہ کو ادھر ادھر آتے جاتے دیکھا اوران سے پوچھا تو پتہ چلا کہ خبر صحیح ہے، واقعی اب حضرت اس دنیا میں نہیں رہے، سوائے یقین کے کوئی چارہ نہ رہا زبان سے بے ساختہ نکلا ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ نے خاصی طویل عمر پائی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء سالِ پیدائش ہے، اس لحاظ سے آپ نے چھیانوے قمری سال اس جہانِ آب وگل میں گزارے، بہت کم لوگ اس عمر کو پہنچتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر خصوصی کرم تھا کہ اس طویل عمری کے باوجود آخر تک آپ کے ہوش وحواس سلامت رہے اور جسمانی معذوری جیسی کوئی صورت بھی پیدا نہیں ہوئی، عموماً اتنے عمر رسیدہ لوگ بالکل معذور ہو کر ہاتھوں میں آجاتے ہیں، بہت سے لوگ ہوش وحواس تک کھو بیٹھتے ہیں، بلاشبہ آپ نے انتہائی قابل رشک زندگی گزاری اور نہایت قابل رشک موت پائی، انتقال سے کچھ دیر پہلے اپنے ایک صاحبزادے سے سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت سنی اور قبلہ رو ہو کر لیٹ گئے، اسی حالت میں رات دو بج کر دس منٹ پر روحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملی، انتقال کی خبر عام ہوتے ہی تمام راستوں کا رخ اسی محلے کی طرف ہو گیا جہاں حضرت کا قیام تھا، اساتذہ، طلبہ اور اہل شہر کا ہجوم درِ دولت پر امنڈ پڑا، لمبی لمبی قطاریں لگا کر زیارت کی گئی، نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لئے نہ صرف قرب وجوار کے علاقوں سے بلکہ دور دراز کے قصبوں اور شہروں سے بھی لوگوں کے دیو بند پہنچنے کا سلسلہ شروع ہو گیا جو تدفین کے وقت تک بلکہ بعد تک جاری رہا، کاندھا دینے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ احاطۂ مولسری سے قبرستانِ قاسمی تک پہنچنا مشکل ہو گیا، ہر شخص کاندھا دینے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا، ہزاروں لوگوں نے اس گنجِ گراں مایہ کو بہ چشمِ نم سپردِ خاک کیا، ہندوستان کے طول وعرض میں حادثۂ وفات کی خبر پلک جھپکتے پہنچ گئی، اس کے ساتھ ہی ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہزاروں مدارس میں قرآن کریم کی تلاوت اور دعائے مغفرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس سے بڑھ کر قابل رشک موت کیا ہوگی، یقیناً یہ اس شغف واشتغال کی برکت تھی جو حضرت شیخ کو عمر بھر علومِ نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے ساتھ رہا اگر کوئی شخص اتنی طویل مدت تک قال اللّٰہ وقال الرسول کی صدائے دل نواز بلند کرتا رہے تو دنیا وآخرت میں اس کی نیک بختی پر کون بد بخت شبہ کر سکتا ہے

حضرت شیخ الحدیث کے مختصر حالات زندگی یہ ہیں کہ آپ کی پیدائش مغربی یوپی کے مشہور شہر بلند شہر کے گاؤں بسئی کے ایک رئیس گھرانے میں ہوئی، والد ماجد انگریزی حکومت میں اعلیٰ سرکاری ملازم تھے، مگر علم دوست اور دین دار انسان تھے، علماء کی قدر کرتے تھے، مشہور محدث حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے مرید تھے، اسی کا اثر تھا کہ گھر میں دین کا ماحول تھا، والدہ ماجدہ بھی نیک اور خدا ترس خاتون تھیں، بیعت وارادت کے بعد جب یہ سنا کہ حضرت شیخ الہندؒ ''ترکِ موالات'' کی تحریک چلا رہے ہیں تو بلا تردد سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور کاشت کاری میں مشغول ہو گئے، حضرت شیخ ابھی چار پانچ سال ہی کے تھے کہ والد محترم نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اس طرح آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب نے آپ کی کفالت اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالی، آپ ان دنوں مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مدرس تھے، اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس رکھ کر انہیں پڑھایا لکھایا اور جوہرِ قابل بنا کر دار العلوم کے سپرد کیا، شیخ نصیر احمد خان صاحب نے مدرسہ منبع العلوم ہی میں قرآنِ کریم حفظ کیا اور وہیں رہ کر اپنے برادرِ معظم کے پاس میزان سے

بخاری تک تمام متداول درسی کتب پڑھیں۔

۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب مدرس کی حیثیت سے دار العلوم دیو بند تشریف لائے تو آپ کے بھائی بھی ساتھ ساتھ تھے، آپ اگر چہ گلاؤٹھی میں بخاری پڑھ چکے تھے لیکن علوم حدیث میں مزید دقتِ نظر پیدا کرنے کے لئے آپ نے دار العلوم میں داخلہ لے لیا اور دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، اس سال شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نینی الہ آباد جیل میں نظر بند تھے، آپ کی عدم موجودگی میں ترمذی شریف اور بخاری شریف شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے پڑھائی، ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں جب حضرت مدنیؒ جیل سے رہا ہو کر تشریف لائے تو حضرت شیخ نے تیسری بار حصولِ برکت کی غرض سے پھر ان کتابوں کے اسباق میں حاضری کا شرف حاصل کیا، ابوداؤد اور مسلم شریف بھی پڑھیں، اسی کے ساتھ مختلف علوم وفنون کی متعدد کتابوں کے درس میں بھی شرکت کی، اگلے دوسال بھی آپ نے ایک طالب علم کی حیثیت سے دار العلوم ہی میں گزارے، اس دوران تجوید وقرأت کی بہت سی کتابیں پڑھیں طب اور معقولات کے درس میں بھی شرکت کی، ان دوسالوں میں آپ ''ہدایہ آخرین، سراجی، بیضاوی، دیوانِ متنبّی، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت، ملا جلال، قاضی مبارک، صدرا، میر زاہد، حمد اللہ'' وغیرہ کتابوں کے اسباق میں شریک رہے، جس قدر بھی پڑھا خوب محنت سے پڑھا، مختلف فنون میں کمال حاصل کیا اور اعلیٰ نمبرات کے ساتھ شاندار کامیابی کے مستحق قرار پائے، دار العلوم دیو بند میں آپ نے جن اساتذۂ فن کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت مولانا عبد الخالق ملتانیؒ، حضرت مولانا عبد الحق اکوڑہ خٹک، حضرت حافظ مولانا عبد الرحمٰن امروہویؒ، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاب گڑھیؒ اور حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ دیو بندی وغیرہ

فراغت کے بعد ملتان کے ایک بڑے مدرسے میں صدر القرأ کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا لیکن بھابھی صاحبہ اتنی دور بھیجنے پر راضی نہیں ہوئی، اس لیے ملتان نہ جاسکے، خدا کو یہ منظور تھا کہ یہیں رہ کر دار العلوم کی خدمت کریں ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں دار العلوم دیو بند میں مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا، دوسال عارضی طور پر خدمات انجام دیں، دوسال کے بعد استقلال ہوگیا، حضرت شیخ نے دار العلوم میں میزان سے بخاری تک تقریبا تمام کتابوں کا درس دیا، فنِ ہیئت سے خاص دل چسپی تھی، اور اس میں انتہائی مہارت رکھتے تھے اس فن میں ایک رسالہ بھی لکھا اور ایک کتاب پر حواشی بھی تحریر فرمائے، بعض کتابوں کا درس خصوصیت کے ساتھ شہرت کا حامل رہا ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں حدیث شریف کی کتابوں کا درس بھی متعلق ہوا۔

ابتداء میں مؤطا مالک پڑھائی، پھر طحاوی شریف پڑھانے کا موقع ملا، اس کے بعد مسلم شریف پڑھانے کی سعادت حاصل کی، ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں حضرت مولانا شریف حسن دیو بندیؒ کے انتقال کے بعد بخاری شریف آپ کے سپرد کردی گئی، اس طرح آپ مدرس بننے کے ٹھیک تیس سال کے بعد شیخ الحدیث کے منصبِ جلیل پر فائز ہوئے، اور ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۹ء تک پورے بتیس سال تک بخاری شریف پڑھاتے رہے، مختلف جسمانی عوارض اور ضعف ونقاہت کی بنا پر دیانۃ حضرت شیخ نے یہ مناسب سمجھا کہ بخاری شریف کی تدریس کی وقیع اور بھاری بھرکم ذمہ داری سے معذرت کرلی جائے اور وہ منصب صدارت بھی چھوڑ دیا جائے جو حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیو بندیؒ کی وفات کے بعد ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں آپ کے سپرد کیا گیا تھا دار العلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ نے آپ کی طویل تدریسی اور انتظامی خدمات کے اعتراف واحترام میں آپ کا مشاہرہ برقرار رکھا اور مفوضہ ذمہ داریوں سے سبکدوش کردیا، دار العلوم دیو بند میں آپ کی تدریسی صورت پینسٹھ سال ہے غالبا یہ ایک ریکارڈ ہے اتنی طویل مدت تک کسی بھی استاذ نے دار العلوم دیو بند میں تدریسی خدمات انجام نہیں دیں، بتیس برس تک بخاری شریف کا درس بھی ایک ریکارڈ ہی ہے، اس دوران کم وبیش پچیس ہزار طلبہ نے آپ سے بخاری شریف پڑھی اور سندِ حدیث حاصل کی، اس وقت دار العلوم دیو بند کے تمام چھوٹے بڑے اساتذہ آپ ہی کے شاگرد ہیں ہندوستان بھر میں اس وقت دار العلوم دیو بند کے جو فضلائے کرام علوم اسلامیہ کی آب یاری میں مشغول ہیں ان میں بڑی تعداد حضرت شیخ کے تلامذہ کی ہے۔

حضرت شیخ کا درس طلبہ میں ہمیشہ مقبول رہا ہے، نہایت شائستہ وشستہ لب ولہجہ تھا، مرتب اور جامع کلام فرماتے، آواز نہایت بلند تھی، لیکن کرخت نہیں تھی، اسباق کی پابندی میں ضرب المثل تھے، وقت پر درس گاہ تشریف لے آتے اور جب تک سبق جاری رہتا پورے ادب واحترام کے ساتھ اپنی نشست پر تشریف فرما رہتے، بخاری شریف کا سبق بعض اوقات کئی کئی گھنٹے جاری رہتا، اس دوران نہ پہلو بدلتے، نہ نشست کی ہیئت تبدیل کرتے، نہ ٹیک لگاتے، جس طرح آ کر بیٹھتے شروع سے آخر تک اسی طرح بیٹھے رہتے، اللہ تعالی نے حسنِ صورت کے ساتھ حسنِ سیرت بھی عطا کیا تھا، آپ کا ظاہر جتنا اجلا تھا اتنا ہی اجلا آپ کا باطن بھی تھا، نہایت متواضع، منکسر المزاج خوش اخلاق، خوش اطوار، حلیم، بردبار، شاید ہی زندگی بھر اپنی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو، حالانکہ آپ کئی سال تک دارالاقامہ کے ناظم بھی رہے، پھر نائب مہتمم بھی بنائے گئے، صدر المدرسین کے عہدۂ جلیلہ پر بھی فائز رہے، یہ تینوں عہدے انتظامی ہیں اور ان کا تعلق براہِ راست طلبہ واساتذہ کے انتظام وانصرام سے ہے، ایک منتظم کو بسا اوقات سخت فیصلے لینے پڑتے ہیں جو متعلقہ افراد کے لئے ناگواری کا سبب بھی بن جاتے ہیں، لیکن ہمارے علم میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ آپ نے ان عہدوں پر رہتے ہوئے کسی کو ادنی درجے کی بھی تکلیف پہنچائی ہو۔

فطری طور پر آپ خدا ترس انسان تھے، معمولات کے انتہائی پابند تھے، قرآن کریم کی تلاوت، نوافل اور اوراد وظائف سے خاص شغف تھا، ہر جمعہ کو نمازِ جمعہ سے بہت پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے، اور نہایت اہتمام کے ساتھ صلوۃ التسبیح ادا فرماتے، جب تک مسجد میں حاضری کی ہمت رہی یہی معمول رہا، ابتدا میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کیا، ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے رجوع ہوئے اور خلافت سے سرفراز کئے گئے، حضرت شیخ کے یہاں اخفاء بہت تھا، نہ کسی پر آپ نے کبھی یہ ظاہر کیا کہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے مجاز بیعت ہوں اور نہ کبھی کسی کو بیعت کیا کہ یہ راز ظاہر ہو جاتا، وہ تو اتفاقا کسی شاگرد کے استفسار پر یہ راز منکشف ہو گیا، لیکن جب راز کھل گیا تو مخاطب کو یہ ہدایت بھی فرمائی گئی کہ اس بات کا کسی سے ذکر نہ کیا جائے، بہت سی خصوصیات کے لحاظ سے حضرت شیخ قدیم طرز کے بزرگان دین کے عکس جمیل تھے، حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کے گھرانے سے خاص تعلق تھا، بخاری شریف کے ختم پر دعا کراتے تو اس گھرانے کے لئے اور خاص طور پر حضرت کی اہلیہ محترمہ کے لئے بہ طور خاص دعا کراتے حضرت مدنیؒ کا ذکر فرماتے تو آواز بھرا جاتی، اور آنکھیں بھر آتیں۔

احقر راقم السطور کی خوش قسمتی ہے کہ اسے حضرت شیخ صاحبؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ میرے والد محترم حضرت مولانا واجد حسین صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل بھی حضرت شیخ کے خصوصی تلامذہ میں تھے، میرے لئے یہ بھی کچھ کم سعادت کی بات نہیں ہے کہ میرے بیٹے عزیزم یاسر ندیم نے بھی حضرت شیخ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا ہے اور آپ سے بخاری پڑھی ہے، اس طرح ہمارے خاندان کی تین نسلیں حضرت سے براہِ راست مستفید ہوئی ہیں ہم اس شرف وسعادت پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

آپ میری طالب علمی کے دور میں دارالاقامہ کے ناظم تھے، اس وقت حضرت مولانا شریف حسن دیوبندی جو احقر کے ماموں بھی تھے، ناظم اعلی تھے، ان دو حضرات کے ساتھ حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندیؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند بھی ناظم تھے، ان تینوں حضرات سے راقم السطور کو گہری قربت حاصل تھی، اور میں اس حوالے سے بہ کثرت دارالاقامہ کے دفتر میں آتا جاتا تھا، یہ تینوں حضرات بھی مجھ پر نہایت شفقت فرماتے تھے، دارالعلوم سے فراغت کے بعد میں کچھ دنوں کے لئے لکھنؤ جا کر مقیم ہو گیا، ان ہی دنوں حضرت شیخ نے اپنے ایک مکتوب گرامی کے ذریعے مجھے دیوبند واپسی کا حکم دیا اور تحریر فرمایا کہ ہم تینوں نے تمہیں حیدرآباد کے فلاں مدرسے میں صدر مدرس بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے، تمہیں درس وتدریس میں لگنا چاہئے وغیرہ وغیرہ، حسب الحکم میں دیوبند ہوتا ہوا حیدرآباد پہنچ گیا، اسی دوران حضرت نائب مہتمم بنائے گئے، حیدرآباد کے قیام کے دوران مجھے حضرت کے خط ہی سے اطلاع ملی کہ مجھے مجلس شوری نے اجلاس صد سالہ کے شعبۂ تصنیف وتالیف میں تصنیفی وتالیفی خدمت کے لئے منتخب کیا ہے، حکم تھا فورا دیوبند پہنچو، احقر اسی وقت دیوبند پہنچا اور

اپنی ڈیوٹی سنبھالی، اس دوران بار بار دارالاہتمام میں حاضری ہوتی تھی اور حضرت کی خدمت میں بیٹھنا بھی نصیب ہوا کرتا تھا، یہ بھی حسنِ اتفاق ہی ہے کہ حضرت کا دولت کدہ جس محلے میں واقع ہے اسی محلے میں احقر کا غریب خانہ تھا، اس طرح اکثر وبیشتر آتے جاتے راستے میں مسجد میں حضرت کی زیارت رہتی تھی، کسی شخص کا کوئی بھی کام ہوتا ہم بلاتکلف گھر کے دروازے پر دستک دیدیا کرتے تھے، ہم نے حضرت کو اس گستاخی پر کبھی کبیدہ خاطر یا ناراض نہیں پایا، اپنی کاروباری مصروفیات کی وجہ سے میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری کا سلسلہ باقی نہیں رکھ پایا، لیکن ختمِ بخاری شریف کے موقع پر احقر لازماً دارالحدیث میں حاضر ہوکر درس اور دعا دونوں میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا تھا، آپ جیسے سادہ مزاج نیک نفس، باوقار، متواضع، حلیم الطبع، منکسر المزاج علماء کم ہی ہوتے ہیں، آپ کے کئی صاحبزادے حیات ہیں، جو سب کے سب حافظ قرآن ہیں، معنوی اولاد کی تو صحیح تعداد بھی شمار نہیں کی جاسکتی، یہ سب لوگ آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں جب تک ان کے سانسوں میں گرمی باقی رہے گی اپنے حسنِ عمل سے اپنے استاذِ گرامی قدر کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنے رہیں گے ان شاء اللہ۔

سراپا عظمت و وقار شیخ الحدیث

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلند شہری

استاذِ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند

اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو گونا گوں خوبیوں اور ایسی ممتاز خصوصیت سے نوازتا ہے جن کی بنیاد پر وہ دوسروں سے فوقیت لے جاتے ہیں اور زندگی کے میدان میں وہ ایسے گہرے تاثر اور انمنٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جن کی مثال بمشکل ہی مل پاتی ہے، سعی ومحنت، جدوجہد، عزم وارادے اور خوش خلقی کی بنا پر انسانوں کی بھیڑ میں اور ہر مجلس ومحفل میں عزت وعظمت ان کے قدم چومتی ہے، اگرچہ عظمتیں متنوع ہوتی ہیں مگر سراپا خلق اور اندروں کی پاکیزگی کی وجہ سے حاصل ہونے والی عظمت لافانی، نمایاں، اور دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی لوگوں کے ذہنوں میں تروتازہ اور باقی رہتی ہے، ایسی ہی بے پناہ عظمتوں اور لاثانی وقار کی حامل شخصیت حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی تھی، جو ۱۹/ صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴ فروری ۲۰۱۰ء بروزِ جمعرات کو اپنے ربِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کے چلے جانے سے دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا ایک عظیم باب بند ہو گیا۔

ولادت مبارکہ:

حضرت شیخ ضلع بلند شہر کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''بسی'' میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والدِ محترم کا نام عبدالشکور خاں اور والدہ کا نام ''رحمت بی'' تھا، دارالعلوم دیوبند کے داخلہ فارم اور سرکاری کاغذات کے اعتبار سے آپ کی تاریخِ پیدائش ۲۱/ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ ہے تاہم حضرت والا بارہا اس کی وضاحت فرماتے کہ ریکارڈ شدہ تاریخ پیدائش ۲ سال کم ہے میری عمر اس سے دو سال زیادہ ہے، اس اعتبار سے حضرت ولا کا صحیح سنِ ولادت ۱۳۳۵ھ ہوتا ہے، ابھی آپ بچے ہی تھے۔ ۴ یا ۵ سال کی عمر تھی کہ والدِ محترم کا انتقال ہو گیا۔

تعلیم و تربیت:

حضرت شیخ کی تعلیم وتربیت میں آپ کے برادرِ اکبر حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ حصہ ہے، والد صاحب کے بعد خصوصیت سے بھائی صاحب نے یہ ذمہ داری نبھائی، حضرت شیخ نے مدرسہ منبع العلوم قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں تعلیم کا آغاز فرمایا اور وہیں پر حفظِ قران کی تکمیل فرمائی، جناب قاری محمد عمر صاحبؒ اور جناب قاری بہادر خاں صاحبؒ آپ کے حفظ کے اساتذہ تھے، آپ قاری بہادر خاں صاحبؒ کا اکثر وبیشتر تذکرہ فرماتے اور متعدد مجالس میں ان کا تذکرہ اور مدح سرائی کرتے رہتے تھے۔ حفظِ قران کریم کی تکمیل کے بعد فارسی کی تعلیم شروع فرمائی، پھر اس کے بعد عربی تعلیم کا آغاز کیا، ابھی آپ ابتدائی عربی درجات کے ہی طالب علم تھے کہ والدہ محترمہ کی وفات ہوگئی، اور اس طرح آپ مکمل طور پر بھائی صاحب کی کفالت میں آگئے، بھائی صاحب نے کفالت کا پورا حق نبھایا اور تعلیم وتعلم کے ساتھ تربیت پر مکمل توجہ دی، حضرت شیخ ؒ بتلایا کرتے تھے کہ میں نے فارسی کی چند کتابوں کے سوا فارسی اور عربی کی تمام کتابیں اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ سے ہی پڑھی ہیں، ایک مرتبہ راقم نے وضاحت کے ساتھ معلوم کیا کہ حضرت آپ نے کون کون سی کتابیں کن کن اساتذہ سے پڑھیں اور کہاں کہاں پڑھیں؟ تو فرمایا کہ منبع العلوم میں تو میں نے سب کچھ صرف بڑے بھائی صاحب ہی سے پڑھا ہے۔ مدرسہ منبع العلوم میں بھائی صاحب استاذ تھے، وہاں اور بھی اساتذہ تھے۔ مگر مجھ کو بھائی صاحب ہی تمام کتابیں پڑھاتے تھے

دار العلوم دیوبند میں داخلہ:

جب آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر خاں صاحب رحمۃ اللہ کا دار العلوم دیوبند میں تقرر ہو گیا تو آپ بھی بڑے بھائی کے ہمراہ دار العلوم دیوبند آ گئے اور ۱۳۶۱ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، یہ آپ کا دورۂ حدیث شریف کا سال تھا، ۱۳۶۲ھ میں آپ نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، چونکہ ان دنوں جنگ آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہونے کے پاداش میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ نینی جیل میں قید تھے، اس لئے اس سال بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے پڑھی تھی۔ مگر حضرت مدنیؒ سے استفادہ کی لگن اور خواہش برقرار تھی اور حضرت مدنیؒ جیل سے واپس تشریف لا چکے تھے اس لئے اگلے سال ۱۳۶۳ھ میں بخاری، ترمذی شریف کی حضرت مدنی سے سماعت کی، اپنے علم وفن میں مزید جلاء پیدا کرنے کی خاطر اسی سال کچھ دیگر فنون کی کتابیں مثلاً ہدایہ آخرین، قرأت قرآن، جزری، مسلم الثبوت، شرح چغمینی، متنبّی، سراجی، بیضاوی سورۂ بقرہ، توضیح تلویح، فوائد مکیہ بھی پڑھیں، اور ابوداؤد شریف اور مسلم شریف بھی دوبارہ پڑھیں، اس کے بعد مزید دو سال علوم میں پختگی پیدا کرنے کی غرض سے مختلف کتابیں پڑھتے رہے، اور شریک امتحان ہوتے رہے ان دو سالوں میں تجوید و قرأت کی طرف بھی متوجہ ہوئے، چنانچہ ۱۳۶۴ھ میں خلاصۃ البیان شاطبیہ، رائیہ، اجراء قرأت سبعہ، بیضاوی سورۂ بقرہ (دوبارہ) نفیسی، حمیاتِ قانون، شرح اسباب اول، شرح اسباب ثانی، قانونچہ، وغیرہ کتابیں پڑھیں، اور شریکِ امتحان ہوئے، پھر اگلے سال ۱۳۶۵ھ میں کچھ مزید کتابیں مثلاً ملا جلال، قاضی مبارک، صدرا، میر زاہد، حمد اللہ، طیبة النشر فی قرأت عشر، اور ان کے علاوہ اور بھی دیگر کتابوں کو دوبارہ پڑھ کر امتحان دیا اور اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

دار العلوم دیوبند میں آپ کے اساتذۂ کرام:

جس وقت آپ دار العلوم دیوبند میں اکتساب فیض کر رہے تھے۔ وہ دار العلوم دیوبند کی تاریخ کا نہایت تابناک دور تھا بڑے بڑے ماہر فن اساتذہ مسانید درس پر جلوہ افروز تھے۔ شیدائیانِ علمِ نبوت اور مہمانانِ رسول ان سے اپنی علمی تشنگی دور کرتے آپ نے جن حضراتِ اساتذہ سے علمی فیض حاصل کیا ان میں خاص طور پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ، حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا عبد الخالق صاحب ملتانیؒ، حضرت مولانا عبدالح صاحب اکوڑہ خٹکؒ، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالاؒ، حضرت مولانا المقری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاپگڑھی صدر شعبۂ قرأت دار العلوم دیوبند، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبندؒ، حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ دار الشفاء دار العلوم دیوبند قابل ذکر ہیں، حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ سے آپ نے طب کی کتابیں پڑھیں تھیں۔

فن تجوید و قرأت سے خصوصی شغف:

دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد جب حضرت شیخ تکمیلات کے مراحل میں تھے تو ان چند سالوں میں فنِ تجوید و قرأت سے آپ کو خصوصی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی چنانچہ آپ نے فنِ قرأت کی تمام کتب درسیہ، حفص، سبعہ عشرہ وغیرہ اپنے وقت کے امام الفن اور ماہر علومِ قرأت حضرت مولانا المقری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاپگڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور ان تینوں سال آپ مختلف لہجوں میں ان کے سامنے مشق کرتے رہے یہاں تک کہ آپ اس فن میں ماہر ہو گئے ایک مرتبہ آپ نے یعنی حضرت شیخ الحدیث صاحب نے راقم سے بتلایا کہ حضرت الاستاذ قاری حفظ الرحمٰن فرمایا کرتے تھے، نصیر احمد! میں نے تم کو اس فن کی خدمت کے لئے تیار کیا ہے، حضرت شیخ حضرت قاری صاحبؒ کے نہایت چہیتے اور مخصوص شاگردوں میں تھے اور آپ بھی اپنے استاذ حضرت قاری صاحبؒ سے نہایت محبت کرتے تھے اور عصر کے بعد مجلسوں میں بارہا اپنے استاذ حضرت قاری صاحبؒ کا تذکرہ کرتے رہتے تھے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت قاری صاحبؒ نے نہایت تعلق کی وجہ سے فنِ قرأت پڑھانے کے لئے میرا تقرر ملتان کے ایک بڑے مدرسہ میں صدر قاری کی حیثیت سے کر دیا تھا یہ مدرسہ مولانا صادق صاحبؒ کا قائم کردہ تھا جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے، حضرت قاری صاحبؒ کی ایما پر میں نے ملتان جانے کی تیاری کر لی تھی کہ بھابھی صاحبہ اہلیہ حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ نے فرمایا ہم نصیر احمد کو اتنی دور نہیں بھیجتے، چنانچہ بھائی صاحب اور قاری صاحب سے گفتگو کے بعد آپ

ملتان جانے سے رک گئے کیونکہ مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

دار العلوم دیوبند میں بحیثیتِ استاذ تقرر:

تقدیر کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے عمر بھر کے لئے دار العلوم دیوبند کی خدمت مقدر کر دی تھی آپ کی ذات سے علوم حدیث کے عظیم فیضان کا فیصلہ فرما دیا تھا اس وجہ سے آپ ملتان نہیں جا سکے، چنانچہ ۱۳۶۵ھ کے اواخر ماہ ذی الحجہ میں اعزازی ابتدائی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا آپ اسی طرح دو سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور ۱۳۶۷ھ میں دو سال بعد ۲۸/ صفر کو باقاعدہ آپ کا تقرر کر لیا گیا اور آپ کی حسن کارکردگی کی وجہ سے اسی سال ۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ کو آپ کا استقلال بھی کر دیا گیا، حسنِ اتفاق آپ نے تدریس کا آغاز بالکل ابتدائی کتابوں سے کیا اور میزان سے لے کر آخر تک کی درسِ نظامی کی تقریباً تمام کتب آپ سے متعلق رہیں، آپ نہایت محنت اور دلچسپی سے پڑھاتے، آپ کی حسنِ کارکردگی ہمیشہ ممتاز رہی، آپ کے بعض کتابوں کے درس کو کافی مقبولیت ملی اور مقاماتِ حریری، میبذی، مسامرہ شرح جامی، جلالین شریف، الفوز الکبیر، اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ مختلف کتابوں کا درس تو آپ سے کافی طویل عرصہ تک متعلق رہا۔

فنِ ہیئت سے خصوصی دلچسپی:

مختلف فنون کے ساتھ علمِ ہیئت کا درس بھی ہمیشہ آپ سے متعلق رہا، اس فن کی اہم کتاب التصریح ہمیشہ آپ کے زیرِ درس رہی، اللہ تعالیٰ نے اس فن میں آپ کو مخصوص ملکہ اور مہارت عطا فرمائی تھی اس فن کے بلا شرکت غیر آپ بے تاج بادشاہ تھے، عجیب و غریب انداز سے اس کے مسائل کی تشریح فرماتے تھے، افسوس کے یہ فن اب نصاب سے خارج کر دیا گیا، اس پر حضرت بہت افسوس فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تفسیر کی کتابوں میں اس فن کے اہم مباحث ہیں، طلبہ یہ فن نہیں جانتے تو اب ان مسائل کو کیسے سمجھیں گے اس لئے یہ فن نصاب میں رہنا چاہئے اس کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور آج بھی ہے۔

مسندِ حدیث پر:

آپ نہایت محنت اور پابندی سے اپنی ذمہ داری نبھاتے تھے جس کی بنا پر ترقیاں آپ کے قدم چومتی رہیں چنانچہ آپ ابتدائی درجہ سے ترقی کرتے ہوئے علیا درجہ تک پہنچ گئے اور ۱۳۹۱ھ میں دورۂ حدیث شریف کی کتابوں کی تدریس بھی آپ سے متعلق ہونے لگی چنانچہ ۱۳۹۱ھ سے ۱۳۹۷ھ تک آپ طحاوی شریف، مسلم شریف جلد ثانی، مؤطا امام مالک کا درس دیتے رہے، اور طالبانِ علوم نبوت کو فیضیاب کرتے رہے، اور ۱۳۹۷ھ میں جب دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ وفات پا گئے تو بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق ہو گیا اس کے بعد سے آپ مسلسل بخاری شریف کا درس دینے لگے ایک سال مکمل بخاری شریف (دونوں جلدوں) کا درس آپ سے متعلق رہا اس کے بعد ہمیشہ آپ جلد اول پڑھاتے رہے، جلد ثانی کا سبق مشترک طور پر حضرت مولانا محمد انظر شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ العالی سے متعلق رہتا تھا، آپ بڑی شان و شوکت سے بخاری شریف کے درس دیتے تھے، اخیر عمر تک اسی فریضہ کو انجام دیتے رہے اور ہزاروں فرزندان توحید کو سیراب کرتے رہے، جب آپ ۱۴۲۹ھ میں شدید بیمار ہو گئے گھٹنوں کی تکلیف، قلب کا عارضہ، آنت اترنے کی پریشانی، ضعفِ سماع و بصر وغیرہ بیک وقت متعدد بیماریاں لاحق ہو گئیں تو پھر آپ نے درس اور مدرسہ کی حاضری سے معذوری ظاہر فرما دی ۱۳۹۱ھ سے ۱۴۲۹ھ تک تقریباً ۴۰ سال تک آپ مسندِ حدیث پر رونق افروز ہو کر تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے رہے۔ اس دوران آپ سے ہزاروں کی تعداد نے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

عہدے اور ذمہ داریاں:

تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ انتظامی ذمہ داریاں بھی آپ نے بخوبی طور پر انجام دیں، ایک طویل عرصہ تک آپ ناظمِ دار الاقامہ رہے، اور اس میں حضرت مولانا نعیم احمد صاحب دیوبندیؒ سابق استاذِ حدیث دار العلوم دیوبند بھی ہمیشہ آپ کے رفیقِ کار رہتے تھے۔ ۶/ صفر ۱۳۹۱ھ کو مجلسِ شوریٰ نے آپ کو دار العلوم دیوبند کا نائب مہتمم تجویز فرمایا ایک عرصہ تک آپ اس منصب پر کام کرتے رہے اور حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ صدر مدرس

دار العلوم دیوبند کی وفات کے بعد ۱۴۱۲ھ میں آپ کو باتفاقِ اراکین شوری صدر المدرسین منتخب کرلیا گیا، ایک طویل عرصہ تک آپ نے اس منصب کو بھی زینت بخشی اور اخیر عمر میں تدریس سے معذرت کیساتھ اس منصبِ جلیل سے بھی معذرت فرمالی۔

اوصاف و کمالات:

اللہ تعالی نے بے شمار اوصاف وکمالات سے آپ کو نوازا تھا آپ فطرتا انتہائی نیک وصالح انسان تھے، بزرگوں کے اخلاق کا نمونہ اور ان کی علمی یادگار رہتے، آپ بہترین مدرس بھی تھے اور بے مثال عالم بھی تھے تمام علوم میں اللہ نے آپ کو مہارت عطا فرمائی تھی۔آپ کے اوصاف میں ایک خصوصی وصف یہ تھا کہ آپ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے، تواضع، شفقت اور رحم دلی، خیر خواہی، محبت واخلاص جیسے جذبات کوٹ کوٹ کر اللہ تعالی نے آپ کی ذات میں بھر دئے تھے، آپ کے یہاں کوئی چھوٹا بھی چھوٹا نہیں تھا سب کا احترام بڑوں کی طرح فرماتے تھے آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی تھی، نماز باجماعت کے انتہائی پابند تھے، جمعہ کو ہمیشہ کافی پہلے مسجد پہنچنے کا معمول تھا اور صلوۃ التسبیح، ہر جمعہ کو پڑھتے تھے، نماز اس طرح خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ اس سے بہتر کوئی نماز نہیں ہوسکتی، رکوع اور سجود میں کامل طمانینت، قیام کی حالت ایسی کہ جیسے ایک ذلیل اور ناتواں بندہ اپنی عرض ونیاز کرتا ہے، باطنی کمالات کے ساتھ حسنِ ظاہری، حسنِ صوت، حسنِ صورت، حسن سیرت سے بھی اللہ تعالی نے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا آواز آپ کی بلند وبالا مگر انتہائی دل کش تھی، گفتگو کا لب ولہجہ نہایت عمدہ اور اس پر حروف کی ادائیگی متزاد، کلام فرماتے تو ہر آدمی چاہتا کہ آپ بولتے رہیں اور ہم سنا کریں، تاہم درس کی تقریر انتہائی سادہ، غبی سے غبی طالب علم بھی استفادہ کرلیتا، وقار وسنجیدگی اور متانت آپ کے درس کا خصوصی امتیاز تھا مدت میں ایسے لوگ آتے ہیں اور جانے کے بعد یادگار بن جاتے ہیں۔

بیعت، اجازت و خلافت:

حضرت شیخ کو اپنے استاذ، مخصوص مربی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ سے خصوصی عقیدت ومحبت تھی کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ نہ فرماتے ہوں بعض مرتبہ تو عصر کے بعد مجلس میں شروع سے آخر تک حضرت مدنی کا تذکرہ رہتا حضرت مدنی کے مختلف واقعات سناتے حضرت مدنیؒ سے محبت اس قدر تھی کہ اگر کوئی حضرت مدنی کے اہل خاندان کو کچھ کہہ دیتا یا اس طرح کا مضمون اخبار میں پڑھتے تو آپ کو سخت رنج وملال ہوتا، بہر حال حضرت شیخ حضرت مدنیؒ کے عاشقِ صادق تھے، آپ حضرت مدنیؒ سے بیعت ہوگئے اور سلوک کے منازل طے کرتے رہے، آپ معمولات کو بڑی پابندی سے ادا فرماتے تھے، تلاوت، تسبیحات ونوافل کا اہتمام فرماتے، حضرت مدنیؒ کے انتقال کے بعد کسی سے آپ نے رجوع کیا یا نہیں، اس بارے میں ہمیشہ خاموش رہتے، کوئی ذکر نہ فرماتے تھے، اچانک ایک روز معلوم کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ مجھے اجازت وخلافت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے، حضرت قاری طیب صاحبؒ نے مجھے خلافت دی ہے اور مجازِ بیعت بنایا، میں نے عرض کیا حضرت! کبھی آپ نے اس کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ کسی کو اس بارے میں علم ہے؟ تو اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ بس آج تم کو بتادیا، مگر تم بھی کسی سے ذکر نہ کرنا اور میں نے آج تک کسی کو بیعت بھی نہیں کیا ہے مزید فرمایا کہ بھائی! میرا یہ مزاج نہیں ہے، یہ تو بڑے حضرات کی چیزیں ہیں

حضرت شیخ کی مجلس میں حضرت قاری طیب صاحب کا بھی بہت ذکر ہوتا تھا حضرت قاری صاحب کے علوم اور بزرگی کے آپ بے انتہا قائل تھے حضرت قاری صاحب کی تلاوتِ قرآنِ کریم اور لب ولہجہ کی بھی خوب تعریف کرتے، فرماتے تھے کہ آپ بے نظیر لہجے کے مالک وماہر تھے قاری صاحب کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ یہی تھی کہ آپ نہایت عمدہ قرآن کریم پڑھتے تھے جوانی کے عالم میں قاری صاحب محفلوں میں تلاوت بھی فرماتے تھے۔حضرت شیخ نے بتلایا کہ ہم نے قاری صاحبؒ کی تلاوت گلاؤٹھی میں اس وقت سنی جب قاری صاحبؒ کے چہرہ پر داڑھی بھی نہیں تھی۔

ذمہ داریوں سے سبکدوشی:

جب بیماریوں نے شدت اختیار کرلی تو حضرت شیخ نے معذرت کی تحریر پیش کردی، چنانچہ مجلسِ تعلیمی ربیع الاول ۱۴۲۹ھ میں آپ کی تحریر پیش ہوئی مجلسِ شوریٰ نے آپ کی درخواست قبول کر کے حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ العالی کو آپ کی جگہ متعین فرمادیا اور یکم جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ کی مجلسِ عاملہ نے حضرت موصوف کو سبکدوش کر کے پندرہ ہزار روپئے ماہانہ وظیفہ تاحیات جاری فرمادیا جو آخر تک چلتا رہا، محرم ۱۴۳۱ھ کے آخر میں ضعف بڑھ گیا اور ۱۹؍صفر بروز جمعرات مطابق ۴فروری ۲۰۱۰ء کی شب میں دو بج کر دس منٹ پر اپنے صاحب زادہ سے سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت سنی، اور قبلہ رو ہو کر اپنے رب حقیقی سے جاملے، ۹۶؍سال کی عمرِ طویل پائی، اور تقریباً پینسٹھ سال دارالعلوم دیوبند میں درس دیا، آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد پچاس ہزار سے بھی متجاوز ہے۔

نماز جنازہ اور تدفین:

بعد نماز ظہر احاطۂ مولسری میں آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی، استاذِ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، ہزاروں علماء، اساتذہ اور ذمہ داران مدارس، طلبہ اور عوام کے جمِ غفیر نے نماز میں شرکت کی، سخت اژدحام کی وجہ سے آپ کا جنازہ کافی دیر میں مزار قاسمی پہنچا، ہزاروں کی تعداد میں موجود عقیدت مندوں نے سوگوار اور پرنم آنکھوں سے مزارِ قاسمی میں آپ کو سپردِ خاک کردیا، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔آمین۔

پسماندگان:

پسماندگان میں پانچ صاحب زادے اور دو صاحبزادیاں ہیں ایک صاحبزادے اور دو صاحبزادیوں کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا، آپ کے صاحبزادوں میں کوئی عالم نہیں ہے جو آپ کا علمی وارث ہوتا حضرت کو ہمیشہ اس کا قلق رہا جس کا اظہار بھی فرماتے رہتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ بھائی سب مقدرات ہیں، ہر بچہ کو عالم بنانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوسکی، سب نے درمیان میں تعلیم چھوڑ دی، تاہم سارے صاحبزادے ماشاءاللہ حافظِ قرآن، نیک وصالح اور پابندِ صوم وصلوۃ ہیں، حضرت شیخ کے تین پوتے دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم ہیں، عزیزم محمد سعد، اور محمد طارق، درجۂ سوم عربی میں اور عزیزم محمد زہیر دینیات میں پڑھ رہے ہیں، حضرت کو ہمیشہ ان بچوں کی بڑی فکر رہتی تھی اللہ تعالیٰ ان بچوں کو عالم وعامل بنائے اور حضرت کی یادگار بنائے۔آمین۔

پسماندگان میں اہل خانہ کے علاوہ آپ سے فیض پانے والے ہزاروں علماء، فضلاء اور دارالعلوم دیوبند کے سبھی وابستگان ہیں، احقر راقم الحروف شفیق الرحمٰن بلندشہری بھی حضرت کے پسماندگان میں سے ہے، جس کے ساتھ حضرت شیخ نہایت مشفقانہ برتاؤ رکھتے، دارالعلوم دیوبند سے وابستگی کے بعد حضرت سے قرب احقر کے لئے نہایت سعادت مندانہ رہا، سفر وحضر اور آپ کی خصوصی مجالس میں آپ سے استفادے کا اللہ تعالیٰ نے بھرپور موقع عنایت فرمایا، حضرت شیخ کی وفات احقر کے لئے ایک ایسا عظیم سانحہ ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

خاموش ہوگیا ہے چمن بولتا ہوا

☆☆☆☆☆

اسلافِ دیوبند کے علمی ورثہ کے امین

مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

ڈاکٹر منور حسن کمال

دارالحدیث دارالعلوم دیوبند میں طلباء کا جمِ غفیر ساکت و جامد ہے اور علم کا بحرِ بیکراں رواں دواں ہے۔ الفاظ کی سبک روآواز سماعت میں رس گھول رہی ہے۔ یہ واقعہ کم و بیش اگرچہ ۳۱؍ برس پرانا ہے۔ لیکن لگتا ہے جیسے آج ہی کی بات ہو۔ دورانِ سبق کے واقعات متحرک منظر کی طرح آنکھوں کے سامنے آتے جارہے ہیں۔ اس احساس کی شدت دل کی اداسیوں میں اضافہ کرتی جارہی ہے کہ دنیا سے نابغۂ روزگار شخصیتیں مرحوم ہوتی جارہی ہیں، یکے بعد دیگرے علمی شخصیتوں کا اٹھ جانا ایک ایسا خلا ہے، جس کو پر کیا جانا کسی کے بس میں نہیں۔ ایسی ہی ایک عظیم المرتبت شخصیت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خاں کی تھی، جو اپنے لاکھوں معنوی فرزندوں کو یتیم و یسیر چھوڑ کر جہانِ فانی سے جہانِ بقا کی جانب کوچ کرگئی۔ جہاں وہ درسِ نظامی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، وہیں علمِ ہیئت پر بھی ان کی گہری نظر تھی ''رسالۂ فتحیہ'' پر ان کے پر مغز اور عالمانہ حواشی شاہد ہیں کہ انہیں اس فن میں مہارت حاصل تھی۔ ان کے بڑے بھائی مولانا بشیر احمد بھی اس فن میں طاق تھے۔ مدارس و مساجد میں جو طلوع و غروب کے نظام الاوقات نظر آتے ہیں، وہ انہی کے خاندان کی دین بتائے جاتے ہیں۔

مولانا نصیر احمد خاں مرحوم کی ۶۵؍ سالہ تدریسی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ علمِ حدیث کے اختصاصات سے خاص رابطہ رکھتے تھے۔ میدانِ حدیث میں نمایاں خدمات انجام دینے والی عظیم شخصیتوں میں حضرت شیخ الحدیث کا نام سنہری حرفوں میں درج ہے۔ شیخ الحدیث نے درسِ نظامی کی اکثر کتابیں پڑھائی ہیں۔ علمائے دیوبند کا تدریسِ حدیث کے لئے جو امتیازی طریقہ کار رہا ہے شیخ الحدیث نے اس کو تاعمر برقرار رکھا اور طلبہ کی ایسی ذہنی آبیاری کی کہ ان میں سے اکثر و بیشتر آج بڑے مدارس کے شیخ الحدیث ہیں اور اپنی خدمات سے طلبہ کو فیضیاب کررہے ہیں اور یہ فیضان اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے۔

رسالہ ''**المنار**'' کے مدیر علامہ رشید رضا مصری نے لکھا ہے۔ ہمارے بھائی ہندوستانی علما کی توجہ اس زمانہ میں علم الحدیث کی طرف نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا۔ کیوں کہ مصر، عراق، شام اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے چودہویں صدی کے اوائل تک یہ علم ضعف کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا۔ حدیث پڑھانے کا جو طریقہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا تھا، وہی طریقہ یہاں رائج تھا۔ حدیث کو تفکر و تدبر اور معانی و مطالب سے پڑھانے کا جو سلسلہ انہوں نے شروع کیا تھا، شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خاں کو اس کا آخری تاجدار کہا جاسکتا ہے۔ انہیں خصوصیات کی بنا پر دنیا بھر سے یہاں طالبانِ علومِ حدیث کے قافلے کے قافلے آتے اور اپنا دامن مراد بھر کر جاتے۔

شیخ الحدیث بلند شہر کے ایک قصبہ ''بسی'' میں ۲۱؍ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا گھرانہ دینی ماحول کا ایسا معتبر گھرانہ تصور کیا جاتا تھا، جہاں سے صبح و شام علم و معرفت کی ہوائیں فضاؤں کو معطر کیا کرتی تھیں۔

ان کے والد ماجد عبدالشکور خاں کے دینی جذبہ کا یہ عالم تھا کہ جب شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے تحریک ''ترکِ موالات'' کا اعلان کیا تو انہوں نے برطانوی استعمار کی ملازمت سے سبکدوش ہوکر کاشت کاری شروع کردی تھی۔

شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خاں نے اپنے بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خاں سے تعلیم حاصل کی، جو مدرسہ منبع العلوم قصبہ گلاوٹھی میں استاذ تھے۔ اس کے بعد جب وہ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند بحیثیت استاذ آئے تو وہ بھی ان کے ساتھ آگئے اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی وغیرہ سے علم حدیث و ادب میں دسترس حاصل کی۔ ۱۹۴۳ء میں دارالعلوم سے دورۂ حدیث کیا ۱۹۴۶ء، ۱۳۳۶ھ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت

استاذان کا تقرر ہوا۔ مولانا نے ابتدا میزان ومنشعب سے کی اور ۱۳۹۱ھ تک درسِ نظامی کی دیگر کتابیں جیسے شرحِ جامی، مختصر المعانی، تلخیص المفتاح، جلالین شریف وغیرہ پڑھاتے رہے، بیک وقت درس نظامی پر اتنی گہری بصیرت رکھنے والی شخصیت فی الحال کوئی نظر نہیں آتی، پھر ۱۳۱۹ھ سے ۱۳۹۷ھ تک حدیث کی دیگر کتابیں ''سنن ابوداؤد، مؤطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف، ترمذی شریف اور مسلم شریف'' وغیرہ کا درس دیا۔ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں بخاری شریف پڑھانے کی سعادت حاصل کی اور اپنے انتقال سے دوڈھائی برس قبل تک بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ اس زمانے میں وہ بخاری شریف کی جلد ثانی پڑھایا کرتے تھے۔

دورانِ تعلیم کا ایک واقعہ میں کیسے بھول سکتا ہوں کہ میں انکے درس میں عموماً بہت پیچھے بیٹھا کرتا تھا، جہاں عام طور پر تعلیم سے کم رغبت رکھنے والے طلبہ بیٹھتے ہیں۔ عموماً ایسا ہوتا جب شیخ الحدیث (اللہ ان کے درجات بلند کرے) تشریف لاتے تو کتابوں میں غرق رہنے والے طلبا اگلی صفوں میں بیٹھنے کی کوشش کرتے۔ ایک دن جیسے ہی میرا ان سے سامنا ہوا میں نے سلام کیا۔ انہوں نے ایک بھرپور نگاہ مجھ پر ڈالی، زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میں سہم گیا، اتنا سہم گیا کہ اب شیخ صاحب دورانِ سبق یقیناً مجھے تنبیہ کریں گے کہ میں اسباق میں دلچسپی نہ لے کر کیوں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں، لیکن میری حیرت واستعجاب کی انتہا نہ رہی کہ حضرت شیخ نے اس موضوع پر کچھ خطاب نہیں کیا، لیکن یہ ہوا کہ اب اس کے بعد میں بھی اگلی صفوں میں بیٹھنے کی کوشش کرتا اور حتی الامکان سبق کو ذہن نشیں بھی کرتا۔ اس کے بعد میں نے اسباق کو قلم بند کرنا شروع کردیا، جو میرا سرمایہ تھا اور اس سے میں نے بہت فیض حاصل کیا۔

وہ ایک ایسے عالم تھے جو ہمیشہ مثبت اور مستحکم گفتگو کرتے تھے۔ ہر سطح کا طالب علم اسباق بآسانی سمجھ لیتا اور اس کے اندر تفہیم حدیث کی وہ صلاحیت پیدا ہوجاتی کہ وہ علمِ حدیث کی باریکیاں سمجھنے پر قادر ہوجاتا۔ یہ شیخ الحدیث کی رحم دلی کی زندہ مثال ہے۔ ورنہ عموماً اساتذہ کھلنڈر طلبہ کو موقع بے موقع ڈانٹنے سے گریز نہیں کرتے، جس سے طلبا میں اصلاح کی بجائے بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے۔ ان کی ایک نظر نے میری ایسی اصلاح کی کہ دوسرے اساتذہ کے اسباق پر بھی میری توجہ بڑھ گئی۔ ایسے تھے استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان۔

شیخ الحدیث عموماً تنازعات سے دور ہی رہتے۔ وہ ہمیشہ یکسو ہوکر دارالعلوم کی خدمت میں لگے رہے۔ تواضع اور حلم ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ نرم گفتاری ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث، نائب مہتمم اور صدر مدرس کے عہدوں پر رہتے ہوئے کبھی انہوں نے وہ زعم نہیں دکھایا جو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے ہی انسانی کمزوری کے طور پر عیاں ہوجاتا ہے۔ وہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے خصوصی شاگردوں میں تھے، وہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ سے بیعت تھے لیکن انہوں نے پیری، مریدی سے بچنے میں ہی عافیت محسوس کی عموماً کہا کرتے تھے بچو! یہ میرا مزاج نہیں ہے۔ میں اپنے مزاج کے خلاف کام نہیں کرسکتا۔

ساتھی اساتذہ بھی ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور ان کی باتیں توجہ سے سنتے تھے۔ ذمہ دارانِ دارالاقامہ کو جو ہدایات دینی ہوتی تھیں اتنی حلیمی سے دیتے تھے کہ وہ دارالاقامہ کے کام بحسن وخوبی انجام دیتے رہتے تھے۔ اپنی متانت اور سنجیدگی کے سبب علم وفضل کا یہ بحر بیکراں تمام طبقات میں انتہائی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا شیخ الحدیث صاحب ہمارے اسلاف کی ان آخری نشانیوں میں سے تھے جنہوں نے اکابر کے سنہرے اقدار کی آخری عمر تک پاسداری وپاسبانی کی۔

اس میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ شیخ الحدیث نے دارالعلوم دیوبند کے مقاصد یعنی علم ومعرفت کے فیض کو عام کرنے میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ بزرگان دین اور علمائے حدیث کے سچے پیرو کی طرح درسِ حدیث دیتے رہے اور اپنے خصوصی استاذ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی علمی میراث کو طلبہ میں منتقل کرتے رہے۔

شیخ الحدیث میں بے شمار خوبیاں تھیں اور انہی خوبیوں کی وجہ سے طلبہ اور اساتذہ دونوں ہی میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی وفات سے علمی دنیا میں خلا سا پیدا ہوگیا ہے۔ خدا انہیں غریق رحمت کرے۔ آمین۔

نمونۂ سلف ، استاذ الاساتذہ

حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتی عمران اللہ قاسمی

دنیوی زندگی ایک گزرگاہ کے مانند ہے جس میں ابتدائے آفرینش سے لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، یہاں جو بھی آتا ہے۔ وہ جانے کیلئے ہی آتا ہے ہر وقت ہر جگہ اور ہر موسم میں زندہ لوگوں کا ایک ہی لمحہ میں مردہ ہو جانا، اپنے متعلقین سے منہ موڑ لینا اور پھر کبھی واپس نہ آنا یہ ایک ایسا عام واقعہ بن گیا ہے۔ جس کی طرف عموماً توجہ مرکوز نہیں ہوتی، لیکن بسا اوقات اپنوں کے بیچ سے رخصت ہو کر دنیا سے منہ موڑنے والا ایسا انسان ہوتا ہے جس کی زندگی دوسروں کے لئے مفید ہوتی ہے، ذاتی افادیت اور بلند اخلاق کی بدولت عوام الناس کے دل اس کی عظمت و عقیدت سے معمور ہوتے ہیں۔ تو دنیا والوں کو اس کے چلے جانے کا غم ہوتا ہے اور اس کو کھو دینے کے بعد اس کی قدر و قیمت کا احساس زیادہ ہوتا ہے وہ اپنے پیچھے یادوں کا ایک تسلسل چھوڑ جاتا ہے وہی وابستہ یادیں متعلقین کے لئے سامان سکون اور عبرت و موعظت کا عنوان بن جاتی ہیں۔

۱۹؍صفر بروز جمعرات مطابق ۴ فروری ۲۰۱۰ء کو ایک ایسا ہی عظیم سانحہ پیش آیا جس کو فضلائے دار العلوم دیوبند اور وابستگانِ دار العلوم شاید ہی کبھی بھلا سکیں، اس روز استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند عالم فانی سے کوچ کر گئے، جن کے چلے جانے سے علماء و فضلا کا بڑا طبقہ سوگوار ہو گیا، اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو کروٹ کروٹ چین و سکون نصیب فرمائے، اور درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

جب بندہ ابتدائی درجات کا طالب علم تھا تو اپنے اساتذہ اور دیگر متعلقین کے ذریعہ حضرت والا کے تعارف سے کان مانوس ہو چکے تھے وہ حضرات مختلف مجالس میں حضرت والا کا ذکر خیر کرتے رہے اور متعدد اوصاف گناتے رہتے تھے پھر ۱۹۹۶ء میں جب بندے کا مادرِ علمی دار العلوم دیوبند میں داخلہ مقدر ہوا اور دیوبند تک رسائی ہوئی تو قدیم غائبانہ تعارف کیوجہ سے حضرت والا کی زیارت کا شوق جو دل میں پنہاں تھا، وہ حضرت والا کی زیارت کا متمنی بنائے رکھتا اسی زمانے میں ایک روز احاطہ مولسری میں زیارت ہوئی، جب حضرت والا بخاری شریف کا درس دینے کے لئے طلبہ کے عقیدت مندانہ جھرمٹ میں گھرے ہوئے اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ دار الحدیث کی جانب رواں دواں تھے، یہ پہلی زیارت ہی عقیدت و محبت میں اضافہ کا سبب بن گئی بعد میں حضرت کی نیک نفسی، شرافت و وضع داری، مہربانی و شفقت کی بنا پر عقیدت و محبت فزوں تر ہوتی چلی گئی۔

بلند شہر سے شمالی جانب تقریباً ۴۵ رکلومیٹر کی دوری پر پٹھان برادری پر مشتمل چند آبادیاں ''بارہ بستی'' کے نام سے موسوم ہیں انہیں میں ''بسی'' نام کے ایک گاؤں میں ۲۱ رربیع الاول ۱۳۳۷ھ کو گہوارۂ ہستی میں آپ نے آنکھیں کھولیں ابھی بچپن کی وادیوں کو بھی عبور نہ کر سکے تھے کہ والد محترم جناب عبد الشکور خان صاحب داغِ مفارقت دے گئے اور اب آپ شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے، اس کے بعد برادرِ محترم اور والدۂ محترمہ کی نگہداشت میں تعلیم و تربیت کے مراحل طے ہونے لگے، تعلیم کے ابتدائی مراحل میں ہی والدہ محترمہ کی جدائی کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا، بعد میں بڑے بھائی ہی مربی و نگراں تھے اور انھیں کی نگرانی میں تعلیم و تربیت کے مراحل مکمل کرنے اور عظیم المرتبت اساتذہ سے علوم و فنون میں مہارت و کمال حاصل کرنے کے بعد آپ ۱۳۶۵ھ میں دار العلوم دیوبند کے استاذ مقرر ہو گئے، مسندِ درس پر جلوہ افروز ہونے کے بعد آپ کے عملی جوہر دکھانے اور فیضانِ علمی سے تشنگانِ علوم کو سیراب کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، آپ سے علمی فیض اٹھانے والوں اور شرف تلمذ حاصل کرنے والوں کا جو سلسلہ ۱۳۶۵ھ سے شروع ہوا اس کو عند اللہ مقبولیت ملی اور طالبانِ علوم میں اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اس سلسلہ میں اضافہ ہی ہوتا گیا تعداد دن بدن بڑھتی گئی، چنانچہ اخیر عمر تک کے تمام مستفیدین کی تعداد پچاس ہزار سے بھی متجاوز ہو گئی تھی، آپ کی علوم اسلامی میں کامل دستگاہ اور علم حدیث سے خصوصی مناسبت، خلوص وللّٰہیت، ورع و تقوی، صالحیت و نیک نفسی، چھوٹوں

کے ساتھ شفقت و پیار کا معاملہ یہ سب ایسے امور تھے جن کی وجہ سے ہر متعارف آپ سے عقیدت و محبت کرنے لگتا اور آپ سے انتساب کو اپنے لئے باعث فخر گردانتا تھا آپ کی ذات والا صفات متعدد خوبیوں اور عمدہ صفات کا مجموعہ تھی ہم جیسے خردوں اور ناسمجھوں نے بھی آپ کی ذات اور آپ کی روزمرہ کی زندگی میں چند ایسی باتیں دیکھیں جو آپ کا وجہ امتیاز ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی مقبولیت کا بھی سبب تھیں اور آنے والی نسلوں کیلئے نمونۂ عبرت و موعظت ہیں۔

اسباق کی پابندی:

کسی بھی کامیاب مدرس کیلئے درس گاہ میں حاضر ہو کر پابندی سے اسباق پڑھانا نہایت ناگزیر اور ضروری ہوتا ہے حضرت والا اس وصف میں نہایت ممتاز تھے خود بھی اسباق کی پابندی کا لحاظ کرتے، احقر نے دورۂ حدیث شریف کے سال نہایت نزدیک سے بکثرت اس کا مشاہدہ کیا کہ حضرت والا وقت سے پہلے ہی گھنٹہ کیلئے تیار نظر آتے اور وقت ہوتے ہی اپنی مخصوص بیت ہاتھ میں لیتے اور مخصوص و باوقار رفتار سے احاطۂ مولسری سے گزرتے ہوئے دارالحدیث پہنچ جاتے، بلا عذر بیماری کے دیر حاضری اور غیر حاضری کا حضرت والا کے یہاں سوال ہی نہ تھا، حضرت والا سفر بہت کم کرتے تھے بلکہ اخیر عمر میں اسفار بالکل موقوف تھے، اس لئے عدمِ حاضری کا امکان ہی نہ تھا اگرچہ نہایت مصروفیت یا شدید عذر کی بناء پر کبھی کبھی درس موقوف ہوجاتا ورنہ حتی الامکان اسباق کی پابندی کرتے اور اپنے چھوٹوں کو بھی اس کی تلقین کرتے، جس سال احقر دارالعلوم دیوبند میں معاونت تدریس کی خدمت پر مامور تھا، اس وقت تعلیمی سال کے آغاز میں منعقد ہونے والی اساتذہ کی میٹنگ میں احقر کو شرکت کا موقع ملا، دارالعلوم دیوبند کے سبھی چھوٹے بڑے اساتذہ تشریف فرماتھے حضرت والا بھی بحیثیت صدر المدرسین تشریف فرما تھے حسب معمول آپ نے اساتذہ کرام سے مخاطب ہو کر بطور رہنمائی کے چند باتیں بیان فرمائیں جس میں اسباق کی حاضری اور ذمہ داریوں کی ادائیگی میں امانت و دیانت کا پاس ولحاظ رکھنے کی تلقین فرمائی اس وقت حضرت کا انداز نہایت اچھوتا اور پیار بھرا تھا جو ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی آج تک ذہن کے ریکارڈ میں محفوظ ہے، حضرت کی اسباق کی پابندی حضرت کے تمام مستفیدین کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے جس کو اپنانے کی آج کے زمانے میں نہایت سخت ضرورت ہے۔

اساتذۂ کرام اور مادر علمی سے محبت و عقیدت:

آپ مادرِ علمی اور اساتذۂ کرام سے نہایت والہانہ تعلق رکھتے تھے ان سے محبت و عقیدت کا اظہار کرتے رہتے، مجلسوں میں ان کے محبت بھرے واقعات سناتے رہتے اپنے اساتذہ میں قاری بہادر خاں صاحبؒ جو حضرت کے حفظ کے استاذ تھے کا تذکرہ نہایت کثرت سے کرتے، ان کی تعریف میں بہت رطب اللسان رہتے، اسی طرح اپنے استاذ تجوید جناب حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ کا بھی کثرت کے ساتھ ذکر کرتے ان سے بہت محبت و عقیدت کا اظہار کرتے، اپنے اساتذہ میں آپ کو سب سے زیادہ عقیدت و محبت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ سے تھی کیوں کہ وہی آپ کے مربی و مصلح بھی تھے، اس لئے آپ ان کو محسن مانتے اور ہر لمحہ ان کی ممنونیت کا اظہار کرتے ہمیشہ اٹھتے بیٹھتے، اور عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت مدنی کا نہایت ہی عقیدت مندانہ تذکرہ کرتے، ان کی عظمت و کردار اور ان کے مجاہدوں کو بیان کرتے، اسباق میں بھی بسا اوقات حضرت مدنی کا تذکرہ کرتے، حضرت والا سے بخاری شریف کا درس لینے والے طلبہ گواہ ہیں کہ آپ اپنے اساتذہ کے نام القاب وآداب اور ان کے مراتب کی رعایت کے ساتھ اس طرح لیتے جس

سے پورا احترام جھلکتا، اور جب بھی حضرت مدنی کی قربانیوں اور مجاہدوں کا تذکرہ کرتے تو آواز پر رقت کا غلبہ ہوجاتا، آنکھیں نم ہوجاتیں، ہر ہر طالب علم صاف طور پر اس کو محسوس کرتا، آپ اپنے استاذ حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خوب تذکرہ کرتے جس سے عقیدت کا اظہار ہوتا تقریباً سبھی اساتذہ اور محسنین کا تذکرہ رہتا، اساتذہ کے تذکرہ کے ساتھ دارالعلوم کے ساتھ موجودہ حالات کا بھی تذکرہ رہتا، دارالعلوم دیوبند چونکہ آپ کا مادرِ علمی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا میدان علمی بھی تھا، آپ نے زندگی کے بیشتر ایام دارالعلوم دیوبند سے وابستگی اور اس کی خدمت میں ہی گزارے تھے، اپنے شباب سے شیب تک کا زمانہ مادرِ علمی کی آغوش میں ہی بسر کیا تھا، اس وجہ سے آپ کو اپنے مادرِ علمی سے نہایت درجہ محبت تھی، تدریس کے ساتھ دیگر ذمہ

داریوں اور انتظامی امور میں دلچسپی لیتے، نہایت خوش اسلوبی سے ان ذمہ داریوں کو نبھا کر اپنے اسلاف کی روایات کی یاد تازہ کر دیتے، طلبہ کے درمیان دارالعلوم سے متعلق ہمیشہ اس انداز کی گفتگو کرتے جس سے ان کے دلوں میں دارالعلوم کی محبت اور عظمت ووقار قائم ہو جاتا، مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند پر متعدد حالات آئے جو دارالعلوم اور پوری امت کیلئے باعث اذیت تھے، ایسے حالات میں حضرت نے ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کے مفاد کو ترجیح دی اور ساتھ ہی اپنے اکابر واساتذہ کی عظمت کا پورا پاس ولحاظ رکھا۔

فنِ ہیئت سے خصوصی دلچسپی:

درسِ نظامی میں شامل تمام علوم وفنون پر آپ کو مکمل مہارت اور کامل دستگاہ حاصل تھی، دورانِ تدریس آپ نے ہر فن کی چھوٹی بڑی متعدد کتابیں پڑھائیں تھیں مگر آپ کو فنِ ہیئت سے خصوصی مناسبت تھی جب تک یہ فن داخلِ درس تھا اس فن کی کتاب آپکے زیر درس رہتی، آپ سے اس فن کا استفادہ کرنے والے چند حضرات اب بھی بقیدِ حیات ہیں اور اس فن سے متعلق حضرت کی دلچسپی اور مہارت کے معترف ہیں بعد میں جب درسِ نظامی میں جزوی تبدیلی کے دوران اس فن کو نصاب سے خارج کر دیا گیا تو آپ کا فنِ ہیئت کا درس بھی موقوف ہو گیا مگر اس فن سے دلچسپی برقرار رہی، آپ اس فن کی خصوصیات اور ضرورت کو بیان کرتے اگر کبھی مجلس میں یا درس میں احوالِ فلکیات کا ذکر آ جاتا، سورج گرہن اور چاند گرہن، دن رات کی تبدیلی کی بات چھڑتی تو حضرت والا فنِ ہیئت کی روشنی میں گفتگو فرماتے اور حاضرین خوب محظوظ ہوتے، ایک مرتبہ احقر اپنے چند مہمانوں کے ہمراہ بعد نماز عصر حضرت والا کی مجلس میں حاضر تھا، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے حضرت مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری مفتی دارالعلوم دیوبند ایک استفتاء لیکر حاضر ہوئے جو لندن میں ہلال عید سے متعلق تھا (یہ مسئلہ کافی اختلاف کا موضوع رہتا ہے) ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب کوئی دوسری تحریر بھی لئے ہوئے تھے، جس میں طلوعِ قمر اور غروبِ قمر سے متعلق کچھ ضابطے لکھے تھے، حضرت مفتی محمود حسن صاحب نے وہ استفتاء سنایا پھر وہ ضابطہ سنا کر حضرت شیخ سے اطمینانی جواب چاہا، اس وقت حضرت نے جو فنی گفتگو فرمائی اس سے حاضرین کو کافی اطمینان ہوا، حضرت اس فن کی ضرورت اور دلچسپی کی وجہ سے دوبارہ اس فن کو داخلِ درس کرنے کے مؤید تھے۔

دارالعلوم سے طویل وابستگی:

دارالعلوم دیوبند سے آپ کی طویل المدت وابستگی آپ کا ایسا امتیاز ہے، موجودہ زمانہ میں جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور زمانہ ماضی میں بھی شاید ہی اس قدر طویل المدت وابستگی کسی کو نصیب ہوئی ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ وہ سعادت وفضیلت ہے جو ہر کسی کو میسر نہیں ہوتی۔

''ایں سعادت بزور بازو نیست''

تقریباً ۶۵ رسال تک تو آپ مسند درس پر جلوہ افروز ہو کر فیضانِ علم وہدایت کے گوہر لٹاتے رہے، اگر اس مدت میں تحصیلِ علم کی مدت بھی ملائی جائے تو تقریباً ۷۰ رسال ہو جاتے ہیں جو موجودہ زمانہ کے اعتبار سے نہایت طویل مدت ہے آج کے موجودہ زمانہ ساٹھ یا ستر سال کے سفر میں آدمی دنیا سے عموماً رخصت ہو جاتا ہے، خال خال لوگوں کو ہی اس قدر طویل عمر اور طویل خدمت کا موقع ملتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو عمر طویل عنایت فرمائی اس کا بیشتر حصہ علومِ اسلامیہ کی نشر واشاعت میں ہی صرف ہوا، آج دارالعلوم دیوبند میں چھوٹے بڑے سبھی اساتذہ تقریباً آپ کے شاگرد ہیں بلکہ ہندوستان میں موجودہ علماء کرام کا اکثر طبقہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کا فیض یافتہ ہے ملک وبیروں ملک آپ کے فیض یافتگان کثیر تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں جو علوم دینیہ کی خدمات میں مصروف ہیں، ان سب کیلئے آپ اکابر اسلاف کے سچے نمونہ اور ان کے روایات کے صادق پاسبان تھے۔

انداز گفتگو:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر وباطن ہر طرح کی خوبیوں سے نوازا تھا، حسنِ سیرت، حسنِ صورت کے ساتھ حسنِ صوت سے بھی وافر حصہ آپ کو عطا ہوا تھا، عمر کی درازی، ضعف ونقاہت کے باوجود آواز اس قدر بلند، صاف ستھری اور سنجیدگی لئے ہوئے تھی کہ سننے والا گرویدہ ہو کر رہ جاتا، درسِ حدیث کے دوران اگر کبھی بجلی بھاگ جاتی تب بھی آپ کی آواز تمام طلبہ تک پہنچتی رہتی اور ہر طالب علم اس کو بآسانی سنتا، آپ اپنی آواز سے ہر جگہ پہچانے جاتے، طلبہ

یا اساتذہ سے گفتگو نہایت وقار و محبت بھرے انداز میں کرتے آپ کے بولنے، گفتگو کرنے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، آپ کے ہر ہر عمل سے عظمت و وقار جھلکتا، اخیر عمر میں پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود مسلسل دو تین گھنٹہ درس دیتے تھے، دورانِ درس آپ کی نشست نہایت باوقار اور عالمانہ ہوتی، حسب موقع نصیحت اس انداز سے فرماتے کہ سننے والا آپ کی عظمت کا قائل ہو جاتا، آج آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی یہ صفات ہم سب کیلئے مشعلِ راہ ہیں، اللہ تعالی آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، اور ہم لوگوں کو آپ کی ہدایات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

مولانا نصیر احمد خاں صاحب

نسیم اختر شاہ قیصر

استاذ دارالعلوم (وقف) دیوبند

علم مستقل اپنے ٹھکانے بدلتا اور دولت گردش میں رہتی ہے یہ دونوں چیزیں کسی کی اجارہ داری قبول نہیں کرتیں نہ علم کو سکون نہ دولت کو قرار، دونوں کے پیروں میں چکر آج کسی کے گھر کی رونق تو کل کسی کے گھر میں اجالا، دونوں اپنے مزاج اور فطرت کے اعتبار سے تغیر پذیر یعنی آج کسی پر مہربان تو کل کسی کے گلے کا ہار، ہندوستان کی علمی تاریخ میں بہت سے خانوادے وہ جن کی علمی شہرتوں کا سورج برسہا برس سوا نیزے پر ہی رہا اور کچھ خاندان وہ جہاں علم تھوڑے دن رکا اور آگے بڑھ گیا ایک نسل کے بعد بہت بار تو یہ دیکھا گیا کہ علم تو کیا تہذیب، گفتگو، طرز زندگی اور نشست و برخاست کسی سے بھی یہ نہیں جھلکتا کہ یہ اتنے بڑے علمی خاندان کے فرد ہیں یا ان کے بڑے اس مقام اور اس درجہ کے تھے علم سے مکمل دوری بلکہ قطع تعلق چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھ لیجئے کہیں بھی یہ احساس نہیں جاگتا کہ یہ کسی علمی خاندان کے فرد ہیں علم رخصت ہوا تو پھر اس گھر اور دہلیز کی جانب نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، دولت آئی بے پناہ برسی، آنکھیں چکا چوند ہو گئیں، دور دور تک اس کے اثرات اور نشانات واضح، ایک نسل یا چند نسلوں تک دولت نے اپنے جلوے بکھیرے اور آگے بڑھ گئی۔

پھر اسی میں یہ تقسیم بھی کر لیجئے کہ ہر کوئی پیدائش سے عالم یا فاضل نہیں گم نام خاندان سے تعلق نہ کوئی شناخت اور پہچان اس خاندان کا کوئی فرد علمی راہوں پر چلا ذاتی محنت، مسلسل مطالعہ اور تکرار اور کردار وعمل کا تحفظ وظیفۂ زندگی بن گیا یعنی خود کو مکمل طور پر علم کے سپرد کر دیا تو علم نے بھی اپنے بازو پھیلا دیئے مقبولیت، مرجعیت اور شہرت کے دروازے کھل گئے پھر چند قدم ہی چلے اور قصہ تمام نہ کسی کی زبان پر ان کا نام اور نہ کسی مجلس میں ان کا تذکرہ، ایسے ہی کوئی نہ جدی رئیس محنت کی، جدوجہد کی انتہاء کر دی اور راحت وآرام کو برسوں کے لیے خیر باد کہہ دیا نتیجہ ظاہر کہ دولت اس گھر کی باندی بن گئی مگر جب سب کچھ تلپٹ ہوا تو نہ علم رہا اور نہ دولت۔

دارالعلوم دیوبند مختلف جہات اور سمتوں میں اپنی خدمات اور کارناموں سے جانا جاتا ہے دفتری نظام الگ اور جداگانہ موضوع ہے مگر یہاں ہمارا منشا درس وتدریس سے وابستہ افراد کا تذکرہ مقصود ہے گذشتہ ایک سو پچاس سال یعنی ڈیڑھ صدی کے اس طویل عرصہ میں ہزاروں صاحب فضل وکمال افراد اس کی گود میں پرورش پا کر دنیا بھر میں پھیل گئے اور کچھ اللہ کے فضل سے مادر علمی کی علمی خدمت پر مامور ہوئے اور ناموری حاصل کی کتنے گوہر آبدار ہیں جن کا تذکرہ کئے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں مگر اس وقت ہماری نگاہوں کا مرکز استاذ محترم حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی شخصیت ہے جو اپنی ذات میں علم اور عمل کا ایسا سنگم ہے کہ جن زندگی ہر سمت سے اجلی اور روشن ہے دارالعلوم دیوبند میں پچاس سال سے زائد تدریسی خدمات انجام دینے والا یہ انسان گھر سے دارالعلوم اور دارالعلوم سے گھر کے درمیانی راستے میں ہی آتا جاتا دکھائی دیتا رہا گو نیابت اہتمام کی ذمہ داری بھی سالہا سال نبھائی مگر بنیادی طور پر ان کا میدان ومیلان تدریس ہی رہا سنجیدہ، بردبار، متین، خاموش طبع، پوری دیانت کے ساتھ اپنے کاموں کو انجام دینے کی لگن، بخاری جلد اول ہمیشہ ان سے متعلق رہی اور انہوں نے اس کا حق خوب خوب ادا کیا کوئی دوسری مصروفیت اور دلچسپی ایسی نہیں جہاں ان کا وقت گذرے دفتر اہتمام یا دارالحدیث ان کی علمی اور عملی جولانیوں کا مرکز، نہ اسفار، نہ تقریر وخطابات، عوامی پہچان سے کوسوں دور، اتنے عزلت پسند اور گوشہ گیر کہ اگر نہ بتایا جائے کہ یہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث ہیں تو ان کے بارے میں بہت سے بے خبر۔

ان کی زندگی ایک خاص رنگ اور قالب میں ڈھلی ہوئی اس رنگ سے باہر قدم نکالنا اور اس قالب سے ہٹ کر کسی دوسری دنیا سے تعلق قائم کرنا انہیں منظور نہیں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ جیسے اساطین علم کے قدموں میں بیٹھ کر علمی مراحل طے کئے کچھ وقت دوسرے مدرسوں میں تدریسی خدمت انجام دینے کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے اور

اس طرح دارالعلوم سے وابستہ ہوئے کہ طویل زمانہ گذر گیا کہیں اور پلٹ کر نہیں دیکھا ابتدائی کتابوں سے لے کر انتہائی کتابوں تک کامیاب تدریسی سفر رہا اور آخر منزل بخاری شریف قرار پائی میرے علم، خیال اور اندازہ کے مطابق ۳۵/سال سے زائد بخاری شریف کا درس دیا اس عرصہ میں آپ کے ہزارہا شاگرد ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے مدارس میں پہنچ کر اپنے استاذ کا نام روشن کر رہے ہیں اور یہ ایک ایسا صدقۂ جاریہ ہے جو ان شاء اللہ العزیز قیامت تک باقی رہے گا۔

احقر کو ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادت حاصل ہوئی سبق ان کا آسان اور سہل، طلبہ کی فہم اور سمجھ کے بے حد قریب، ایک خاص انداز میں گفتگو کا آغاز، ٹھہرا ہوا اور پرسکون لب ولہجہ، تقریر نہ طویل اور مختصر، کتاب کا حق ادا کرنے کا جذبہ اور جنون، ہاں جہاں ضرورت ہوتی وہاں طویل گفتگو سے احتراز بھی نہیں سلجھے ہوئے انداز میں درس دیتے اور طلبہ پورے طور پر مطمئن، تقریر ان کا میدان نہیں اسٹیج پر شاذ و نادر ہی نظر آتے اور بہت کم مواقع ہیں جب خوش قسمتوں کو ان کی تقریر سننے کا شرف حاصل ہوا ہو، میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مولانا تنہائی پسند ہیں اور بھیڑ بھاڑ سے دور ہی رہتے ہیں خرابئ صحت کی وجہ سے تدریس سے بھی دور ہوگئے اور اس طرح ایک علمی نقصان ہوا مگر مولانا عمر اور صحت کی جس منزل میں ہیں وہاں اس سلسلہ کو باقی رکھنا بھی بے حد مشکل تھا وہ نیک خو، نیک طبع انسان ہیں اور زندگی بھر ان کا یہ امتیاز قائم رہا جو حدود انہوں نے اپنے لیے متعین کی تھیں ان حدود سے کبھی باہر نکل کر نہیں جھانکا، قدیم اقدار اور پرانی روایتیں جن لوگوں کے دم سے زندہ ہیں یا جو لوگ نمونہ کے طور پر باقی رہ گئے ہیں ان میں مولانا مدظلہ کا نام بھی شامل ہے بہت سے اصحاب علم وفضل اور ارباب کمال کو انہوں نے دیکھا ان کی عادات، معمولات کا قریب سے مشاہدہ کیا اور خود کو اسی سانچہ میں ڈھال لیا عمر بھر اسی پر کاربند رہے یہ بڑی بات ہے کہ آدمی اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں اتنا منہمک اور مستعد ہو ان کی ذات اور شخصیت پر بہت کچھ لکھا جا سکتا اور بہت سے پہلو ہیں جن پر خامہ فرسائی کی جا سکتی ہے مثلاً انہوں نے تصنیف وتالیف کے کاموں کو ہاتھ نہیں لگایا کوئی کتاب ترتیب نہیں دی کسی کتاب کی شرح نہیں لکھی اور نہ ان کے افادات ہی منظر عام پر آئے یہ ایک بڑا خسارہ ہے شاید اس کی تلافی کا وقت بھی گذر چکا جماعت دیوبند کے جو افراد اس وقت ۸۰/سے اوپر کے لپیٹے میں ہیں ان میں مولانا مدظلہ کا نام فہرست اول میں ہے خدا ان کی عمر دراز فرمائے اور صحت وعافیت عطا کرے کہ وہ دارالعلوم دیوبند کی تدریسی زندگی کا ایک خوبصورت عنوان رہے ہیں۔

شیخ نصیر احمد خان

علم حدیث کے کوہ ہمالہ تھے

از: سہیل اختر قاسمی

عظیم دینی و مذہبی دانشگاہ مادر علمی دار العلوم دیوبند کی مسند حدیث پر ۳۲ سال سے براجمان رہنے والے، علم حدیث کے کوہِ ہمالہ اور درسِ نظامی کے ماہر مخصص سابق شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خاں صاحب پرسوں رات ہمیشہ کے لئے دار فانی کو سدھار گئے ہیں۔ خاں صاحب کی وفاتِ پر حسرت کی خبر نے سچ مچ ان دلوں کو دہلا دیا ہے جن میں علمِ حدیث کی عظمت کے ساتھ اس کی درایت کی صفات ہوتی ہیں۔ علمِ حدیث تو قدسی علم ہے، اس کا ربط کسی خاص مکتبِ فکر یا مسلک سے نہیں ہوتا اور نہ کسی نظریہ سے، علم کا نظریہ مشترکہ طور پر سب کے لئے قابلِ افتخار و اعتزاز ہوتا ہے، خصوصاً علمِ حدیث جس کی عظمت و حیثیت مانندِ قرآن مسلم ہے۔

علم حدیث پر گہری نظر، اس کی تدریس و مطالعہ کا وسیع تجربہ، اس کے اختصاصات پر کامل واقفیت اور اسکے عروض و آہنگ سے گہری مناسبت رکھنے والے عالمِ دین حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب کے انتقال سے علمی حلقوں میں ایک سن کر دینے والی خاموشی پائی جارہی ہے۔ میدان حدیث میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے چہروں کی لکیریں غم و حزن سے سرخ ہو چکی ہیں، خصوصاً طالبین و دارسین ایک ایسے آبشار سے محروم ہو چکے ہیں جس کے ہر قطرہ میں علم حدیث کی بو، پاکیزگی اور نفاست جھلکتی تھی، جس کا ہر سیل علمی لطافتوں اور فنی و فقہی تجربات کی عکاسی کرتا تھا اور اس کا واقعی قلبی سرور کے لئے کافی ہوا کرتا تھا۔

حضرت مرحوم کو تدریس و تعلیم کا پچاس سالہ تجربہ تھا وہ واحد ایسے شخص تھے جنہیں درسِ نظامی کی ہر کتاب پر اختصاص حاصل رہا تھا، حضرت شیخ جہاں علوم و معارف کے تاجور تھے وہیں صلاح و تقوی اخلاق و کردار اور عادات و اطوار میں بدرِ کامل بھی تھے۔ حضرت مرحوم ۱۳۳۵ھ میں بلند شہر کے ایک قصبہ "بسی" کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد باوجود اس کے کہ وہ انگریزی فوج کے اعلی منصب پر فائز تھے، علماء نواز اور مولانا خلیل احمد امبیٹھوی کے مرید تھے، انکے والد ماجد عبد الشکور خاں دینی غیرت اور اس پر جان و مال قربان کرنے کا جاں نثارانہ جذبہ رکھتے تھے۔ ان کے دینی جذبہ کا یہ عالم تھا کہ حضرت شیخ الہند کے ''ترکِ موالات'' کے اعلان کے بعد وہ انگریزی ملازمت سے ہمیشہ کے لئے سبکدوش ہو کر کاشت کاری میں لگ گئے۔ والدہ بھی انتہائی پارسا اور نیک طبیعت تھیں۔ حضرت شیخ نے از اول تا آخر تعلیم اپنے برادرِ کبیر مولانا بشیر احمد خاں صاحب (جو کہ اس وقت مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مدرس تھے) کے پاس حاصل کی، بعد ازاں جب ۱۳۶۲ھ میں مولانا بشیر احمد خاں صاحب بحیثیتِ مدرس دار العلوم، دیوبند تشریف لائے تو وہ بھی ان کے ساتھ آ گئے اور اس وقت موجودہ اکابر مولانا حسین احمد مدنیؒ شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ وغیرہ سے استفادۂ حدیث کیا اور ۱۳۶۳ھ میں از سرِ نو دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی اور ۱۳۶۵ھ تک تفسیر و قرأت، فقہ و اصول فقہ، منطق و فلسفہ اور طب و حکمت جیسے اہم علوم و فنون پر اختصاص کیا، اسی سال وہ دار العلوم دیوبند میں بحیثیتِ مدرس مقرر ہوئے اور ۱۳۹۱ھ تک میزان سے لے کر موقوف علیہ تک کی ساری کتابیں پڑھا ڈالی اور اس درجہ تجربہ حاصل کیا کہ ہندوستان میں بیک وقت درس نظامی پر گہری نظر رکھنے والے اساتذہ و علماء میں ان کے ہم پلہ کوئی نہ تھا۔ ۱۳۹۱ھ سے لے کر ۱۳۹۷ھ تک حدیث کی معروف کتابیں، موطا امام مالک، طحاوی، ترمذی اور مسلم وغیرہ آپ کے زیر درس رہیں اور تا آنکہ ۱۳۹۷ھ میں بخاری شریف پڑھانے کا موقع ملا جو وفات سے قبل تک مسلسل اور پیہم پڑھاتے چلے آ رہے تھے۔ حضرت مرحوم ایک متقی، خدا ترس اور شریف عالمِ دین تھے، زندگی بھر علم و عمل سے لگاؤ رہا، حدیث سے بے انتہا لگاؤ اور سنت پر عمل رکھتے تھے، تدریس کا نرالا انداز تھا، ان کا کلام انتہائی عام فہم مگر علم و فن سے لبریز ہوتا تھا ۹۵ ربرس کی عمر گزارنے کے بعد بھی بلند آواز تھی، اس عمر میں بھی گفتگو صاف ستھری، واضح اور حیرت انگیز تھی، عالمانہ لب و لہجہ اور معتدل انداز کے حامل تھے، رعب و وقار کا یہ عالم تھا کہ جدھر سے بھی گزر جاتے

ایک مجمع ان کے ادب میں اٹھ کھڑا ہوتا، جدھر سے بھی وہ گزرتے طلبہ کی ایک بھیڑ ان کے جلو میں ہوتی تھی۔

حضرت مرحوم ایک رحم دل استاد تھے، اتنے اعلی منصب کے باوجود نہ کبھی شیخی بگھاری اور نہ کبھی اس کا ناجائز استعمال کیا دارالعلوم کے نائب مہتمم اور صدر مدرس ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی بھی ناجائز رعب دکھانے کی کوشش بھی نہ کی، وہ اپنے عہدہ اور ذمہ داری کے تئیں مخلص تھے، دارالعلوم دیوبند کی خدمت اور ارتقاء ان کا مقصد ہدف تھا طلبہ دارالعلوم کو باشرع اور باتہذیب بنانے کے لئے وہ ذمہ داران دارالاقامہ کو مستقل ہدایات دیتے رہتے تھے، ایک بار مادرِ علمی میں ایک ناگوار قضیہ پیش آیا تھا، جس سے مادر علمی کی عصمت پر آنچ آرہی تھا اس قضیہ کے پیش آنے پر وہ بہت ناراض ہوئے اور جو طلبہ اس میں شریک تھے انہیں فوراً دارالعلوم بدر کر دیا، ان کا کہنا تھا کہ دارالعلوم امت کی میراث ہے، اس کی حفاظت ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

حضرت مرحوم کو حسین احمد مدنیؒ کے انتقال کے بعد قاری محمد طیبؒ سے خلافت عطا ہوئی تھی مگر انہوں نے اس خلافت کو کبھی بھی پیشہ نہ بنایا، تا آنکہ پیری مریدی کی زحمت سے بھی بچے رہے وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ یہ جو میرا مزاج نہیں ہے، پیری مریدی میرے بس کا روگ نہیں ہے، یہ تو بڑے لوگ کرتے ہیں۔

حضرت مرحوم گوشہ گیر، تدریس وتعلیم کے لئے یکسو اور دارالعلوم کی خدمت کے لئے ہمہ تن متوجہ رہتے تھے۔ تنازعات سے دور خرافات سے گریزاں اور مناقشات سے بددل تھے۔ حضرت شیخ الہند کے خاص شاگرد و مرید ہونے کے باوجود کبھی بھی انہوں نے ملکی منظر نامے پر آنے کو گوارہ نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ یکسو رہے اور آخرِ حیات تک یکسو رہے تا آنکہ جمعیۃ کے تنازع پر بھی ان کا رویہ خاموش رہا تھا۔ وہ ایک دلچسپ ترین اور بھرپور انسان تھے۔ تواضع، حلم وبردباری، نرم خوئی، خوش اخلاقی اور صلاح وتقوی کے حامل تھے، ان کی انہیں صفات کی بنا پر دارالعلوم کے ہر خاص وعام، طلبہ، اساتذہ، ملازمین اور تمام متعلقین دارالعلوم میں محبوب شخصیت کے مالک تھے، وہ تواضع کی عملی مثال تھے۔ ان سے کبھی کوئی غلطی یا چوک ہو جاتی تو برملا اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے، بلکہ بعض مرتبہ اگر اپنے شاگردوں کو ڈانٹ دیتے تو وہ دوسرے وقت بلا تامل معذرت خواہی کرتے ہوئے نظر آتے۔ الغرض ان تمام خصوصیات کے حامل ایک فرشتہ صفت انسان کے چلے جانے سے اس دنیا میں نیک بندے کم ہوتے جارہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ان کی شخصیت اسی طرح کی تھی جیسی بیان کی جارہی ہے، وہ صحیح معنوں میں ایک کامل انسان عظیم محدث اور بہترین عالم دین تھے۔ اللہ تعالی ان کی قبر کو نور سے منور کر دے۔

☆☆☆☆☆

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا خلیل الرحمن قاسمی برنی

امام وخطیب مسجد الفاروق ولیمس ٹاؤن بنگلور

اخلاصِ کامل، خشیتِ الٰہی، آخرت کی فکر، خود اعتمادی، خلقِ خدا سے محبت، دنیا سے بے نیازی عشقِ الٰہی کی سرمستی اور سنتِ نبوی سے کامل شیفتگی، بدعات وخرافات کی بیخ کنی، تبلیغ ودعوت میں ہمہ تن مشغولی، تواضع وخاکساری، جاں سپاری وشب بیداری علم وعمل کی بے پناہ جامعیت، اللہ واسطے کی دوستی ودشمنی، دین کا درد، امت کی فکر، علومِ کتاب وسنت کی نشر واشاعت، درس وتدریس، کردار کی پختگی، سلفِ صالحین کی سچی محبت، علماء وائمۂ مجتہدین واولیاء اللہ سے شرعی عقیدت واحسان مندانہ احترام، مدارسِ عربیہ میں رائج جدید وقدیم تمام علوم میں کمال، فنِ حدیث میں لاثانی، دوسروں سے پہلے اپنی فکر اور عمل، بے پناہ علمی مجاہدہ، کثرتِ مطالعہ اور طلبہ کو گھول کر پلا دینے والا عظیم جذبہ، اسلاف کی پاکیزہ روایات کے حامل، ظاہر وباطن دونوں میں نورانیت ویکسانیت، خوبصورت، خوش گفتار وخوش وضع ان تمام خوبیوں کے جامع تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ االلہ علیہ، جواب ہمارے درمیان نہیں رہے موصوف ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ کو ضلع بلند شہر کے موضع بسی میں پیدا ہوئے، حفظِ قران پاک کی تکمیل گاؤں میں کی، بعدازاں فارسی وعربی کی جملہ درسی کتابیں مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں پڑھیں، یہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر اداروں میں سے ہے، اور اس کے بانی بھی دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ ہیں، اس مدرسے کے مستفیدین میں ملک کے نامور علماء کرام شامل ہیں، ۱۳۶۲ھ میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا بخاری شریف آپ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے جیل کے دنوں مین بخاری وترمذی کے بہت سے اسباق حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے، دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تین سال ۱۳۶۳ھ ۱۳۶۴ھ ۱۳۶۵ھ دارالعلوم میں فنون وقرأت کی تکمیل میں صرف کئے۔ قرأت میں آپ کے استاذ شیخ القراء حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پرتا بگڑھی ہیں۔ ان سے تجوید حفص اردو، مشق حدر وترتیل اور قرأت سبعہ وعشرہ کی، دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں سرفہرست حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ اکوڑہ خٹک حضرت مولانا عبدالخالق ملتانی رحمہم اللہ ہیں۔ واضح رہے کہ دارالعلوم دیوبند آنے سے پہلے درسیات کی زیادہ تر کتابیں آپ نے اپنے بھائی حضرت مولانا بشیر آحمد خان صاحب سے پڑھی ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۶۵ھ کے اواخر میں تدریس کے لئے دارالعلوم میں آپ کا انتخاب ہوا۔ اللہ نے آپ کو صلاح وصلاحیت دونوں سے نوازا تھا، اس کا اعتراف آپ کے تمام اساتذہ کو تھا، جید استعداد اور بھرپور صلاحیت کے حامل ہونے کے باوجود آپ تدریس میں جاں گسل محنت کرتے، دیر رات تک مطالعہ آپ کا ہمیشہ کا معمول رہا، اوائل تدریس میں جب آپ کو **نفحۃ العرب** پڑھانے کے لئے دی گئی تو آپ نے حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ یہ کتاب آپ سے پڑھوں گا پھر پڑھاؤں گا۔ مولانا نے قلتِ وقت کا عذر کیا، اصرار کرنے پر تہجد کا وقت پڑھنے کے لئے متعین کیا، چنانچہ مولانا مرحوم بزمانۂ تدریس پورے سال تہجد کے وقت حضرت مولانا اعزاز علی قدس سرہ کے آستانے پر حاضر ہوتے رہے۔

مولانا مرحوم نے راقم سے یہ واقعہ خود بیان کیا اور کہا کہ حضرت مولانا اعزاز علی قدس سرہ کے پاس حاضری بطورِ تبرک تھی ورنہ کتاب الحمد للہ مجھے حل تھی، خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہر کتاب محنت، لگن اور ترتیب سے پڑھائی، درسیات کی تمام کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، آپ نے ہر ہر کتاب کا حق ادا کر کے پڑھایا، آپ کے سبق میں عبارت کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہتا، سبق کی پابندی میں آپ ضرب المثل تھے۔

آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے والے علماء کرام کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جن میں کئی ایک ملک وبیرون ملک کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتے ہیں اور بہت سے ذی علم شاگرد آپ کے سامنے ہی دنیا سے رخصت ہوگئے، آپ کی مسند کے جانشین دارالعلوم کے موجودہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری، علامۂ دوراں مولانا قمرالدین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالخالق مدراسی استاذِ کبیر ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانوی، آپ کے قابلِ فخر تلامذہ میں سے ہیں۔

کم وبیش ۶۵ رسال آپ دارالعلوم کی مسندِ تدریس پر فائز رہے چالیس سال درسِ حدیث آپ سے متعلق رہا، جبکہ خاص بخاری کا سبق ۳۲ رسال آپ سے متعلق رہا ۱۳۹۱ھ میں تعلیم وتدریس کے ساتھ آپ کی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو نیابتِ اہتمام کا منصب تفویض کیا گیا، جس کو آپ نے اخیر تک بحسن وخوبی انجام دیا۔

۱۳۹۷ھ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کا درسِ حدیث ہمیشہ مقبول رہا آپ کی درسی تقریریں عام فہم، مربوط اور مدلل ہوتی تھیں ،آپ کا وہ منظر دیدنی ہوتا جب آپ بخاری شریف کے درس کے لئے صدر گیٹ کی طرف سے فدایانِ شیخ کے جلو میں احاطۂ مولسری میں قدم رنجہ فرماتے نورانی صورت، خوبصورت عمامہ، کبھی دوپلی ٹوپی، ہاتھ میں عصاء کمال سنجیدگی ووقار سے دارالعلوم کی سب سے بڑی درسگاہ دارالحدیث کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے تشریف لاتے، طلبہ آپ کو دیکھ کر منتشر ہوجاتے جو طلبہ دارالحدیث سے متعلق ہوتے وہ دارالحدیث کی طرف دوڑ جاتے اور طلبہ کی ایک جماعت احتراماً آپ کے پیچھے ہولیتی۔ دل کو موہ لینے والا یہ منظر آج بھی جب آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں ،اور مادر علمی میں بیتے ہوئے لمحات وہاں کی یادیں اور باتیں ضبط کا بندھن توڑ دیتی ہیں۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے، تواضع وانکساری اور ظاہر وباطن میں یکسانیت آپ کا خصوصی وصف تھا، کئی سال سے آپ علیل چل رہے تھے تین مرتبہ آپ کو عارضۂ قلب کا صدمہ پہنچ چکا تھا، لیکن آپ تدریس میں مشغول رہے دوسال قبل انتہاء درجہ کی نقاہت وضعف کے باعث آپ نے تدریس سے سبکدوشی اختیار کرلی تھی، مولانا مرحوم قرآن کے عاشق تھے، قرآن کی تلاوت عمدہ لہجوں کے ساتھ کرتے تھے، بچپن سے آخر دم تک تلاوت قرآن کا معمول جاری رہا، اسی کے ساتھ بخاری شریف کی تلاوت کے بھی آپ عادی تھے، دارالعلوم میں تدریسِ بخاری شریف کی ذمہ داری سے پہلے سے یہ معمول تھا، اور وفات سے چند دنوں پہلے تک یہ معمول رہا۔

مزاج میں فطری یکسوئی ہونے کے باعث زیادہ اسفار کے عادی نہیں تھے بدرجۂ مجبوری سفر کرتے، البتہ رمضان میں تمل ناڈو کے مشہور شہر کوئمبتور تفسیر قرآن کے سلسلے میں ایک لمبے عرصہ تک جاتے رہے، مولانا مرحوم چونکہ اچھے حافظِ قرآن تھے، آواز بھی بڑی عمدہ اور بلند تھی، فنِ قرأت کے نشیب وفراز سے بھی اچھی طرح واقف تھے اس لیے تفسیر کی ذمہ داری کے علاوہ احباب کے اصرار سے تراویح میں قرآن پاک بھی خود سناتے، کوئم بتور میں شیخ سے استفادہ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے، جن کی مجلسیں آج بھی شیخ کی یادوں، باتوں اور تذکروں سے معمور رہتی ہیں۔

قدرت نے حضرت شیخ علیہ الرحمہ کو اوصافِ نبوی سے نوازا تھا، آپ خوبصورت بھی تھے اور خوب سیرت بھی، خوش وضع اور خوش گفتار بھی تھے اور غیرت مند بھی، متواضع بھی تھے اور عزتِ نفس کے حامل بھی، صاحبِ علم بھی تھے اور پیکرِ عمل بھی، ذی وقار ذیشان بھی تھے اور جلال وجمال کا حسین امتزاج بھی۔

بے شمار دیکھنے والے ہیں جنھوں نے دیکھا کہ دارالعلوم کے یہ صدر مدرس ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ کے شیخ الحدیث آنے والے مہمانوں کے لئے استقبال میں کھڑے ہوجاتے ہیں، خندہ پیشانی سے ملنا آپ کا خصوصی وصف تھا، حیرت کی انتہاء ہوتی جب دیکھنے والے دیکھتے کہ آنے والے مہمان آپ کے تلامذہ ہیں لیکن آپ ان کے لئے کھڑے بھی ہوتے اور چائے فنجان میں نکال کر خود اپنے ہاتھوں سے اُن کو پیش کرتے۔

ختمِ بخاری کی مجلس میں آپ بہت طویل اور رقت آمیز دعا کراتے، مسلمانانِ عالم اور مراکزِ دینیہ ومدارسِ اسلامیہ بالخصوص دارالعلوم دیوبند کی

حفاظت کے لئے پرسوز انداز اور الحاح وگریہ کے ساتھ دعا فرماتے، اس مجلس میں طلبۂ دورۂ حدیث کا رونا بلبلانا مادرِ علمی اور مشفق اساتذہ کی جدائی کے صدمہ سے ان کا تڑپنا، عجیب موثر ماحول پیدا کرتا، جس سے ہر ایک کا دل رقیق ہو جاتا، اور خوب رو رو کر دعا مانگنے کی توفیق ملتی، آہ! وہ مجلس نہ رہی صدرِ مجلس بھی نہ رہے ۲۰۰۲ء میں ختمِ بخاری کی اس طرح کی آخری مجلس تھی اور ۴ر فروری شب ۲۰۱۰ء کو مجلس کے صدر وگلِ سرسبد اور جماعت دارالعلوم دیوبند کے سرخیل وسرپرست مالکِ حقیقی سے جا ملے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعہ۔

نـــــوٹ: حضرت والا قدس سرہٗ کے تعلق سے احقر نے دو مستقل مضمون قلمبند کئے تھے، ان میں سے یہ مضمون حضرت والا کی وفات کے دوسرے ہی دن راشٹریہ سہارا بنگلور ایڈیشن میں بھی شائع ہوا تھا اور پھر ماہنامہ "ترجمان دیوبند" کے اپریل ۲۰۱۰ء کے شمارہ میں بھی شائع ہوا۔

☆☆☆☆☆

شیخ زمن

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ

ریاست علی قاسمی رام پوری

خادم الحدیث والافتاء جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد، امروہہ

ماضی قریب میں برصغیر کی جن عظیم المرتبت شخصیات اور بلند پایہ ہستیوں کو قریب سے دیکھنے کا حسین موقع ملا اوران کے پائندہ نقوش سے قلب ابھی تک متأثر ہے ان میں شہرۂ آفاق محدث دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث کے تاجور، فخر المحدثین، استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب صدر المدرسین اور شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی بھی شامل ہے۔ جن کا ذکر جمیل مختصر طریقہ سے پیش نظر سطور میں کرنا ہے۔

خاندان اور تاریخ ولادت:

آپ کی پیدائش موضع ''بسی''، ضلع بلندشہر یوپی میں ۲۱/ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳/دسمبر ۱۹۱۸ء کوایک دیندار علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے مورث اعلیٰ شہباز خان مرحوم نے سب سے پہلے بسی'' ضلع بلندشہر کو اپنا مسکن اور وطن بنایا۔ آپ نسبی طور پر افغان بازید خیل داؤ دزئی سے تعلق رکھتے ہیں ۔آپ کا شجرۂ نسب یادگار سلف نامی کتاب میں اس طرح درج ہے۔

''حضرت مولانا نصیر احمد خان بن عبدالشکور خان بن حقداد خان بن بنیاد خان بن سردار خان بن عمر خان بن غیاث خان بن شہباز خان بن سلیم خان بن دیوان دولت خان بن شیخ داؤد خان بن شیخ عیسیٰ خان افغانی بازید خیل داؤدزئی''

بحوالہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ص:۴ بابت مارچ ۲۰۱۰ء)

آپ کے والد محترم جناب عبدالشکور خان زمیندار ہونے کے ساتھ سرکاری فوج میں ملازم تھے۔ حضرت شیخ الہند کی تحریک ''ترک موالات'' کی تائید میں اس وقت کے علمائے کرام اور مفتیان عظام کے فتوے پر عمل پیراں ہوتے ہوئے فوج کی ملازمت سے مستعفی ہوکر کاشتکاری کو ذریعۂ معاش کے طور پر اختیار کیا، اکابر علمائے کرائے کرام کے فتوے کی تائید میں سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دینداری کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

تعلیم وتربیت:

آپ کے برادر اکبر مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ (متوفی ۱۹۶۶ء سابق استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے طالبان علوم نبویہ کی تعلیم وتربیت میں مصروف عمل تھے۔ اس دور میں مدرسۂ مذکور میں از اول تا آخر مکمل درجات عربیہ مع دورۂ حدیث شریف کی معیاری تعلیم ہوتی تھی۔ حضرت اقدس ممدوح اس مدرسہ مین حدیث شریف کا درس دیتے تھے اور طالبان علوم نبویہ کی پوری تندہی کے ساتھ خدمت میں مصروف رہتے تھے۔

پھر ۱۳۶۱ء مطابق ۱۹۴۱ء بحیثیت استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کی تعلیم وتربیت کی ابتدا اس مدرسہ میں ہوئی اور از ابتدا تا انتہا اپنے برادر اکبر مرحوم کی زیر نگرانی تعلیم وتحصیل علم کے جملہ مراحل کی تکمیل فرمائی۔ اور حدیث شریف بھی اس ادارہ مین آپ نے پڑھی

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ :

۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے بعض کبار اساتذہ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوگئے ان خالی شدہ آسامیوں پر حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب، حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک کا تقرر عمل میں آیا تو آپ بھی اپنے برادر اکبر کے سا

تھ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے۔اور دوبارہ دورۂ حدیث میں داخلہ لیکر حضرت شیخ لاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ ،حضرت مولا نا شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور دیگر کبار اساتذہ سے حدیث شریف پڑھی۔ پھر ۱۳۶۴ھ تک مختلف کتب وفنون ،ہدایہ آخرین ،توضیح وتلویح ،مسلم الثبوت ،بیضاوی شریف ،شرح چغمینی ،ملا جلال ،قاضی مبارک ،صدرا ،حمد اللہ ،میر زاہد وغیرہ پڑھیں نیز فن تجوید وقرأت (حفص ،سبعہ عشرہ) کی تکمیل فرمائی ۔ساتھ ہی فن طب میں ''نفیسی ،حمیات ،قانونچہ ،شرح اسباب کامل'' کا بھی درس لیا۔

اساتذۂ کرام :

دارالعلوم دیوبند کے آپ کے اساتذۂ کرام میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی ،مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہوی ،مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک ،مولانا شمس الدین صاحب گجرانوالہ مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاپ گڑھی ،مولانا حکیم محمد صاحب دیوبندی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں بیشتر کتب اپنے برادر اکبر مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ کے پاس پڑھی۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرر:

ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں درجۂ ابتدائی عربی میں بحیثیت استاذ آپ اک تقرر عمل میں آیا۔اور میزان ومنشعب ،نحو میر وغیرہ ابتدائی کتب سب آپ نے تدریس کا آغاز فرمایا۔اور مکمل سات سال تک انتہائی محنت ،لگن اور پابندئ وقت کے ساتھ آپنے ابتدائی کتب پڑھائیں۔ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ میں درجۂ وسطیٰ (ب) میں ترقی عمل میں آئی۔اور شعبان ۱۳۸۶ھ میں درجۂ وسطیٰ (الف) میں ترقی ہوئی۔اس دوران جلالین شریف ،مشکوٰۃ شریف اور دیگر مختلف علوم وفنون کی کتب آنجناب کے زیر درس رہیں۔

درجۂ علیامیں ترقی اور نیابت اہتمام کے لئے انتخاب:

صفر ۱۳۹۱ھ میں حضرت والا کو درجۂ علیا میں ترقی دی گئی اور آپ کو ربِّ ذوالجلال کی طرف سے ودیعت کردہ خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے مجلس شوریٰ نے نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند منتخب فرمایا اس دوران آپ نے کتب حدیث میں موطا امام محمد ،موطا امام مالک ،مسلم شریف ،طحاوی شریف کا کامیاب درس دیا نیز حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نائب کی حیثیت سے دارالعلوم کی ہمہ جہتی خدمت کرنے کی سعادت میسر ہوئی۔

منصب شیخ الحدیث پر انتخاب:

حضرت اقدس مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے ۱۹۷۷ء مطابق ۱۳۹۷ھ میں وصال کے بعد آنجناب کو نیابت اہتمام کی عظیم ذمہ داری کے ساتھ مجلس شوریٰ نے شیخ الحدیث کا منصب جلیل تفویض فرمایا اور درس بخاری کا آپ سے متلق ہوا اور آپ اہتمام کی ذمہ داری کے ساتھ بخاری شریف کا درس کامیابی کے ساتھ دیتے رہے۔اور ۱۴۲۹ء تک بخاری شریف کی خدمت آپ سے متعلق رہی۔

قائم مقام صدر المدرسین :

حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادی سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے وصال کے بعد حضرت والا کو نائب مہتمم اور شیخ الحدیث کی ذمہ داری کے ساتھ قائم مقام صدالمدرسین کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔اس عظیم منصب کو زینت بخشی۔ پھر اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم دیوبند میں بحرانی کیفیت پیدا ہوئی حتیٰ کہ دارالعلوم مقفل ہوگیا۔اور کیمپ دارلعلوم میں تعلیمی سلسلہ شروع ہوگیا۔ پھر دارالعلوم کے دوبارہ کھلنے کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ کو صدرالمدرسین کے عہدۂ جلیلہ پر فائز کیا۔اور حضرت والا نیابت اہتمام اور شیخ الحدیث کی ذمہ داری کو نبھاتے رہے۔

صدرالمدرسین کے عہدے پر باضابطہ انتخاب :

۱۹۹۳ء مطابق ۱۴۱۲ھ میں حضرت اقدس مولانا معراج الحق صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت والا کو مستقل صدرالمدرسین کے عہدے پر اراکین مجلس شوریٰ نے اتفاق رائے سے منتخب کیا۔ اور نیابت اہتمام اور شیخ الحدیث کی ذمہ داری آپ حسب معمول انجام دیتے رہے۔ پھر ۱۹۹۵ء مطابق ۱۴۱۵ھ میں حضرت قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی مدظلہٗ العالی اساتذۂ حدیث دارالعلوم دیوبند کو نائب مہتمم بنا دیا گیا۔ اور حضرت والا سے نیابت اہتمام کی ذمہ داری ختم کردی گئی۔ اس کے باوجود حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری مہتمم دارالعلوم دیوبند جب بھی باہر سفر پر جاتے یا زیادہ وقت کے لئے اپنے وطن بجنور تشریف لے جاتے تو حضرت والا کو بحیثیت قائم مقام مہتمم تجویز فرما کر تشریف لے جاتے۔ اور ہر دو نائبین علیٰ حالہ اپنی مفوضہ ذمہ داری پوری کرتے رہے۔ شعبان ۱۴۲۹ھ تک حضرت والا صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث دونوں منصبوں پر فائز رہے پھر از خود مجلس شوریٰ میں تحریر دیکر کثرت امراض کی بنا پر امور مفوضہ سے سبکدوشی اختیار کرلی۔ اور دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں صرف حضرت والا ہی کا یہ امتیاز رہا ہے کہ اتنے عظیم منصب پر رہتے ہوئے از خود آپ ذمہ داری سے سبکدوشی کی پیش کش فرمائی ورنہ شوریٰ کے اکثر اراکین آپ کے تلامذہ اور علم وفضل میں ہر طرح سے آپ سے چھوٹے ہیں۔ اسطرح دارالعلوم دیوبند کے تمام ہی اساتذۂ کرام کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ کسی کو بھی آپ کے بارے میں سوچنے کا امکان ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت والا کی کل مدت تدریس تقریباً ۶۵ / سال ہے۔ جس میں آپ نے تقریباً تمام ہی کتب درسیہ ابتداء سے انتہا تک خوش اسلوبی کے ساتھ پڑھائیں۔ اس طویل مدت کے اندر ۳۳ / سال بحیثیت شیخ الحدیث بخاری کا درس آپ سے متعلق رہا نیز ۱۳۹۱ھ سے ۱۴۱۵ھ تک تقریباً ۲۵ / سال آپ نے نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہ کر مسند اہتمام کو زینت بخشی۔ دو سال سے زائد عرصہ تک قائم مقام صدرالمدرسین کے منصب پر کام کیا۔

۱۴۲۱ھ تا ۱۴۲۹ھ تقریباً سترہ سال تک صدرالمدرسین کا کلیدی عہدہ آپ کے وجود باوجود سے فیض یاب رہا۔ غالبًا تاریخ دارالعلوم میں ۶۵ / سال کا طویل عرصہ دارالعلوم دیوبند سے وابستگی کا کسی اور شخصیت کو حاصل نہ رہا۔ یہ بھی تاریخ دارالعلوم میں حضرت والا ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ بالآخر ۱۸ / صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴ / فروری ۲۰۱۰ء بروز پنجشنبہ کو قبل صبح صادق علوم نبوت کا یہ آفتاب و ماہتاب ہمیشہ کے لئے دیوبند کی مقدس زمین میں غروب ہوگیا اور برصغیر ہندو پاک، بنگلہ دیش کا علمی و دینی خصوصاً اور پورا عالم اسلام عموماً ایک جلیل القدر عالم دین کے فیوض و برکات سے ہمیشہ کیے لئے محروم ہوگیا۔ اس دن بعد نماز ظہر احاطۂ مولسری میں ہزار ہا ہزار علمائے کرام، مشائخ حدیث، مفتیان عظام، مشائخ طریقت اساتذۂ کرام اور طلبۂ ذوی الاحترام اور عوام وخواص کے جم غفیر میں حضرت الاستاذ مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اور صدر جمعیۃ علمائے ہند کی اقتدا میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی ۔اور قبرستان قاسمی میں آپ کو سپرد خاک کردیا گیا ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ تیرے گھر کی نگہبانی کرے

عیسوی لحاظ سے آپ کی عمر شریف ۹۲ / سال اور ہجری کے اعتبار سے ۹۵ / سال کے قریب ہوئی۔

فن ہیئت میں خصوصی امتیاز :

آپ کو معقولات اور منقولات پر یکساں دسترس حاصل تھی۔ اور کسی بھی فن کی کتاب ہو آپ پوری توجہ اور دلچسپی سے پڑھاتے تھے، علم ہیئت میں تو آپ کو امامت کا درجہ حاصل تھا سالہا سال دارالعلوم میں فن ہیئت کی تدریس آپ سے متعلق رہی بعد میں یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔ اس فن کی معروف کتاب ''الفتحیہ'' پر آپ نے تحریر بھی فرمایا ہے۔ جو مکتبہ دارالعلوم دیوبند سے شائع بھی ہوئی ہے۔

تذکیۂ نفس اور بیعت وارشاد :

حضرت والا کو اپنے اساتذۂ کرام میں سب سے زیادہ تعلق حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے تھا۔ اپنی درسی غیر درسی خصوصی اور

عمومی مجالس میں انتہائی والہانہ انداز سے آپ کا تذکرہ فرماتے تھے۔اور بعض دفعہ ان کے تذکرے پر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔تعلیمی مراحل کی تکمیل کے بعد انہیں سے آپ نے بیعت وارشاد کا تعلق قائم کیا۔اور شیخ الاسلام کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف پر پابندی کے ساتھ عمل پیراں رہے۔حضرت شیخ الاسلام کے وصال کے بعد حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور آپ کی رہنمائی میں سلوک واحسان کے مقامات رفیعہ طے فرمائے اور حکیم الاسلام کی جانب سے خلافت سے سرفراز ہوئے مگر پیری مریدی سے ہمیشہ اجتناب کرتے رہے اور ہمیشہ کہتے تھے۔بچو! پیری مریدی ہمارے بس کا روگ نہیں یہ تو بڑے لوگ کرتے ہیں۔

خصائل وعادات :

حضرت الاستاذ قدس سرہٗ روایات کے محافظ اور دارالعلوم دیوبند کے مزاج و مذاق آدمی تھے، قدرت نے حسن سیرت اور حسن صورت دونوں سے آراستہ مزین کیا تھا۔ چوڑے چکلی روشن پیشانی، سفید صاف ستھرا لباس پرکشش آواز حسن اخلاق اور حسن کردار کا مجسم نمونہ، آہ سحرگاہی سے چمکتا ہوا چہرہ، مسند درس پر جلوہ افروز ہوتے تو مرقع نور نظر آتے تھے، حضرت الاستاذ مرحوم وممدوح کو ارحم الراحمین، رب کریم نے اپنی رحمت خاصہ کا مظہر بنایا تھا۔وہ رحمت ورأفت اور شفقت ومحبت کا پیکر مجسم تھے۔ہر وارد وصادر اور معمولی وابستگی رکھنے والے کے ساتھ بھی وہ انتہائی مشفقانہ برتاؤ رکھتے تھے۔اور ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ حضرت والا کی شفقت اور محبت مجھ پر سب سے زیادہ ہے۔تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ ہر قسم کی عظمت وجاہت کے باوجود کبھی بھی رعب ودبدبہ قائم کرنے اور اپنی برتری ثابت کرنے کی جانب معمولی سی بھی توجہ نہیں کی۔ ہر خورد وکلاں ملازمین اور غیر ملازمین سب ہی کے ساتھ آپ کا برتاؤ منصفانہ اور مشفقانہ تاھ۔حضرت ممدوح گوشہ گیر تدریس وتعلیم کے لئے یکسو اور دارالعلوم دیوبند کی خدمت کے لئے ہمہ تن متوجہ رہتے تھے۔تنازعات وخرافات سے گریزاں اور مناقشات سے بددل تھے۔حلم وبردباری، نرم خوئی، خوش اخلاقی اور صلاح وتقویٰ اور ہر قسم کی اعلیٰ صلاحیتوں سے بھرپور انسان تھے۔

رب ذوالجلال نے آپ کو شان محبوبیت سے نوازا تھا۔وہ پورے دارالعلوم میں طلبہ اساتذہ، ملازمین متعلقین سب کی نگاہ میں محبوب شخصیت کے مالک تھے۔کبھی کسی بات پر کسی کو ڈانٹ دیا تو دوسرے وقت بلا کسی تأمل کے اس سے معذرت طلب کرتے نظر آتے۔آپ کی طبیعت حد درجہ متین اور سادہ تھی۔لب ولہجہ نہایت شیریں مگر آواز بلند تھی۔حضرت والا علم نافع اور عمل صالح کا حسین سنگم تھے۔شب خیزی آپ کا دائمی معمول تھا۔عام طور سے تین بجے شب میں بیدار ہو جاتے تے۔ جب تک ہمت رہی تہجد میں ایک منزل قرآن کریم پڑھتے تھے۔تہجد کے بعد نماز فجر تک ذکر واذکار میں مصروف رہتے تھے۔نماز باجماعت کی پابندی اور جمعہ کے دن اذان سے پہلے مسجد پہونچ کر نوافل وتلاوت میں مشغول رہنا۔آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا۔اس عالم ورنگ وبو میں جو عزت ووقار، فوقیت اور برتری کسی عالم دین اور صاحب درس کو حاصل ہو سکتی ہے، وہ بحمد اللہ ہمارے حضرت الاستاذ کو حاصل تھی۔رب کائنات نے آپ کے قلب وزبان کو سلیم بنایا تھا۔ان کی عام مجالس نہیں بلکہ خاص مجالس بھی شکوہ وشکایت اور غیبت سے پاک وصاف رہتی تھیں۔آپ نہ خود شکایات کرتے نہ دوسروں سے شکایات سننا پسند کرتے تھے۔تحمل وبرداشت آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔آپ ایک قابل ستائش مرد مومن تھے۔جن کی ذات عالی ہر ایک کے لئے سایۂ عاطفت اور سکینت تھی۔

بندہ نے شوال ۱۴۰۵ھ تا شعبان ۱۴۰۶ھ بخاری شریف جلد اول حضرت قدس سرہٗ کے پاس پڑھی اور سال کے بیشتر ایام عبارت خوانی کے لئے سعادت حاصل ہوئی۔آپ کا درس بخاری انتہائی مختصر اور جامع اور پرکشش ہوتا تھا۔بعض دوران کسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتے اور پورے مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا اور پھر ہر طالب علم آبدیدہ ہو جاتا تھا۔اس پورے سال میں بار بار خدمت کا موقع میسر آیا۔اہتمام سے سبق کے لئے لینے بھی جانا ہوتا اور گھر پہونچانے کے لئے جانا ہوتا اور عصر بعد بھی مجلس میں حاضری ہوتی۔اور قریب سے خوب دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔مختصر یہ کہ ع

بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

۲۰؍شعبان ۱۴۰۶ھ کو حضرت الاستاذ الممدوح نے بخاری شریف کا آخری درس دیا۔طلبۂ عزیز کے علاوہ قرب وجوار اور دور دراز سے عوام الناس

بھی دعا کی غرض سے عرصۂ دراز سے اس میں شرکت فرماتے ہیں۔(اب یہ سلسلہ موقوف ہوگیا ہے)اس سال ہمارے ضلع رام پور کے کچھ حضرات حاضر ہوئے ایک صاحب جو دار العلوم کی زیارت سے جو پہلی ہی بار مشرف ہوئے تھے۔حضرت والا کو درس بخاری میں دیکھنے کے بعد اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے ایسا معلوم ہورہا ہے کہ جنت سے کوئی ہستی ابھی آئی ہے۔

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد بندہ سے تعلق و محبت :

شعبان ۱۴۰۶ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد آئندہ سال شوال ۱۴۰۶ھ تا شعبان ۱۴۰۷ھ بندہ نے دار الافتاء میں داخلہ لیکر تمرین فتاویٰ اور کتب فقہ وفتاویٰ سے استفادہ کیا۔اس دوران بھی حضرت والا کی مجالس میں شرکت اور استفادہ کے مواقع حاصل ہوئے۔شوال ۱۴۰۷ھ حضرت الاستاذ قدس سرہٗ اور حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے حکم پر احقر مدرسہ ''امداد الاسلام، کمال پور، ضلع بلند شہر'' میں مدرس ہو گیا۔ وہاں تدریس اور افتاء نویسی کا کام شروع کیا۔اس دوران حضرت سے برابر مراسلت بھی جاری رہی اور دیوبند آمد ورفت پر ملاقات بھی ہوتی رہتی۔ایک مرتبہ اس حقیر کی دعوت پر مشکوٰۃ شریف کے لئے کمال پور تشریف آوری کی سعادت سے بھی نوازا۔پھر دو سال کے بعد ۱۴۱۰ھ کے اوائل میں حضرات اساتذۂ کرام کے مشورہ سے بندے کا تقرر ''مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ'' میں ہوگیا۔تو طرفین سے تعلق میں مزید اضافہ ہوگیا۔حضرت والا بھی ختم بخاری شریف کے موقع پر بکثرت تشریف لاتے اور احقر کی بھی دار العلوم حاضری اور حضرت سے ملاقات بڑھ گئی۔ایک مرتبہ ہاپوڑ آمد کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ ذرا خوب محنت کر لیجئے! پھر حضرت ہوجاؤ گے تو محنت نہ ہوسکے گی۔یہ جملہ حضرت والا کا اب تک برابر یاد رہتا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ اس وقت جس قدر محنت ہوجاتی تھی اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتی ہے۔مگر اس وقت کی محنت اور کتب بینی اس وقت بہت زیادہ معاون اور مددگار ثابت ہورہی ہے۔کچھ سالوں کے بعد احقر ارباب دار العلوم دیوبند بحیثیت ممتحن دار العلوم بلانے لگے۔یہ ارباب دار العلوم کی صرف ذرہ نوازی تھی ورنہ بندہ کی حیثیت کبھی نہیں رہی اور نہ ہی اس حیثیت کا کبھی خود کو تصور کیا۔اس موقع پر حضرت والا سے ملاقات ہوتی، بڑی فرحت ومسرت کرتے اور پر تکلف ناشتہ کا اہتمام کرتے اور فرماتے کہ آج آپ خصوصی مہمان ہیں اور ہماری کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔غرض حضرت الاستاذ کمالات وحسنات کا مخزن ہیں۔آپ کے کمالات اور خوبیوں کا احصاء، ہم جیسے ناتوں لوگوں کے لئے حد درجہ دشوار ہے۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم زفشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆☆☆

افسوس اپنا آج وہ رہبر نہیں رہا

محمد سیف اللہ عرشی اندوری

خدا جانے ان آنکھوں نے کرب و بلا کے کتنے مناظر دیکھے ہیں اور کتنوں کا دیکھنا نوشتۂ تقدیر میں مقدر ہے، یوں تو افکار وحوادث کے بہت سے سین دیکھ چکا، گردش زمانہ کے کتنے نقوش نگاہوں سے گذر چکے، جس کی وجہ سے میرا سینہ چھلنی چھلنی ہو گیا ہے اور یہ دور قحط الرجال کا ہے، یہ عالِم ناسوت سرائے فانی ہے، جو آتا ہے، اسے جانا ہوتا ہے، تاریخ آج تک شاہد ہے اور رہے گی کہ کسی کی پیاسی زندگی نے آبِ حیات کا ایک قطرہ بھی حلق میں اتارا ہو لیکن اب محرومیت کے احساس اور جدائی کے تصور سے کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، آنکھوں کے سمندر میں اشکوں کی موجیں آنے لگتی ہیں۔

ابھی سال گزشتہ یکم ربیع الثانی حضرت مولانا شبیر صاحب کے داغ مفارقت پہ چہروں سے اشکوں کے نشان ختم بھی نہیں ہوئے تھے، قلم کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ پھر گزشتہ کل صبح صادق کے بعد منادی نے اذان پکار کر آلہ جہیر الصوت (Loud Speake) سے یہ صدا پر درد لب و لہجے میں حیران کن وجاں گسل خبر دی ''انتہائی افسوس کے ساتھ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ دار العلوم کے سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون بازگشت کرتی ہوئی صدا درد آمیز صدا، کئی مرتبہ لگائی گئی حتی کہ فضا بھی تھم گئی، در ودیوار بھی ماتم کناں ہو گئے اور اساتذہ وعلوم نبوت کے پروانوں کا حال ناقابل بیان ہے۔

سب کی زباں پر یہی ہے کہ کیا ہوا کیسے ہو گیا؟ جسے جب خبر ہوتی خواہ وہ قریب ہو یا دور یکا یک زباں پر کلمات استرجاع جاری ہو جاتے اور مرحوم کے حق میں دعائیہ کلمات نکلتے ہیں، آخر یہ کیا ہوا کہ آج سب سے پہلے جسے قلم حفظہ اللہ، دامت برکاتہم اور مدظلہ العالی کے الفاظ سپرد قرطاس کرتے تھے، آج انہیں کو ''رحمۃ اللہ علیہ، قدس سرہٗ، برد اللہ مضجعہ'' لکھنا پڑ رہا ہے۔

ضرورت جتنی بڑھ رہی ہے صبح روشن کی
اندھیرا گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

یہ وہی علم وعمل کا آفتاب، حدیث وتفسیر کا مہتاب، معقول ومنقول کا سیماب تھا جس نے ۲۱؍ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳؍دسمبر ۱۹۱۸ء میں ضلع بلند شہر کے موضع ''بسی'' میں آنکھیں کھولی، جب ہوش سنبھالا تو ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے ہی علاقے کے مدرسہ ''منبع العلوم گلاؤٹھی'' ضلع بلند شہر میں کیا اور بڑے انہماک ویکسوئی کے ساتھ مدرسہ ہذا سے علمی سفر کے تمام مراحل طے کرتے ہوئے سندِ فراغت حاصل کی۔

مرحوم کی یہی دل جمعی، یکسوئی اور یک در گیر ومحکم گیر کی صفت عمر کے کسی مرحلے میں آپ کی ذات گرامی سے جدا نہ ہو سکی اور نہ انقلابِ دور، تغیر احوال اور رواں زندگی کے نشیب وفراز آپ کے پائے ثبات کو ڈگمگا سکے بلکہ یہ علم وعمل کا خوگر تمام طوفانوں کا مقابلہ کرتا رہا اور ساحل تک پہنچنے کے عزم میں منبع العلوم سے فراغت کے باوجود اپنے قلب میں اکابر دیوبند کی علمی وراثت کو سنبھالنے کا جذبہ پیدا کیا اور ۱۳۶۲ھ میں ایشیا کی عظیم درسگاہ دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دوبارہ دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۳۶۳ھ میں تجوید وقرأت سبعہ عشرہ اور علوم عالیہ کی تعلیم سے فراغت پائی ۱۳۶۶ھ میں ازہر ہند دار العلوم میں مسندِ درس کی زینت بنے، آپ کے مقبول درس کے پرکشش ماحول سے طلبہ لطف اندوز ہوتے رہے، پھر آپ کی علمی استعداد، انتظامی امور میں کامل دسترس، حلم وبردباری، صلاح وتقوی جیسے اوصاف حمیدہ کی بنا پر ۶؍صفر ۱۳۹۱ھ کو ''نائب مہتمم'' کا سہرا آپ ہی کے سر پر رکھا گیا۔

بھلا سکیں گے نہ اہل وفا صدیوں تک
میری وفا کے میرے فکر وفن کے افسانے

دریں اثنا دار الاقامہ، شعبۂ تعلیمات ودیگر شعبہ جات کی ذمہ داری بھی بحسن وخوبی سنبھالتے رہے، پھر مختصر زندگی میں وہ مبارک دن بھی آیا جب

۱۳۹۷ھ میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف جلدِ اول کا درس آپ کے سپرد کر دیا گیا، طلبہ کے مابین آپ کا درس نا قابل بیان حد تک مقبول بلکہ محبوب تھا اور در حقیقت اس مقبولیت کا سرچشمہ آپ کا غیر معمولی اخلاص، نفع رسانی میں فنائیت، حدیث پر مدلل اور مکمل دل نشیں بحث مزید برآں خداوند قدوس نے علم حدیث پر آپ کو خصوصی نظر عطا کی تھی اور آپ کا شمار ممتاز محدثین میں کیا جاتا رہا متانت ووقار، سنجیدگی اور عزم وارادہ آپ کی زندگی کا حسین عنوان ہے اندازِ بیاں میں خوش گفتاری، خصوصا تراجم الابواب کی جامع تشریح آپ کے درسِ بخاری کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس انداز سے آپ کی علمی پنگھٹ سے سیرابی کرنے والے بخوبی واقف ہیں۔

نطق کو سو ناز ہے تیرے لب اعجاز پر　　　محو حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

اور دن بدن آپ کی ترقی، درس کی مقبولیت آسمان چھوتی رہی، تمام ذمہ داریوں میں حسن تدبیر اور بہتر انتظام کی بنا پر شہرت کا سکہ رائج ہوتا گیا۔ حتی کہ ۱۴۱۲ھ میں صدر مدرس کے عہدے سے سرفراز کئے گئے۔ مولانا فخر الحسن صاحب کے بعد دارالعلوم دیوبند کے آپ دسویں نمبر کے صدر مدرس تھے اور عمر رواں کا آفتاب چلتا رہا حتی کہ چہار دانگِ عالم میں اپنی روشنی سے تاریکیوں میں اجالا کرتا رہا اور یہ سورج ڈھلتے ڈھلتے مغربی سمت میں شفق احمر نما روشنی دیتا رہا حتی کہ ۱۴۲۸ھ میں بذات خود بخاری کی تکمیل کرائی درانحالیکہ اخیر عمر میں آپ کی طبیعت خراب رہا کرتی تھی لیکن پھر بھی اپنی علمی استعداد سے طلبہ کو فیضیاب کرتے رہے اور اس آخری سال کی تکمیل کے موقع پر شائع ہونے والی ڈائری میں اپنے چند کلمات عالیہ سے اس کی رونق میں چار چاند لگا دئے۔ اس تحریر کا عکس ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔ عزیزان گرامی قدر! آپ حضرات خوش قسمت اور قابل مبارک باد ہیں کہ آپ نے علم وعمل کی مثالی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے ایک مرحلے کی تکمیل کی ہے اور اب ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہے ہیں، اللہ رب العزت قدم بقدم آپ کی حمایت ونصرت فرمائے اور جملہ شرور وفتن سے محفوظ وسلامت رکھے۔ (آمین)

عزیزانِ گرامی! میری نصیحت اس وقت یہی ہے کہ آپ کی زندگی کا مقصد علم دین کی تبلیغ واشاعت اور اس کا تحفظ ہونا چاہئے، دین وشریعت کی مکمل پیروی آپ کا نصب العین ہو اور یاد رکھئے کہ اس وقت اسلام عالمی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، مخالفین اس کی پاکیزہ تعلیمات اور نام لیواؤں کو ہدف تنقید بنا رہے ہیں، ایسے ناگفتہ بہ احوال میں آپ کی ذمہ داریاں مضاعف ہو جاتی ہیں کہ اسلام کو انسانیت کی ناگزیر ضرورت اور نجات دہندہ مذہب ثابت کر دکھائیں۔

اللہ تعالی ہم سبھوں کے ساتھ خیر کثیر کا معاملہ فرمائیں، آمین، بندہ بھی آپ کی نیک تمناؤں اور دعاء کا طالب ہے۔

والسلام

نصیر احمد عفا اللہ عنہ

☆☆☆☆☆

آپ کا یہ پیغام نہ صرف طلبہ کے لئے بلکہ تمام عالم اسلام کے لوگوں کے لئے مشعل راہ ہے اور ۱۴۲۹ھ میں آپ کی طبیعت آپ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، اسی بنا پر کچھ ماہ تدریسی خدمات انجام دے کر یہ ذمہ داری ۱۷ر سال صدارت کے بعدی ۶۵ر سال علمی خدمات انجام دے کر مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری کے حوالے کر دی، آپ کی تدریسی زندگی کا یہ آخری سال تھا، بعد ازیں آپ اپنے گھر واقع محلہ لال مسجد دیوبند میں قیام پذیر رہے، یہ بھی آپ کا حسن اتفاق تھا کہ آپ کا گھر مسجد کی دیوار سے متصل ہے، آخر کار آپ مستقل مریض رہے، دن بدن بیماری شدت پکڑتی رہی اور شمع زندگی کی لو تھرتھرانے لگی، تکلیف کچھ زیادہ ہی بڑھتی رہی حتی کہ شب کے تقریبا سوا دو بجے یہ آفتاب عالم تاب ہمیشہ ہمیش کے لئے داعی اجل کو لبیک کہہ کر راہی دارِ بقا ہوا۔

سنبل بھی گیا گلشن بھی گیا بلبل پہ ہلاکت آتی ہے
اب خیمۂ بستان سر پر ہے محفل کی نزاکت جاتی ہے

سفر تمام ہوا غسل دے رہے ہیں لوگ بدن سے گرد مسافت اتارنے کے لئے ۱۰ر بجے دار العلوم میں تعزیتی جلسے کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے استاذِ حدیث علامہ قمر الدین صاحب نے مرحوم کی ذات پر مختصر کلام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: آپ فطرتاً نیک وصالح تھے، تواضع آپ کے اندر کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔ آپ کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی، تمام فنون میں مہارت رکھتے تھے، جماعت کی نماز کے بے انتہا پابند تھے اور جمعہ کے دن ہمیشہ صلوۃ التسبیح پڑھا کرتے تھے''۔ آپ کے مختصر کلام کے بعد حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری طلبہ سے مخاطب ہوئے اور مختصر فرمایا: میں نے حضرت علیہ الرحمہ سے شرح جامی پڑھی ہے، آپ نے تقریباً ۶۵ رسال دار العلوم کی خدمت کی، مزاج میں تواضع تھی، چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں کا احترام کرتے تھے، اللہ ہمارے غم کو سکون میں تبدیل کردے''۔ آپ کے بعد اخیر میں مولانا عبد الحق صاحب شیخِ ثانی کرسی پر کچھ کلمات کہنے کے لئے تشریف لائے ،ارشاد فرمایا یہاں کے درودیوار آپؒ کی آواز سے گونج رہے ہیں، آپ ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں گے، آپ بخاری کا سبق پڑھانے کے بعد اپنی اقامت گاہ پر بخاری شریف کی عبارت پڑھا کرتے تھے، **مراعة الخلق مع رضاء الخالق** کے مصداق تھے، آج تک کسی نے ان کی شکایت نہیں کی، سبھی ان کے مداح تھے، آج وہ اٹھ گئے لیکن بہت کچھ چھوڑ گئے، انتقال کی اطلاع ملتے ہی لوگ غموں میں ڈوب گئے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے زلات کو معاف فرمائے''۔ پھر آپ ہی کی دعا پر یہ تعزیتی پروگرام (جس میں طلبہ کی کثیر تعداد شریک تھی) اختتام پذیر ہوگیا۔ ظہر کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی، جنازہ میں اتنا بڑا جمِ غفیر شریک تھا کہ اس مجمع پہ قابو پانا بہت مشکل تھا سلام پھیرتے ہی تمام لوگ بیک وقت جنازہ پہ ٹوٹ پڑے اور قریب کے لوگوں نے اس پیکرِ علم وعمل مجسمہ فضل وکمال کو کاندھے پر اٹھایا اور مجمع کو طوعاً وکرھاً چیرتے ہوئے، بمشکل مزارِ قاسمی پہنچے بعد ازاں مرحوم کو ہمیشہ ہمیش کے لئے اس تنگ مکان میں سپرد خاک کردیا گیا۔ سب نے ہاتھوں میں مٹی لے کر چہار جانب سے پہلی مرتبہ ''**منها خلقناكم**'' دوسری مرتبہ'' **وفيها نعيدكم** '' اور تیسری مرتبہ ''**ومنها نخرجكم تارة أخرى**'' کہہ کر مٹی ڈال دی اور خود موت کی یاد تازہ کرتے ہوئے ہاتھ جھاڑ کر باہر نکلتے گئے۔

وہ مخزن علوم نبوت نہیں رہا — اسلاف کا نمونہ و پرتو نہیں رہا
تھا جس پہ ناز مادرِ علمی کو دوستو — افسوس اپنا آج وہ رہبر نہیں رہا

یاد گار اسلاف

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

محمد زین العابدین قاسمی

خطیب وامام جامع مسجد وقاضی شہر ومہتمم مدرسہ فرقانیہ قاسم المعارف جامع مسجد بلندشہر

موت ایک اٹل اور نا قابل انکار حقیقت ہے، اللہ کی جانب سے جو وقت جس کی موت کا مقرر ہو چکا ہے بالکل اسی وقت میں اس کی موت کا واقع ہو نا یقینی ہے۔ اس میں ذرہ برابر بھی پس وپیش کی گنجائش نہیں ہو سکتی، ارشاد خداوندی ہے ”فاذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون“ (الاعراف: آیت ۳۴)

سو جس وقت ان کی میعاد معین میں آجائیگی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کرنے والوں میں اکثر لوگ وہ ہوتے ہیں جن کے سوگواروں کی تعداد مختصر اور جن پر غم کرنے والوں کا حلقہ محدود ہوتا ہے اور بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جن کی ذات، کمالات اور گوناگوں خوبیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ جن کی زندگی کا ایک ایک سانس علم دین کی اشاعت اور دوسروں کی نفع رسانی میں گذر جاتا ہے۔ جن کے بلند اخلاق وکردار کی آسمان کو چھوتی ہوئی بلندیوں کو دیکھ کر لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل ہوئے بغیر نہیں رہ پاتے۔ ایسا شخص جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو لوگوں کے ایک بڑے طبقے کو اس کے چلے جانے کا غم ہوتا ہے اور اس کو کھو دینے کے بعد اسکی قدر وقیمت کا احساس اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی منتخب اور برگزیدہ شخصیات میں سے نمونۂ سلف صالحین، یادگار اکابرین، جامع المعقول والمنقول حسن ظاہری وباطنی سے آراستہ وپیراستہ محدث جلیل، استاذ الاساتذہ جناب حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی تھی جو ۱۹؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴؍فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات تقریباً ۹۶؍سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

رہ رہ کر حضرت والا کی کرم فرمائیاں یاد آتی ہیں اور غم فراق تازہ ہو جاتا ہے۔ میرا مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ بھی حضرت والا کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ تھا۔

احقر حضرت استاذ محترم حضرت مولانا صدیق حسن صاحب سہنسپوری صدر مدرس ”مدرسہ قاسمیہ عربیہ اسلامیہ، بلندشہر“ کے ایماء پر قاری حبیب الرحمٰن صاحب بلندشہری ثم دہلوی کے ہمراہ دیوبند پہونچا۔ دوران داخلہ حضرت والا کے دولت کدہ میں سات آٹھ روز کے قیام کی سعادت حاصل ہوئی، ناشتہ وکھانے کا نظم بھی حضرت والا کے یہاں رہا۔ حضرت والا انتہائی شفقت ومحبت سے ضیافت فرماتے۔ حضرت والا کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ مہمانوں کو دیکھ کر حضرت والا کا چہرہ خوشی سے کھل جاتا تھا۔ ضعف کی وجہ سے ہاتھ میں لرزہ سا پیدا ہوتا، اس کے باوجود حضرت والا اپنے ہاتھوں سے چائے وغیرہ نکال کر دیتے اور جس وقت مہمانوں سے کہتے لیجئے بھئی کھائیے! حضرت والا کے کھانے کے لئے یہ ترغیبی جملے کھانے سے زیادہ مزیدار لگتے۔ پھر جب دارالعلوم میں قیام وطعام کا انتظام ہو گیا تو حضرت والا نے علاقۂ بلندشہر کے طلبہ کو میرا خیال رکھنے اور میرے ساتھ خیر خواہانہ معاملہ کرنے کی تاکید کی اور آخر تک حضرت والا کی عنایتیں حاصل رہیں۔

آپ کے اوصاف وکمالات ایک ایک یاد آتے ہیں۔ علوم اسلامی میں مکمل مہارت، علم حدیث سے خصوصی مناسبت، علم دین کی اشاعت، وقت پر درسگاہ میں حاضری، درس کی پابندی، کبھی عشق رسول اور صحابہ وتابعین اور اکابرین میں دل بھر آنا اور آواز کا بھاری ہو جانا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا نکل آنا، اساتذہ کا انتہائی ادب واحترام، ذمہ داری سے ذمہ داریوں کا نبھانا، معمولات کی انجام دہی، خلق خدا کی خدمت، عبادت وریاضت، تقویٰ ودیانت بڑوں کا اکرام، خوردوں پر شفقت ورأفت، خوف وخشیت، خلوص وللّٰہیت، مہمان نوازی، خودداری، حلم وبردباری، نیک نفسی، خیرخواہی، نرم مزاجی، رحم دلی، سادگی،

متواضعانہ زندگی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا کی شخصیت اسلاف کا کامل نمونہ تھی۔ آپ کے بعد آپ کے ان اوصاف میں ہمارے لئے رہنمائے نقوش موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان صفات کو اختیار کرنے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ آپ سے حقیقی محبت کا تقاضا یہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اس عظیم صدمہ پر اجر جزیل عطا فرمائے (آمین)

☆☆☆☆☆

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدرالمدرسین مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

خدمات ، حالات،تأثرات ،خصوصیات

خلیل الرحمٰن قاسمی استاذ جامعہ ندوۃ الابرار، بنگلور

’’اوفوہ!!! کیسے کیسے لوگ اٹھتے چلے جارہے ہیں،ان کے ساتھ میرا ایک سفرحج ہوا بہت سادہ طبع اورمتواضع تھے،سفرحج کے موقع پرعام طور سے حضرت والاٹھہرنے کی ترتیب میں مجھے اپنے ساتھ رکھتے‘‘۔ یہ الفاظ تھے دارالعلوم سبیل الرشاد کے شیخ الحدیث اور مہتمم،امیرِ شریعت کرناٹک حضرت مفتی اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کے،جس وقت کہ احقرنے ان کو ۴ فروری کی صبح بذریعہ فون حضرت شیخ الحدیث کے انتقال کی خبردی.....وہ اوصاف نبوی کے حامل تھے۔ یہ عنوان تھا،مولاناظفرریاست علی بجنوری محدث دارالعلوم دیوبندکی اس تقریر کا جوانہوں نے حضرتؒ کے سانحہ ارتحال کے موقع پرمنعقدجلسۂ تعزیت میں اساتذہ وطلبۂ دارالعلوم کے سامنے گوش گزارکی۔

حضرت مولانانصیراحمدخانصاحب کاوجودعجائب قدرت میں سے ایک نادرعجوبہ اورکرشمہ خداوندی تھا،اس دورمیں ایسے لوگ مفقود ہیں.....ان خیالات کا اظہارکیا تھا۔حضرت مولانا یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسۂ مظاہرالعلوم وخلیفہ حضرت اقدس مولانا زکریا صاحب قدس سرہ نے.....سادہ طبعی حددرجہ تواضع وکسرنفسی،حق گوئی وبے باکی علم وعمل سے بھرپورومعمور،عشق الٰہی ومحبت رسول،ہمدردی ومحبت،خلق سے شفقت،اجلاکیریکٹر،صاف وشفاف کردار،تبحرعلمی،معقولات میں درجۂ امامت،منقولات میں سمندرکی گہرائی،بےلوث بےغرض،اللہ ہی کیلیے جینااوراسی کیلیے مرنا،کامل خلوص واحسان صدق وصفا،پاکیزگیٔ اخلاق،مزکی ومجلی قلب،کدورتوں سے صاف سینہ،جودوسخاوت،حلم وذکاوت قادرالکلامی وشستہ گوئی وقارومتانت اورجلال وجمال کاحسین امتزاج جودیکھے پکاراٹھے ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم ۔ان تمام خوبیوں سے متصف تھے شیخ اول علامۂ دوراں حضرت اقدس مولانانصیراحمد خانصاحبؒ۔ان حقائق کا اظہارکررہاہےآج ہروہ شخص جس نےآپ کے سامنے زانوئے تلمذتہہ کیا،یاقریب سےآپ کودیکھا.....بلاشبہ آپ سے پڑھنے والوں کی ایک خاص تعداداللہ کوپیاری ہوگئی لیکن آپ کے تلامذہ کی ایک بڑی تعدادموجودہے۔جوچہاردانگِ عالم میں علم وعمل کی شمعیں روشن کئے ہوئے ہیں۔

حضرت شیخ اول کی رحلت کی خبران تمام فیض یافتگان پرصاعقۂ آسمانی بن کرگری۔سب رنجیدہ اورملول ہیں،ہرایک کودکھ ہے،دردہے،غم ہے۔ لیکن قدرتِ الٰہی کے سامنے سب بےبس وعاجزہیں۔کون نہیں جانتاکہ ہرنفس کوموت کامزہ چکھناہے۔سب جانتے ہیں کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے،وہ وقت مقررہ پرآتی ہے،اس وقت ایک منٹ کی بھی تقدیم وتاخیر ناممکن ہے۔مضبوط قلعوں میں محفوظ رہ کربھی موت سے نہیں بچاجاسکتا موت وہاں بھی آکر رہےگی۔

نبی،ولی،محدث،صوفی،فقیہ،عالم،جاہل،امیر،فقیر،کالےگورے،مسلم،غیرمسلم ہرایک کوموت آئی ہےاورہرایک کیلئے مقدرہےلیکن موت ،موت میں فرق ہوتاہے۔بہت سےحضرات کی موت ان کیلئے حیاتِ جاودانی کاپیغام لاتی ہے۔وہ اپنے کارناموں کی بدولت زندہ رہتے ہیں،ان کی موت سے ایک عہدکاخاتمہ اورایک نئے باب کاآغازہوتاہے وہ اپنے پیچھے ایسے انمٹ نقوش چھوڑجاتے ہیں جن کواختیارکرکے ہزاروں لوگ منزلِ مقصودتک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ایسےلوگوں کی زندگی کے ہرلمحہ کوتاریخ اپنے سینے میں جگہ دیتی ہے۔

لاریب!شیخِ اول نصیراحمدخانصاحبؒ انہیں رجالِ کارمیں سے تھےجن کے نقوش کی روشنی میں قیامت تک آنے والی نسلیں روشنی حاصل کرتی رہیں گی

مولاناؒ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ میں بلند شہر کے ایک گاؤں "بسی" میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ خوش حال اور متمول تھا۔ آپ کے آباء واجداد مغلوں کے دور میں کابل سے آئے، اور ضلع بلند شہر میں دریائے گنگا کے کنارے بس گئے۔ ان سے وہاں بارہ بستیاں مختلف ناموں سے آباد ہوئیں۔ ان تمام بستیوں میں زیادہ تر انہیں مغلوں کے دور میں بسنے والے پٹھانوں کی اولاد ہے۔ ان بستیوں میں سے ایک بستی کا نام ''بسی'' ہے جو حضرتؒ کا مقام پیدائش ہے زمیندارانہ ٹھاٹھ باٹ اور رئیسانہ شان وشوکت کے ساتھ پٹھان اپنی زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ خانصاب شیخ اولؒ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا زمینداری اور تمولی نے ہماری بستی والوں کو عیش پسند بنادیا تھا، بے شمار افراد شراب وکباب کے عادی تھے۔ اور گھمنڈ گویا ان کی گھٹی میں رچ بس گیا تھا۔ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ آئے دن جگہ جگہ مجرے منعقد ہوتے، گھروں میں ناچنے اور گانے والیاں بلائی جاتیں۔ رات میں کسی ضرورت سے گھر سے باہر جانے کا اتفاق ہوتا تو کئی گھروں سے رقاصاؤں اور مغنیات کے گانے کی آوازیں مستقل کا معمول تھا۔ عیش ونشاط اور تاریکی کے اس ماحول میں کئی گھرانے دین کے روحانی وحیات بخش ماحول اپنائے ہوئے تھے اور دینی اصول وضوابط پر سختی سے کاربند تھے جسکے نتیجہ میں اللہ نے ان کو علم ویقین کی دو ایسی شمعیں عطا کیں جن کی روشنی سے آج ان گنت افراد کے سینے نور نبوت اور علم وعرفان سے جگمگا رہے ہیں۔ شمعِ اول مہاجرِ مدنی حضرت مولانا عاشق الٰہی برنی اور شمع ثانی ہمارے ممدوح ومقصود حضرت شیخ الحدیثؒ ہیں۔ مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ آپ کے بچپن کے ساتھی اور قریبی رشتے دار تھے۔ عمر میں آپ سے چھوٹے تھے، دونوں ذہین، فطین، لاابالی پن سے کوسوں دور، ہاں اتنا ضرور تھا جیسا کہ عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت نے خود سنایا کہ فارغ اوقات میں ہم بستی کے باہر دریا کے کنارے بیٹھ جاتے آموں کا ڈھیر اپنے پاس رکھ لیتے کچھ کھاتے اور جو کھانے کے قابل نہ ہوتے ان کو دریا میں پھینکتے اور پانی کے ساتھ آموں کی دوڑ اور مسابقت سے لطف اندوز ہوتے۔ ہندوستان کا یہ تاریخی دریا جس کے کناروں سے تاریخ کی اس عظیم اور دیگر بے شمار افراد کی یادیں وابستہ ہیں دریائے گنگا کہلاتا ہے۔

جب تقسیم ہند کا روح فرسا اور دل دہلا دینے والا واقعہ پیش آیا جس نے ہزاروں بستیوں کو اجاڑ دیا، لاکھوں قتل ہوئے، عزتیں اور عصمتیں لوٹی گئیں، گھر لٹ گئے، مسلمان پٹ گئے، بچے بھی سفاکیت کی نذر ہوئے، بوڑھے ناتواں، کمزور دہشت سے موت کے منہ میں گرے، جو باقی رہ گئے وہ بہت کمزور ضعیف اور ناتواں و مضمحل بن کر رہے، غرض ایک داستان الم ہے جو جگر کو پاش پاش کر دیتی ہے ایک تکلیف دہ حقیقی افسانہ ہے جو ہر جگر والے کے پتہ کو پانی اور خوں کو پتلا کرنے کیلئے کافی ہے۔ تقسیم ہند کے اس واقعہ سے پٹھانوں کی یہ بارہ بستیاں بھی متاثر ہوئیں، یہاں بھی بہت سے گھرانے اجڑے کچھ قتل ہوئے اور کچھ پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہوگئے، خیر وعافیت سے پاکستان پہنچ جانے والوں میں ایک گھرانہ مولانا عاشق الٰہی بلند شہری کا بھی تھا۔ مولانا بذات خود کچھ عرصہ ہندوستان رہے پھر پاکستان ہجرت کر گئے، وہاں عالمی میدان میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اللہ نے مولانا کی خدمات کو قبولیت سے نوازا اور ان کی تصانیف کو مقبولیتِ عامہ عطا کی۔

مزید فضل یہ کیا کہ ان کو دیارِ حبیب ﷺ میں رہ کر خدمات کا موقع فراہم کیا۔ مولانا نے اس حسین موقعہ کا خوب خوب فائدہ اٹھایا، بہت تھوڑے وقت میں بڑا علمی ذخیرہ امت کے حوالے کر گئے اور پھر رمضان ۱۴۲۲ھ۔ کو علم وعمل کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔

تقسیم کے سال حضرت شیخ دارالعلوم میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے اور کمال یکسوئی اور پوری توجہ کے ساتھ اپنی علمی ضیا پاشیوں سے طلبہ دارالعلوم کے سینوں کو منور کر رہے تھے، جب اساتذہ میں کمال اور وفور علم ہو اور طلبہ میں طلبِ علم کا سچا جذبہ اور لگن اور گھلا دینے والا شوق ہو تو پھر خدائے علیم وخبیر کے یہاں سے دولتِ علم کی برسات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اوائلِ تدریس سے سبکدوشی تک حضرت شیخ کی یہ خصوصیات رہی کہ آپ نے تدریس میں انتہائی محنت اور لگن سے کام لیا۔ آپ نے کوئی کتاب محض کتاب اور متعلقات کتاب دیکھ کر نہیں پڑھائی بلکہ ہر کتاب کو فن دیکھ کر پڑھایا۔ جس محنت سے آپ نے علم حاصل کیا اس سے کہیں زیادہ محنت آپ تدریس میں کرتے۔

حضرت شیخ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ آپسی اختلافات کو بہت برا جانتے آپسی اختلافات سے آپ خود بھی پرہیز کرتے اور اپنے متعلقین

کو بھی اس بری بلا سے بچنے کی تلقین فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ دارالعلوم دیوبند کے مشہور قضیۂ نامرضیہ میں بھی آپ یکسو رہے اگر چہ دل کا میلان حضرت قاری طیب صاحبؒ کی طرف تھا۔ اسی کے ساتھ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے احترام میں بھی کبھی کوتاہی نہیں کی، مولانا مدنی چونکہ حضرت شیخ کے استاذ زادہ تھے اس لئے ان کو ہمیشہ عزت واحترام اور عظمت کی نگاہ سے دیکھا۔ تدریس میں آپ حضرت مدنیؒ کے اسلوب کے قائل تھے، مشکوۃ شریف میں مسائل، اختلاف ائمہ، اور مختصر دلائل اس انداز سے بیان فرماتے کہ پورا درس طلبہ کے ذہن نشین ہو جاتا، اور ترمذی شریف میں آپ مسائل اور اختلاف ائمہ کی وضاحت اور دلائل قدرے تفصیل سے بیان فرماتے اور پھر مسلک احناف کو اصول کی روشنی میں ترجیحی حیثیت سے واضح فرماتے۔

درسِ بخاری شریف میں مسائل اور اختلافِ مسائل میں ضروری درجہ کی گفتگو فرماتے البتہ تراجمِ ابواب پر محققانہ گفتگو فرماتے ترجمۃ الباب اور ذیل میں درج حدیث کے درمیان مطابقت جو کہ کئی جگہ کافی وقت اور نکتہ شناسی چاہتی ہے آپ کی پیش کردہ درسی توضیح سے بسہولت سمجھ میں آجاتی۔ دورانِ درس ظریفانہ گفتگو بھی فرماتے، اس قسم کی گفتگو اس وقت فرماتے جب سبق دیر تک جاری رہنے کی وجہ سے آپ طلبہ میں اکتاہٹ والی کمزوری محسوس فرماتے۔ ایک موقع پر آپ نے دورانِ درس بوجھ بجھکڑ والی کہانی سنائی جس سے طلبہ بہت محظوظ ہوئے۔ آپ نے فرمایا! ایک گاؤں میں ایک چودھری تھا جسے گاؤں والے بوجھ بجھکڑ کہتے۔ گاؤں والے اپنے فیصلے اس کے پاس لے جاتے، ایک دفعہ گاؤں سے رات میں ایک ہاتھی گزر گیا۔ صبح کو لوگوں نے پاؤں کے نشانات دیکھے تو بہت گھبرائے یہ کون انسان ہے جس کے اتنے موٹے اور بڑے پاؤں ہیں یا کوئی جانور ہے، لوگ بوجھ بجھکڑ کو بلا لائے اس نے بہت غور وخوض سے نشانات قدم کا معاینہ کیا اور کہا کہ سمجھ میں آگئی بات! اس نے کہا یہ نشانات ہرن کے قدم کے ہیں اس کا پاؤں چکی کے پاٹ میں پھنس گیا وہ چکی کے پاٹ کو یونہی لے کر چلتا رہا اور رات میں یہاں سے گزرا۔ یہ کہہ کر وہ ہنسا پھر رویا، لوگوں نے دریافت کیا صاحب آپ پہلے ہنسے پھر روئے کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنی سمجھ پر خوش ہو کر ہنسا کہ کیسی کیسی پیچیدہ باتیں میری سمجھ میں آجاتی ہیں اور رویا اس لئے کہ میرے جانے کے بعد تمہیں ایسی سمجھ بوجھ کی باتیں کون بتائے گا؟ حضرت والا نے یہ کہہ کر فرمایا کہ بھائی میری مثال بوجھ بجھکڑ کی سی ہے۔ اس واقعہ سے جہاں آپ کی زندہ دلی اور طبعی ظرافت کا پتہ چلتا ہے وہیں آپ کی کسر نفسی اور تواضع بھی خوب مترشح ہوتی ہے۔ پورے سال پابندی سے آپ کا سبق جاری رہتا، مشکل سے مشکل حالات میں بھی سبق کا ناغہ نہ کرتے، سبق کے ناغہ کی تعبیر آپ کے یہاں تعلیم کے خون سے تھی، روزانہ عصر کے بعد گھر پر عمومی مجلس ہوتی جس میں آپ کمال بشاشت سے شریک ہوتے، عام طور سے دورانِ مجلس چائے اور کبھی خاص مناسبت اور کبھی بلا مناسبت چائے کے ساتھ لوازمات بھی ہوتے، مجلس میں دارالعلوم کے کئی اساتذہ اور زیادہ تر طلبہ ہوتے، علمی سوالات، فنی موشگافیاں، اکابر کے حالات، امت کو درپیش مسائل اور تقاضے اس مجلس کا عنوان ہوتا، مجلس کے ہمیشہ کے حاضر باش، حضرت کے خاص پروردہ اور تربیت یافتہ حضرت قاری شفیق الرحمٰن صاحب استاذِ قرأت دارالعلوم دیوبند اس مجلس میں حضرت کے ترجمان ہوتے، شیخ حضرت قاری صاحب سے بہت ہی مانوس اور بے تکلف تھے، قاری صاحب موصوف شیخ کو روز بروز لطائف سناتے جس سے حضرت اور پوری مجلس بہت محظوظ ہوتی..... تواضع اور کسرِ نفسی کی انتہا تو دیکھئے کہ ایشیا کی سب سے عظیم دینی درسگاہ کا یہ شیخ الحدیث اپنے مہمانوں کیلئے چائے فنجان میں خود اپنے ہاتھ سے نکالتا۔

طوالت مائل درمیانی قد، بیضوی چہرہ، کشادہ ابرو بڑی بڑی اور سرمگیں آنکھیں، گورا سرخی مائل رنگ، سر اور داڑھی کے بال مکمل سفید، کھڑی ناک، کاغذی ہونٹ، آنکھیں بے عینک، سر پر دو پلی ٹوپی اور کبھی عمامہ جو خوب جچتا، بلند اور کڑک آواز، تلفظ میں شفافیت گفتگو میں سنجیدگی اور شستگی لمبے بازو اور گداز نرم ہاتھ خدا کی قسم قدرت نے آپ کو بہت خوب صورت اور خوب سیرت بنایا تھا۔ خوش اخلاقی میں آپ بے نظیر تھے، جو بھی آپ کو ایک دفعہ دیکھ لیتا کبھی نہ بھولتا۔ صبر وشکر میں بھی آپ اکابر کے سچے پیرو کار تھے، عین جوانی کے عالم میں آپ کی رفیقۂ حیات آپ کو داغِ مفارقت دے گئیں، مرحومہ کئی چھوٹے اور ننھے بچے چھوڑ کر گئیں، اس موقعہ پر جس صبر وضبط کا آپ نے مظاہرہ کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا، ان چھوٹے بچوں کی آپ نے اپنی علمی مصروفیات میں کمی لائے بغیر بہت اچھی تربیت کی۔ تصنیف وتالیف کا آپ کو ذوق نہیں تھا لیکن پھر بھی جو لکھا بہت اچھا لکھا، چغمینی فنِ ہیئت کی مشہور کتاب ہے، حضرت شیخ الحدیثؒ

نے اس پر مفید حاشیہ تحریر فرمایا یہ حاشیہ عربی زبان میں ہے، اس حاشیہ نے اس کتاب سے استفادہ کو آسان بنا دیا، چغمینی کے ساتھ یہ حاشیہ مطبوعہ ہے، اور آج چونکہ یہ کتاب مدارس میں داخل نصاب نہیں رہی اس لئے نایاب ہے، قرآن پاک کے آپ عاشق تھے، فنِ قرأت میں آپ کو خصوصی ملکہ حاصل تھا اور اس فن کے نشیب وفراز سے آپ اچھی طرح واقف تھے، حسن صورت کے ساتھ حسن صوت بہت بڑی نعمت ہے قدرت نے آپ کو ان دونوں نعمتوں کا جامع بنایا تھا، بہت عمدہ اور بلند آواز کے مالک تھے ایک لمبے عرصہ تک تمل ناڈو کے مشہور شہر کویمبتور میں قرآن عظیم کی تفسیر کیلئے آتے رہے، یہ سفر آپ کا ہر سال رمضان المبارک کے مبارک مہینہ میں ہوتا اس لئے تفسیر کے ساتھ تراویح میں قرآنِ پاک سنانے کی ذمہ داری بھی آپ خود لیتے ، جن حضرات نے آپ کے پیچھے تراویح پڑھی ہیں آج بھی وہ حضرت کی آواز کو یاد کر کے تڑپ جاتے ہیں، کم وبیش ۳۰ سال آپ نے رمضان المبارک کی خیر وبرکت سے بھرپور ساعتیں کو ئمبتور میں گزاری ہیں۔ اس شہر میں اللہ نے آپ سے بہت سا اصلاحی کام لیا ہے یہاں آپ کی مساعی سے ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی جو آج شہر کی مرکزی مسجد شمار ہوتی ہے۔

شیخ علیہ الرحمۃ کی یادگار مجلسوں میں سے ختم بخاری کی مجلس بھی ہے، مجلس ہر سال ختم بخاری کے موقعہ پر منعقد ہوتی، اس مجلس کے موقعہ پر دارالعلوم کی رونق دوبالا ہو جاتی، قریبی گاؤں دیہات کے ہزاروں محبانِ دارالعلوم ومحبانِ شیخ دارالعلوم میں جمع ہو کر اس مبارک مجلس کی شرکت سے اپنا دامن سعادتوں اور برکتوں سے بھرتے، اس موقعہ پر حضرت شیخ علیہ الرحمہ بخاری کی آخری حدیث **کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم** پر بہت دلنشیں انداز سے کلام فرماتے تقریر کے بعد رقت آمیز دعا فرماتے یہ دعا بڑی طویل ہوتی جس میں مسلمانانِ عالم کیلئے اور خصوصا دارالعلوم دیوبند کی حفاظت کیلئے انتہائی الحاح وگریہ کے ساتھ دعا فرماتے۔ دورانِ دعا طلبۂ دورۂ حدیث کا عظمت حدیث کی علامت درسگاہ دارالحدیث میں تڑپنا وبلبلانا، مادر علمی کی مفارقت کے صدمہ سے غم والم میں آہیں بھرنا۔ ایک عجیب منظر ہوتا، آہوں سسکیوں، پرنم آنکھوں، درد بھری آوازوں پر یہ مجلس اختتام پذیر ہوتی۔

آہ!!! آج وہ مجلس نہیں رہی اس مجلس کے صدر نشیں بھی نہ رہے۔ ۲۰۰۲ء میں ختم بخاری کی اس طرح کی آخری مجلس تھی اور ۱۴؍فروری شب ۲۰۱۰ء کو مجلس کے گل سرسبد اور جماعتِ دارالعلوم دیوبند کے سرخیل وصدر مالک حقیقی سے جا ملے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

☆☆☆☆☆

نوٹ: احقر کا یہ مضمون ''راشٹریہ سہارا، بنگلور ایڈیشن'' میں ۱۹؍فروری ۲۰۱۰ء کو شائع ہوا۔

شیخ الحدیث

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

کے سانحۂ وفات پر ایک تأثر

مولانا محمد ساجد کھجناوری

مدرس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۴؍فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کاتب الحروف حسب معمول جیسے ہی نیند سے بیدار ہوا اور نماز وغیرہ کی تیاری میں لگا ہی تھا کہ اچانک موبائل کی گھنٹی بجی ریسیو کیا تو دوسری طرف سے برادرم مولانا محمد طیب قاسمی شریک افتاء دار العلوم دیوبند نے انتہائی مغموم لہجہ میں خبر دی کہ استاذ محترم حضرت مولانا نصیر احمد خان سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے، بے ساختہ زبان پر استرجاع کے کلمات جاری ہو گئے اور ان کی فرشتہ صفت شخصیت کی جو یادیں اور باتیں ذہن کے نہاخانوں میں رچ بس گئیں تھی مزید گہری ہوگئیں، اس لئے بھی کہ دار العلوم دیوبند کے دس سالہ قیام میں راقم جن عبقری شخصیات سے غیر معمولی طور پر متأثر ہوا اور جن کے علم وعمل کے روشن چراغوں سے ذہن وافکار کی تاریکی کے پرہول سناٹے کافور ہوئے ان میں استاذ اکبر حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب بھی تھے، گو ان کی پیرانہ سالی اور علالت کے سبب ان سے بخاری شریف کے اسباق محض چند ماہ تک ہی پڑھنے کی سعادت حصہ میں آئی لیکن اس درمیان جو کچھ ان سے پڑھا اور سنا وہ ان کی یادوں کی محفل سجانے کیلئے کافی ہے۔

اللہ رب العزت نے انہیں بے شمار خصائلِ حمیدہ سے آراستہ کیا تھا۔ ان کے چہرے پر معصومیت کا غازہ ہوا کرتا تھا۔ شیریں گفتار، خوش فکر، خوش اخلاق اور دل نواز، نشست و برخواست باوقار، لب ولہجہ میں سنجیدگی وٹھہراؤ، طلبہ ومتعلقین کے ساتھ محبت وشفقت، ان کے ساتھ ہمدردانہ جذبات اور خود نہایت پاکیزہ و پاکباز، دنیوی ہنگاموں اور احتجاجات سے دور، صرف لکھنا پڑھنا ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اپنا پورا وقت تدریس ومطالعہ، ذکر وفکر اور عبادت ہی میں گزارتے تھے، دار العلوم دیوبند کے قضیۂ نامرضیہ کے موقع پر بھی وہ الگ تھلگ رہے اور اپنے مفوضہ تدریسی فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

آپ کی پیدائش ۲۱؍ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۸ء کو ضلع بلند شہر یوپی کے بسی گاؤں میں ہوئی، تعلیم کے تمام مراحل مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں طے کئے، مزید استفادہ کیلئے ازہرِ ہند دار العلوم دیوبند تشریف لائے اور ۱۳۶۲ھ میں دوبارہ حدیث شریف پڑھی، آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا بشیر احمد خان اور حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک جیسے مشاہیر سرِ فہرست ہیں۔

دار العلوم دیوبند میں آپ نے تقریباً ۶۵؍سال درس دیا جن میں ۳۲؍سال صرف بخاری شریف کی تدریس کے ہیں، دریں اثناء دار العلوم میں آپ نے متعدد مناصب کو زینت بخشی دار العلوم کے صدر المدرسین و کارگزار مہتمم ہونے کے علاوہ ایک عرصے تک دار الاقامہ کے نگراں بھی رہے، طلبہ میں آپ بے حد مقبول تھے، آپ کا اندازِ درس بہت خوبصورت تھا، یہی وجہ تھی کہ تمام طلباء پابندی کے ساتھ آپ کے متعلقہ گھنٹہ میں شروع سے اخیر تک شریک رہ کر اپنا اپنا دامن مراد بھرتے، حضرت مولانا عبارت پڑھوانے کے بعد روایت پر کلام کرتے اور نہایت جامع انداز میں اس پر روشنی ڈالتے، تراجم الابواب پر ان کی مربوط تشریحی گفتگو دل شاد کر دیتی، علوم عقلیہ ونقلیہ پر انہیں یکساں قدرت تھی، علمِ ہیئت کی پرخار وادیوں کے تو وہ سیاح اکبر تھے اپنے بعض دیگر بزرگوں سے سنا کہ علمِ ہیئت پر حضرت شیخ اول کی نظر گہری ہے اور اس راہ کے وہ تنِ تنہا مسافر ہیں۔

حضرت مولانا کی کن کن خوبیوں اور خصوصیتوں کا تذکرہ کیا جائے، وہ علم وادب کے روشن چراغ تھے اس دور قحط الرجال میں ان کا سایہ بسا غنیمت تھا انہوں نے دار العلوم کے خیر القرون کے محدثین واساتذہ کرام کا جلوۂ جہاں آرا دیکھا تھا جن کی گوناگوں صفات وامتیازات کے وہ حسین سنگم تھے اور ان کی

روشن روایتوں کا انہوں نے نہ صرف تحفظ کیا بلکہ دیانت وامانت کے ساتھ انہیں آگے بڑھایا اور نسل نو میں انہیں منتقل کرنے کی سعی مشکور کی، ان کی محبتیں اور شفقتیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، افسوس کہ دنیا بہت تیزی کے ساتھ ایسے لوگوں سے خالی ہو رہی ہے، جن چراغوں کی لو قیامت تھی وہ اب گل ہوتے جارہے ہیں تاریکی اپنے پاؤں پسار رہی ہے، حضرت مولانا نصیر احمد خان کا سانحہ ارتحال علمی برادری کا ناقابل تلافی نقصان ہے، جس کی بھرپائی بظاہر دشوار نظر آرہی ہے۔ آج کے اس ناگفتہ بہ دور میں ان جیسے مصلحین ومربیین اور باتوفیق مدرسین کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد ولكنه بنيان قوم تهدما

کاتب الحروف نے ان کے طلباء کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کا بارہا مشاہدہ وتجربہ کیا، طلباء کے مسائل کے حل میں وہ خصوصی دلچسپی لیا کرتے تھے اور سب کے کام آیا کرتے تھے، ایام طالب علمی میں اگر طلباء ماہنامہ دارالعلوم یا کسی اور رسالے میں مضمون لکھتے تو مولانا بہت خوش ہوتے تھے بلکہ بعض دفعہ بلا کر ہمت افزائی بھی کیا کرتے اور مزید کچھ کرنے کی ترغیب وتلقین فرماتے، سال گذشتہ سے پیوستہ سال جب راقم دورۂ حدیث شریف کا متعلم تھا تو حسبِ سابق سال کے اختتام پر رفقاء دورۂ حدیث ''نصیر کارواں'' کے نام سے ایک ڈائری نکالنے کا پختہ ارادہ کیا چنانچہ ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، برادرم مولانا عبد الرحمٰن اجمل قاسمی ابن حضرت مولانا بدرالدین اجمل (رکن شوری دارالعلوم دیوبند وممبر پارلیمنٹ) اور دوسرے بعض ارکان نے ڈائری کے مشمولات و مضامین کی ذمے داری احقر کے سپرد کی، باتفاقِ رائے طے ہوا کہ امسال حضراتِ اساتذۂ کرام کے پیغامات بھی شاملِ اشاعت کئے جائیں چنانچہ، حضرت شیخِ اول سے بھی پیغام لکھنے کی درخواست کی فرمانے لگے مولوی صاحب! تم ہی لکھ لو ضرورت پڑی اصلاح کروں گا احقر نے اس موقع پر جو لکھا تھا وہ درج ذیل ہے۔

نحمده و نصلى على رسوله الكريم ،اما بعد:

عزیزان گرامی قدر! آپ حضرات خوش قسمت اور قابلِ مبارک باد ہیں کہ آپ نے علم وعمل کی مثالی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے ایک مرحلہ کی تکمیل کی ہے اور اب ایک نئے مرحلہ میں آپ داخل ہورہے ہیں اللہ رب العزت قدم بقدم آپ کی حمایت ونصرت فرمائے اور جملہ شرور وفتن سے محفوظ رکھے، آمین۔

عزیزان گرامی! میری نصیحت اس وقت یہی ہے کہ آپ کی زندگی کا مقصدِ علم دین کی تبلیغ واشاعت اور اس کا تحفظ ہونا چاہئے، دین وشریعت کی مکمل پیروی آپ کا نصب العین ہو اور یاد رکھئے اس وقت اسلام عالمی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، مخالفین اس کی پاکیزہ تعلیمات اور اس کے نام لیواؤں کو ہدفِ تنقید بنارہے ہیں، ایسے ناگفتہ بہ احوال میں آپ کی ذمے داریاں مضاعف ہوجاتی ہیں کہ اسلام کو انسانیت کی ناگزیر ضرورت اور نجات دہندہ مذہب ثابت کر دکھائیں، اللہ ہم سبھوں کے ساتھ خیر کثیر کا معاملہ فرمائے (آمین) بندہ بھی آپ کی نیک تمناؤں اور دعاء کا طالب ہے، والسلام۔

(حضرت مولانا) نصیر احمد (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا کو جونہی یہ پیغام ملاحظہ فرمایا تو بہت خوشی کا اظہار کیا اس پر دستخط کئے اور دیر تک دعائیں دیتے رہے، آج جب کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے ان کی وہ عنایات آنکھوں کو اشک بار کررہی ہیں، مضمون کے شروع میں بھی ذکر کیا کہ ان کے سانحۂ رحلت کی اطلاع اسی روز علی الصباح مل گئی تھی فوراً جامعہ اشرف العلوم رشیدی کے میر کارواں حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب مدظلہم کو باخبر کیا گیا، حضرت نے مسجد زکریا میں ان کیلئے ختم کرا کے ایصال ثواب کرایا، ضروری اسباق پڑھا کر حضرت ناظم صاحب اور بعض اساتذہ جنازہ میں شرکت کیلئے دیوبند روانہ ہوگئے، بعد نماز ظہر ان کی نماز جنازہ حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نے ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں پڑھائی، بعد ازاں مزار قاسمی میں وہ آسودہ خاک ہوئے۔ ع

آسمان ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

وفات حسرت آیات شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

بھولے ہیں نہ بھولیں گے نصیر اہل محبت

کاوش: ذکاوت حسین قاسمی امروہوی

مدرسہ سلیمانیہ،عیدگاہ،کاندھلہ،ضلع مظفرنگر

میانہ قد، گورارنگ، چھریرااور ہلکابدن، کتابی چہرہ، فراخ دہن، کشادہ جبین، باریک لب، بڑے کان، لمبی گردن، کپڑے کی سلی ہوئی دوپلی درویشا نہ ٹوپی، گھٹنوں سے ذرا نیچے کرتہ۔ نہ اتنا دراز کہ انگشت نمائی ہواور نہ اتنا اونچا کہ بدنما محسوس ہو، چمکدار آنکھیں جن پر موٹے سیاہ فریم اورسفید آئینہ کی چوکور عینک، ریش مبارک گنجان ایک مشت سے نکلی ہوئی۔ سراور ریش کے بال بالکل سفید، ہاتھ میں عصا (عصا زمین پر رکھنے اور اسکو اٹھانے کا انداز بالکل انوکھا) مجاہدانہ رفتار، نرم لہجہ، آواز میں گرج وکرخت، اورانداز بیان بالکل صاف اور سادہ کہ ایک ایک حرف بآسانی قلم بند کیا جاسکے۔ مذکورہ خاکہ اورساخت کواگر پیکرخاکی میں ڈھال کرکسی چلتے پھرتے کسی حسین وجمیل اور مجسم انسان کا تصور کیا جائے تو یقیناً اس خاکہ سے استاذ الاساتذہ عظیم المرتبت، رفیع الشان ،محدث کبیر، مرجع اصحاب علم، شیخنا وسندنا مولانا نصیراحمد خان صاحب جیسی شخصیت ہی متشکل ہوکر نظر آئے گی۔

جو اپنی ہزاروں ظاہری وباطنی خوبیوں کے سبب حلقۂ احباب دارالعلوم کے اساتذہ منتظمین اوراپنے جاں نثار طلبہ کی نظر میں بے حد مقبول ومحبوب اور حد درجہ قابل احترام تھے، یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی وہ احاطۂ دارالعلوم میں قدم رنجہ ہوتے، سامنے سے گزرنے والے اساتذۂ کرام رک کردست بستہ کھڑے ہوجاتے اورطلبہ کی ایک لمبی قطاران کے اعزاز واکرام میں قدم بقدم پیچھے پیچھے چلتی رہتی تاآنکہ اپنی مسند مبارک پرجلوہ افروز ہوجاتے۔

جن اوصاف حمیدہ نے آپ کو یہ باوقار منصب وعظیم مقام عطا فرمایا ان میں خصوصاً تواضع وانکساری، حلم وبردباری، نرم خوئی، خندہ روی وخوش مزا جی، خوش اخلاقی اور بزرگانہ شفقت نمایاں چیزیں تھیں اوران کی ذات سے کسی قسم کے ظاہری تکلف وتصنع وکبرونخوت علمی غروروخاندانی یا رئیسانہ تفاخراور اکڑ پھوں کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ البتہ عالمانہ وقار، محدثانہ رعب وجلال، اورقائدانہ رفتار کو دیکھ کر دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں مرعوب ومتأثر ہوجایا کرتا تھا۔ ذیل میں حضرت الاستاذؒ کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کیونکہ:

دیروحرم میں روشنی شمس وقمر سے ہوتو کیا

مجھ کوتو تم پسند ہو اپنی نظر کیا کروں

ولادت:

حضرت شیخ مرحوم ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۸ء کو قصبہ ''بسی'' ضلع بلندشہر، یوپی میں ایک دینی اوراسلامی گھرانے میں پیدا ہو ئے۔ اس خانوادے کی دینی حمیت اوراسلامی جذبے کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جہاد آزادئ وطن کی تحریکات کے ضمن میں حضرت شیخ الہند مولا نا محمودالحسن دیوبندیؒ نے ''تحریک ترکِ موالات'' شروع کی اور مسلمانوں کی اسلامی غیرت کو للکارتے ہوئے ان سے اس تحریک میں تعاون وشمولیت کی اپیل کی تو حضرت شیخ کے والد ماجد جناب عبدالشکور خان صاحب نے ''جوفرنگی حکومت میں ملازم تھے'' برطانوی سامراج سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے ملازمت ترک کردی تھی۔ چونکہ خان صاحب علاقے کے مشہوراور پرانے جاگیردار تھے اس لئے پھراپنی حلال روٹی روزی کی فکر کرتے ہوئے کاشتکاری میں لگ گئے تھے۔ والد ماجد نے اپنے دینی مزاج ہی کی بنا پر اپنے بڑے فرزند کو بھی قرآن وحدیث کی تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کے لئے وقف کردیا تھا ۔ چنانچہ انہوں نے علمی میدان میں خوب محنت وکوشش کی۔ حتی کہ دارالعلوم دیوبند کے باوقار مسند تدریس کو بھی رونق بخشی۔ اوراپنے بھائی کی وہ بے مثال

تربیت کی کہ دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ اور ان کے برادر اکبر حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب بلند شہری (سابق استاذ دارالعلوم دیوبند) کو اپنے جوار خاص میں جگہ مرحمت فرمائی۔

دارالعلوم سے الحاق :

مولانا بشیر احمد خان صاحب اپنے وقت کے ممتاز اصحاب فضل وکمال اور جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔علم ہیئت وفلکیات کے تو اپنے زمانے میں امام وپیشوا تھے۔ان کی قابلیت وصلاحیت کو دیکھتے ہوئے ارباب دارالعلو دیوبند نے آپ کو ۱۳۶۲ھ میں بحیثیت استاذ تقرر کر کے اپنے یہاں بلالیا تو مولانا نصیر احمد صاحب کے دل میں بھی علماء ومحدثین دیوبند سے براہ راست سلسلۂ علم قائم کرنے اور علم حدیث میں مزید درک ومہارت حاصل کرنے کا جذبہ وداعیہ پیدا ہوا۔چنانچہ دوبارہ علم حدیث پڑھنے کے لئے ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف میں داخل ہوئے۔اور ۱۳۶۳ھ میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوکر دیگر علوم وفنون کے شعبۂ جات میں داخلہ لیا۔خصوصاً شعبۂ تجوید وقرأت حفص اور سبعہ وعشرہ وغیرہ کی تکمیل کی۔۶۵،۱۳۶۴ھ میں تعلیم سے رسمی فراغت حاصل کی۔

اساتذہ واسناد :

حضرت الاستاذؒ نے پہلے گلاؤٹھی میں دورۂ حدیث شریف مکمل کیا تھا وہاں کے ممتاز اساتذہ میں برادر اکبر حضرت مولانا بشیر احمد صاحب اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک (پاکستان) تھے اور پھر دیوبند میں بخاری شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے پڑھی اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ سے حدیث وادب کی تعلیم حاصل کی۔

حضرت الاستاذ کو بخاری شریف کی اجازت دس سندوں سے حاصل تھی جو ہر سال آپ اپنے درس بخاری کے اختتام کے موقع پر اپنے تلامذہ شاگردوں کے سامنے بیان فرماتے تھے۔اور اپنی ان تمام اسناد سے اپنے تلامذہ کو نقل وروایت کی اجازت سے نوازتے تھے۔وہ تمام اسناد مسند الہند، مجدد الملت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے صاحبزادگان کے واسطے سے ہی قدیم محدثین کے سلسلے سے متصل ہوتی ہیں۔اہل علم اور خصوصاً قاسمی برادری کے افادے کی خاطر بخاری کی صرف وہ تین اسناد نقل کی جارہی ہیں جو الگ الگ تین شیوخ سے براہ راست حاصل تھیں۔بقیہ سات اسناد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے حاصل شدہ ہیں جو آخر میں شاہ عبدالعزیز صاحب ہی سے جا کر متصل ہوجاتی ہیں۔اختصار کے پیش نظر ان کو یہاں نقل کرنے سے گریز کیا جارہا ہے کیونکہ ۱۳۹۷ھ سے ۱۴۲۹ھ تک تقریباً ۳۲ رسال کے درمیانی عرصے میں جن سعادت مندوں نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی اور دورۂ حدیث شریف پڑھ کر سند حاصل کی۔ان تمام حضرات نے بخاری شریف شیخ نصیر احمد خان صاحب ہی سے پڑھی ہے۔اور سب کا سلسلۂ حدیث خصوصاً بخاری شریف کے حوالہ سے انہیں اسناد سے متصل ہے۔

(۱)شیخ نصیر أحمد عن شیخ الاسلام حسین أحمد المدنی عن شیخ الھند محمود الحسن الدیو بندی عن شیخ محمد قاسم النا نوتوی عن الشاہ عبد الغنی المجددی عن الشاہ محمد اسحاق الدھلوی عن الشاہ عبدالعزیز المحدث الدھلوی عن مسند الھند الشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی . وھذ السند معروف ومتصل بکمالہ الی صاحب الکتاب الشیخ أبی عبد اللہ محمد بن اسما عیل البخا ریؒ .

(۲) شیخ نصیر أحمد عن الشیخ الحا فظ عبدا لرحمن الامروھوی واجازہ الشیخ محمد قاسم النانوتوی عن الشاہ عبد الغنی المجددی والشیخ فضل الرحمن غنج مراد آبا دی عن الشاہ عبدالعزیز الدھلوی عن الشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی ....والسند بتمامہ الی المؤلف

(۳) شیخ نصیر أحمد عن الشیخ اعزاز علی الامروھوی المعروف ب" شیخ الادب " عن الشیخ محمودالحسن

الدیوبندی ....والسند بتمامه الی المؤلف .

تدریسی ترقی:

آپ کی اعلیٰ اور مستحکم استعداد وصلاحیت کے پیش نظر فراغت کے معاً بعد یکم ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ کو دار العلوم دیوبند میں ابتدائی مدرس کی حیثیت سے تقرر کیا گیا۔اور آپ کی باقاعدہ تدریسی زندگی کا آغاز عربی فارسی کی ابتدائی کتب ''میزان ومنشعب'' وغیرہ سے ہوا۔تقریباً ۲۶/۲۵ سال مسلسل ۱۳۱۹ھ تک درس نظامی کی وسطیٰ تک کی کتابوں ''جلالین ومختصر'' وغیرہ نہایت محنت وتوجہ اور شوق ولگن کے ساتھ دیتے رہے۔آپ کی محنت،طلبہ میں بڑھتی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے ارباب انتظام نے ترقی دیتے ہوئے ۱۳۹۱ھ میں حدیث کی کچھ کتابوں کے کچھ اسباق حوالے کئے۔ ماشاءاللہ آپ نے حدیث کے میدان میں چند ہی سالوں میں اپنی ایک خاص شناخت اور پہچان قائم کرلی۔اور آپ نے ''موطین،طحاوی،ترمذی شریف اور مسلم شریف'' وغیرہ کتب حدیث کا معیاری اور مقبول درس دیا۔اور یہ ثابت کردکھایا کہ معاصرین میں علم حدیث پر عمیق و گہرا مطالعہ اور درس نظامی کی تدریس پر کامل دسترس رکھنے والا اگر میں تنہا نہیں تو ممتاز ومنفرد ضرور ہوں۔کہا جاسکتا ہے کہ درس نظامی کی تدریس ومطالعہ کے وسیع ومضبوط تجربے،اس کی علمی لطافتوں اور فنی وفقہی موشگافیوں کے بارے میں اختصاص کا درجہ رکھتے تھے۔اور درس نظامی کی ہر کتاب کی جزئیات وکلیات پر اول سے آخر تک کامل واقفیت اور بڑا عبور حاصل تھا۔

نیابت اہتمام :

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی وتدریسی قابلیت کے ساتھ ساتھ انتظام وانصرام کی اعلیٰ اور مضبوط صلاحیتوں سے نوازا تھا اور آپ ہر موقع پر اور ہر طرح سے دار العلوم دیوبند کی تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ تعمیری وتہذیبی ارتقاء اور اس کی عظمت وجلالت وہمدوش ثریا کرنے کے لئے مستقل اپنے اعلیٰ افکار ونظریات اور دور رس نتائج پر مشتمل قیمتی آراء ومشوروں سے بھی نوازتے رہتے تھے۔آپ کی اس مخلصانہ کوشش،صلابت رائے اور اصابت فکر کی قدردانی کا ثبوت دیتے ہوئے ارباب انتظام اور مجلس شوریٰ نے ۶ر صفر ۱۳۹۱ھ کو دار العلوم کے عظیم وموقر منصب نیابت اہتمام کے لئے منتخب کیا۔آپ نے اس عہدے کے وقار واعتبار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیشہ مفاد دار العلوم کو مقدم رکھا۔کسی کی ذات یا تعلقات ان کے مضبوط ومستحکم فیصلے میں حجاب نہ بن سکے۔انہوں نے نائب مہتمم ، بااثر منتظم اور مقبول مدرس ہونے کے باوجود کسی پر بڑائی نہیں جتائی۔اور ناجائز طور پر کسی ملازم یا مدرس کو اپنے عہدے یا طاقت کا بیجا رعب نہیں دکھایا اور نہایت لگن اور اخلاص کے ساتھ دار العلوم کی خدمت اور پسماندگان، منتظمین، دار العلوم اور روحانی اولاد کو عملاً گویا یوں کہہ کر رخصت ہوئے ؎

بھلا سکیں گے نہ اہل وفا صدیوں تک
میری وفا کے میرے فکر وفن کے افسانے

منصب شیخ الحدیث :

دار العلوم دیوبند کی مسند حدیث وہ جلیل القدر اور عظیم الشان مسند ہے جس پر جلوہ افروز ہونے والی شخصیات مقدسہ الہامی طور پر ہزاروں نہیں لاکھوں چیدہ وچنیدہ عظیم سے عظیم تر محدثین کرام میں سے منتخب کی جاتی ہیں ۔ یہ وہ مسند ہے جہاں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ ،مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب عثمانیؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، فخر المحدثین مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی صاحبؒ اور حضرت مرحوم سے پہلے مولانا شریف احمد صاحب دیوبندیؒ نے اپنے محدثانہ ومحققانہ علمی وفنی جواہر پارے بکھیرے ہیں اور شائقین وطالبین حدیث کے لئے علمی سیرابی کا سامان فراہم کیا ہے۔

یہ انعام الٰہی اور عطائے ربانی ہے کہ روز اول ہی سے اس ادارے کو ایسے علماء اور محدثین کی خدمات حاصل رہی ہیں جو پورے عالم اسلام میں علمی وفنی افق پر چمکتے دمکتے آفتاب وماہتاب کی طرح پوری انسانیت کو اپنے علمی وروحانی فیض سے مستفیض کرتے رہے۔ یہ سلسلہ قدیم ہے اور قیامت تک جاری و

ساری رہے گا۔ اور یکے بعد دیگرے لوگ ایک دوسرے کی جگہ لیتے رہیں گے (ان شاء اللہ)

چنانچہ مرحوم سے پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف احمد صاحب دیوبندی کے انتقال کے بعد موقر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے ۱۳۹۱ھ کو ماہر مدرس ومحدث حضرت مولانا نصیر احمد صاحب کا شیخ الحدیث جیسے منصب عظیم کے لئے انتخاب کیا۔ مولانا مرحوم کے بخاری شریف کے درس کا انداز ایسا مثالی اور منفرد تھا جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ ہندوستان میں تدریس حدیث کا جو طریقہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایجاد کیا تھا۔ ظاہر حدیث پر گفتگو کے ساتھ ساتھ درایت حدیث کو بھی خاص طور سے موضوع سخن بنایا۔ تدبر، تفقہ، تفکر، اور استنباط مسائل کی بھی طرح ڈالی۔ اسی حقانی سلسلے کو مولانا نصیر احمد خان صاحب نے اپنے شاگردوں میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔ آپ کو حدیث پر کلام کرنے اور روح حدیث سمجھنے سمجھانے کا خصوصی ملکہ تھا۔ مولانا کے درس کی ایک اہم بات اور خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ صرف ضروری گفتگو فرماتے۔ دائرۂ درس سے کبھی باہر نہیں نکلتے تھے۔ اس کی وجہ غالباً یہ رہی کہ فطرتاً آپ گوشہ نشین، خلوت پسند اور خاموش رہنے کے عادی تھے۔ اس کے باوجود حدیث کے سلسلے میں ہونے والی علمی وفنی بحثوں میں بڑی گہرائی وگیرائی سے بولتے تھے۔ اور طلبہ کو کبھی کسی مسئلے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ اور طالبان حدیث دور دراز علاقوں سے جوق در جوق آتے اور اپنا دامن مراد بھر کر بامقصد وطن واپس لوٹتے۔

آپ کے انداز تدریس میں یہ بھی نمایاں بات تھی کہ جب آپ چہار زانو بیٹھ کر سبق کا آغاز فرماتے تھے تو پھر دو دو گھنٹے ایک ہی ہیئت پر محد ثانہ وقار کے ساتھ بیٹھے رہتے۔ اور پہلو بھی نہ بدلتے تھے، یہ تو اس آخری دور کی بلند ہمتی کا ذکر ہے جب آپ نہایت ضعیف اور کمزور ہو چکے تھے۔ جوانی میں کیا رنگ وآہنگ ہوگا یہ تو جوانی کی روحانی اولاد ہی بتا سکتی ہے۔

علم هيئت وفلكيات پر گهری نظر :

مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے علم ہیئت وفلکیات میں وہ صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ اپنے کام نے میں لاثانی وبے نظیر تھے۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ برادر اکبر حضرت مولانا بشیر احمد صاحب اس فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور مولانا مرحونے یہ فن اور اس کی کتابیں درساً درساً ایک بار نہیں مسلسل تین بار بھائی جان سے نہایت لگن اور محنت سے پڑھی تھیں۔ اسی وجہ سے اس فن میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ اور اس فن کی ایک کتاب "الفتحیہ" پر حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب نے حواشی کے عنوان سے جو محققانہ اور فاضلانہ و پر مغز نکات اور لطائف تحریر کئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فن ہیئت کے امام تھے۔ اور اپنے وقت میں آپ سے زیادہ عمیق وگہری نظر اس فن پر کسی دوسرے عام محقق کی نہیں تھی۔ موضوع کی مناسبت سے کبھی کبھی درس بخاری میں اس فن کے نکات وباریکیاں بڑی دلچسپی وتفصیل سے بیان کیا کرتے مگر ہم جیسے بدذوق طلبہ تو اس زمانے میں وہ فنی مباحث انجان ونامانوس اور فضول لگتے تھے۔ حقیقت ہے کہ علوم ومعارف دینیہ سے اسی طرح ماہر فن شخصیات کے پردہ فرمانے کے ساتھ اٹھتے اور ختم ہوتے جارہے ہیں اور بتدریج ایسے ناخلفوں کو اس پر نہ افسوس ہے نہ احساس۔ والی اللّٰہ المشتکیٰ وهو الموفق المعين .

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

صدر المدرسين :

مجلس شوریٰ آپ کی تدریسی وانتظامی صلاحیتوں کی قائل تھی اور حوصلہ افزائی میں پیش پیش۔ اس وجہ سے آپ کو بخاری شریف ملنے کے کل تین سال بعد ۱۴۰۰ھ میں نائب صدر المدرس بنا کر اساتذۂ دارالعلوم کا ترجمان اور سفیر مقرر کیا گیا۔ آپ نے حضرات اساتذۂ کرام کی ضروریات ومطالبات کو سمجھا اور ان کو اعتماد میں لیکر خدمت دارالعلوم میں مصروف رہے۔ دن بدن انتظامیہ واساتذہ کی نظر میں آپ کی شخصیت محبوب ومقبول ہوتی رہی حتیٰ کہ شوریٰ نے ۱۴۱۲ھ میں آپ کو صدر مدرسی کا عظیم منصب دیکر اساتذہ ومعلمین کا سرتاج وقائد بنا دیا۔ اور تمام حضرات نے آپ کی سرکردگی وصدارت میں اپنے

فرائض خوش اسلوبی سے انجام دئے۔ آخر تک آپ ہی اس مسند پر جلوہ افروز رہے اور انتہائی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے۔

سلوک وطریقت:

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر تواضع وسادگی، ورع وتقویٰ اور صلاح وفلاح کی صلاحیتیں فطری طور پر ودیعت فرمائی تھیں۔ نہایت کم گو، خلوت نشین اور نفاست پسند تھے۔ آپ کو اپنے اساتذۂ کرام میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے حد درجہ عقیدت ومحبت تھی۔ وہ انہیں کی اصلاحی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اور حضرت مدنی ہی سے بیعت بھی ہو گئے تھے، مگر انکے انتقال کے بعد آپ نے یہ بیعت وارادت کا تعلق حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم سے قائم فرما لیا تھا اور حکیم الاسلام نے آپ کی سلامتیٔ طبع اور تقویٰ وطہارت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے سلسلے میں داخل فرمایا اور خلافت سے نوازا۔ مگر کبھی اس کا چرچا اور تذکرہ بھی نہیں کیا۔ اور وہ اس چیز کو پسند بھی نہیں فرماتے تھے کہ باقاعدہ پیری مریدی کو ایک مشغلہ بنایا جائے بلکہ اس بارے میں اپنے مزاج کی مجبوری کا عذر فرما لیا کرتے تھے۔ یکسوئی کے ساتھ درس وتدریس میں لگے رہنا اور فارغ اوقات اپنے گھر میں گذارنا ان کی فطرت تھی۔ وہ جلسہ وجلوس میں اور میٹنگوں واسٹیجوں سے بہت دور رہتے تھے۔ حضرت الاستاذ اپنے فنی کمالات اور ایسی ہی بے نظیر وپسندیدہ صفات کی وجہ سے قدیم وجدید اساتذہ دار العلوم میں ایک ممتاز ومنفرد حیثیت کے مالک تھے۔ ایسی ہی شخصیات لائق رشک وقابل تقلید ہوتی ہیں اور اپنی ذاتی زندگی اور مصروفیات میں بھی بعد کے لوگوں کے لئے بہترین نمونہ چھوڑ کر جاتی ہیں

تدریس سے سبکدوشی:

حضرت الاستاذ کو جب سے ہم نے دیکھا ضعف ولاغری کی حالت میں ہی دیکھا۔ ہم حضرت الاستاذ کی بڑھاپے کی روحانی اولاد ہیں اور اعذار وامراض کی وجہ سے تقریباً پندرہ سولہ سال سے مسلسل یہ بات سننے میں آتی رہی کہ حضرت اب تدریس سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ آخری پڑاؤ میں پہونچ کر جہد مسلسل سعی پیہم کی تیز دھوپ میں گزاری۔ زندگی کی تکان کو چند لمحوں کے لئے آرام وسکون دینا چاہتے ہیں مگر ہر سال روحانی قوت اور حدیث نبوی سے مستحکم نسبت اور غیر محسوس اور کراماتی طور پر آپ کے اندر اولوالعزمی اور جواں حوصلگی کو جنم دیتی رہی اور ہر بار آخری سال کہتے کہتے بخاری شریف کا درس اپنی سابقہ شان وشوکت کے ساتھ دیتے رہے۔ بالآخر تقدیر کا لکھا غالب آیا، جب دم خم نہ رہا اور چلنے پھرنے سے بالکل عاجز ہو گئے تب ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء کو تدریس سے معذرت کر لی۔ تدریس کے آخری سال میں بھی آپ بخاری شریف شروع کرا چکے تھے۔ اور سبکدوش ہوتے ہوتے صفحہ ۱۶۹ تک پڑھا چکے تھے۔ اس طرح دار العلوم کی آپ نے کل ۶۵ رسال تدریسی وتنظیمی خدمات انجام دیکر ایک مثال قائم کر دی، جس میں اب تک آپ ممتاز اور منفرد ہیں اور اس امتیاز میں کوئی آپ کا شریک اور ثانی نہیں۔ نیز مسلسل ۳۳ رسال بخاری شریف کی تدریس بجائے خود ایک نشان سعادت ہے، اللہ قبولیت سے نوازے۔ اور مرحوم کو جزائے خیر دے!

وفات وتدفین:

امراض واعذار کا سلسلہ بڑھتا رہا، ضعف ونقاہت اپنی آخری حد کو پہونچ چکے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا محبوب حقیقی سے ملاقات اور دنیا سے واپسی کا وقت مقرر آ پہنچا۔ ۱۹ رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴ رفروری ۲۰۱۰ء بدھ جمعرات کی درمیانی شب میں دو بج کر دس منٹ پر سرزمین دیوبند سے سفر آخرت طے کیا۔ اور اپنے پیچھے اپنی چار صلبی اولاد (تین لڑکے اور ایک لڑکی) کے علاوہ ایک محتاط اندازہ کے مطابق تقریباً بیس ہزار شاگردوں کو روتا بلکتا چھوڑ گئے۔ جنھوں نے آپ سے براہ راست استفادہ کیا اور آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا جن میں سے کم از کم ایک تہائی تعداد ان تلامذہ کی ہے جو اب خود حدیث شریف کا درس دے رہے ہیں۔

جنازہ وتدفین:

آپ کی نماز جنازہ میں اصحاب علم وکمال کا وہ عظیم مجمع تھا جو دنیا میں شاذونادر ہی ہوتا ہے۔ نماز جنازہ احاطۂ مولسری دار العلوم دیو بند میں دار العلوم

کے عظیم وموقر استاذ حدیث سابق نائب مہتمم حضرت اقدس الحاج مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم نے بعد نماز ظہر دو بج کر تیس منٹ پر پڑھائی اور دیوبند کے مشہور قبرستان اور اکابر علمائے دیوبند کی آخری آرام گاہ ''مزار قاسمی'' میں ہمیشہ ہمیش کے لئے آرام فرما ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ اور پسماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل کے ساتھ مرحوم کے علوم وفنون سے مستفیض فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

شیخ نصیر احمد خان

سنجیدہ و شفیق استاذ

(ترجمہ: عبد الجلیل خان قاسمی بلگرامی)

۱۹؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴؍فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کی صبح مساجد جامعہ اسلامیہ دار العلوم کے میناروں سے شہر کی سنسان فضاء میں ایک ایسی اندوہناک آواز بلند ہوئی۔ جس نے پورے شہر کو اپنے چپیٹ میں لے لیا، اور وہ ایک محدث، عالم، شیخ نصیر احمد خان کے وفات کی خبر تھی، بس کیا تھا فجر کی نماز پڑھتے ہی بعجلت تام، غمگین دل اور حسرت و یاس کے ساتھ شیخ کے گھر کی طرف قدم بڑھائے جبکہ دیدار کے لئے ہم سے پہلے ہی طلبۂ دار العلوم دیوبند اور اہالیان شہر کی ایک غیر منقطع قطار موجود تھی۔ صفوں کو چیرتے ہوئے آپ کے جنازے کے پاس پہونچا اور مغموم قلب اور آنسوؤں کے نہ تھمنے والے بہاؤ کے ساتھ آپ پر آخری نظر ڈالی۔ اس وقت ایک عجیب گھبراہٹ خیز اور دردناک منظر تھا۔ جامعہ کے اساتذہ، طلبہ اور اہل شہر سب ہی غمگین اور متأسف نظر آرہے تھے، دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا کہ وہ اپنے کسی چہیتے اور خاندان کے کسی محبوب فرد پر اظہار درد کر رہے ہوں، اسی لئے اس بڑے حادثے میں ہر ایک دوسرے کو تسلی دے رہا تھا۔ اور شیخ کا تذکرۂ خیر کرتے ہوئے آپ کی خوبیاں شمار کرنے میں لگا ہوا تھا۔ ادھر آپ کے وفات کی خبر جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مشرق و مغرب میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، اور سارے کے سارے لوگ قریب اور دور کے شہر اور دیہاتوں سے اس گمشدہ محدث کو آخری الوداع کہنے کے لئے نکل پڑے، دیکھتے دیکھتے جامعہ کا صحن اور اس کے راستے آنے والوں سے پر ہو گئے، اور ڈھائی بجے دن میں آپ کی نماز جنازہ کے فرائض حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب حفظہ اللہ نے انجام دی۔ پھر ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ مزار قاسمی لے جایا گیا اور آپکے استاذ و حقیقی بھائی حضرت مولانا بشیر احمد صاحبؒ کے برابر میں دفن کیا گیا اور لوگوں نے افسردہ و مغموم دل سے مٹی دی۔

آپ ضلع بلند شہر یوپی انڈیا کے ایک گاؤں موضع ''بسی'' میں ۲۱؍ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان پہلے ہی سے علم اور دینداری میں مشہور تھا، حضرت شیخ ''مدرسہ منبع العلوم قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر'' سے وابستہ ہوئے اور قاری عبد الکریم صاحب کے پاس قرآن کریم حفظ کیا اور فارسی و دیگر علوم کا درس اپنے بھائی سے لیا۔ پھر آپ جامعہ اسلامیہ دار العلوم دیوبند سے ملحق ہوئے اور اسوقت کے کبار اہل علم سے مختلف علوم حاصل کئے۔ جیسے حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی، شیخ عبد الخالق صاحب ملتانی، قاری حفظ الرحمٰن صاحب، شیخ فخر الحسن صاحب، قاضی شمس الدین صاحب کیمل پوری اور آپ کے حقیقی بھائی بشیر احمد صاحب جو ان دنوں جامعہ میں مدرس تھے۔ آپ نے ۱۳۶۲ھ میں فراغت حاصل کی۔ پھر دو سال تک مزید فنون کی کتابیں پڑھیں۔ آپ ۱۳۶۵ھ میں جامعہ اسلامیہ دار العلوم دیوبند مدرس مقرر ہوئے اور جزیرہ نما ہندوستان میں رائج درس نظامی کی بڑی بڑی کتابوں کا درس دیا۔

آپ کو علم حدیث و تفسیر و علم ہیئت میں کامل درک حاصل تھا۔ جس کی بنا پر آپ نے علم ہیئت پر مشتمل ایک رسالہ بنام ''الفتحیہ'' پر حواشی بھی تحریر فرمائے۔ ۱۳۹۱ھ میں آپ جامعہ کے نائب مہتمم قرار پائے، اور ۱۳۹۷ھ میں شیخ الحدیث مولانا شریف الحسن کی وفات کے بعد آپ کو شیخ الحدیث مقرر کیا گیا، جبکہ اس سے قبل آپ نائب صدر المدرسین تھے پھر حضرت مولانا معراج الحسن صاحب کی وفات کے بعد آپ کو مستقل صدر المدرسین منتخب کر دیا گیا پھر آپ نے اپنی وفات سے دو سال قبل صدر المدرسی اور شیخ الحدیث کے عہدے سے معذرت کر دی، جس کی وجہ کبر سنی اور ضعف تھا۔ اس طرح آپ ۶۳؍سال علوم اسلامیہ کا درس دیا۔ اس طویل مدت تدریس میں آپ نے تقریباً چالیس ہزار طلبہ کو پڑھایا۔ ساتھ ہی جامعہ میں اہم مناصب کی ذمہ داری بھی بڑی لیاقت و قابلیت سے نبھائی۔ بتوفیق اللہ عزوجل ۱۴۱۴ھ میں میں نے آپ سے بخاری جلد اول پڑھی اور ۱۴۲۲ھ میں آپ کی صدارت تدریس ہی میں جامعہ میں مدرس مقرر ہوا۔ اور آپ کو بڑا نرم مزاج، ذمہ دار اور عفو و کرم سے آراستہ استاذ پایا۔

آپ ایک افغانی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے آب واجداد بڑے جاگیردار اور رئیس آدمیوں میں سے تھے جو بڑی بڑی زمینوں کے مالک تھے۔اور آپ کے والد برٹش فوج کے ایک بڑے افسر تھے۔اور ساتھ ہی بڑے دیندار اور اسلامی غیرت کے مالک تھے پھر جب علماء نے جزیرہ نما ہندوستان میں تحریک تحفظ خلافت عثمانیہ کی داغ بیل ڈالی اور شیخ الہند مفتی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے انگریز دوستی اور ان کے ساتھ تعاون اور انگریزی فوج میں بھرتی ہونا حرام قرار دیا تو اسلامی غیرت کے پیش نظر انگریزی نوکری سے سبکدوشی اختیار کر لی اور اپنے گاؤں ہی میں کھیتی کسانی میں مشغول ہو گئے۔آپ کا علماء وصلحاء سے بڑا لگاؤ تھا، جس کی بنا پر آپ وقتاً فوقتاً ان کی مہمان نوازی کرتے اور آپ کی ماں ایک عالمہ اور مربیہ صفت انسان تھیں۔ان کا گھر گاؤں کے بچوں اور بچیوں کا ایک چھوٹا موٹا مدرسہ تھا جس میں انہیں عقائد وفقہ اور دین کی ضروری باتیں سکھاتی تھیں اور آپ کے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب تو وہ ایک جید الاستعداد عالم تھے اور مدرسہ منبع العلوم شہر گلاؤٹھی میں درجۂ علیا کے مدرس تھے پھر آپ (کے بھائی) کا جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہو گیا اور آپ (کے بھائی) تاحیات یہیں دینی خدمات انجام دیتے رہے اور یہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت شیخ ایک باوقار اور سنجیدہ قسم کے انسان تھے، آپ کے جامعہ آنے جانے، درس دینے یہاں تک کہ آپ کی تمام نقل وحرکت سنجیدگی سے پر تھی اور جب کبھی جامعہ نے شروع سال میں اساتذہ کے لئے میٹنگ طلب کی تو آپ ہی اس کی صدارت فرماتے اور آخر میں مختصر صدارتی خطبہ ارشاد فرماتے جس میں طلبہ کے تعلق سے (جن کے بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر خواہی کا حکم فرمایا ہے) ان کی اہم ذمہ داریوں اور کاموں کی یاد دہانی کراتے ۔پھر آپ ہی کی دعا پر مجلس اختتام پذیر ہوتی۔

آپ نے ہمیشہ طلبہ اور اساتذہ کی منفعت کو سامنے رکھ کر ہی فیصلے کئے اور کبھی ایسے کاموں کے پیچھے نہ پڑے جس سے آپ کے وقار اور اخلاق حسنہ کو ٹھیس پہونچے یا آپ برائی کی طرف منسوب ہوں، انہیں تمام چیزوں نے آپ کو اساتذہ اور طلبہ کا محبوب بنا دیا تھا، آپ انتہائی متواضع، کبر وغرور سے دور، ایسے فصیح اللسان کی سامع کوئی بات سمجھے بغیر نہ رہے، اللہ کی عطا پر راضی، صابر وشاکر، لوگوں کی چیزوں پر نگاہ نہ اٹھانے والے، دنیا کے مال ومتاع کے پیچھے نہ پڑنے والے اور ایک ایسی منظم زندگی گزارنے والے جو اللہ کی عبادت اس کے ذکر وتلاوت قرآن، تدریس حدیث، اور کتب حدیث کے مطالعہ سے پر تھی، بالخصوص صحیح بخاری میں انہماک۔

آپ کی سب سے بڑی خصوصیت میری نگاہ میں؛ وہ آپ کی قناعت، مال ومنال سے دوری، اور لوگوں کی نگاہ میں برا بنا دینے والی چیزوں سے کنارہ کشی ہے۔اور اپنی روزمرہ زندگی کی ایسی نگہداشت کہ عمر بھر کسی انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملا۔اللہ آپ کی عظیم خدمات اور آپ کے اعمال جلیلہ کا بدلہ عطا فرمائے اور اپنی پسندیدہ جگہ میں سکونت عطا فرمائے! اور ہمیں آپ کے خسران کا بدل نصیب فرمائے!

☆☆☆☆☆

فضیلۃ الشیخ نصیر احمد خان صاحبؒ

صدر المدرسین وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند (الہند)

۱۳۳۵ھ تا ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۹۱۶ء تا ۲۰۱۰ء

بقلم: عبدالرؤوف خان غزنوی، افغانی

سابق استاذ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند، الہند واستاذ حال جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی، پاکستان

(ترجمہ: عبدالجلیل خان قاسمی بلگرامی)

۱۹ر صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴ر فروری ۲۰۱۰ء شب پنجشنبہ دو بجکر دس منٹ پر نامور محدث، ممتاز عالم دین شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند، الہند حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب اپنے گھر دیوبند میں بعمر ۹۶ر سال (باعتبار سن ہجری) اور ۹۴ر سال (باعتبار سن عیسوی) اللہ کو پیارے ہوگئے، ہمارے شیخ مرحوم کی وفات کی اطلاع جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ہندوپاک، بنگلہ دیش بلکہ بڑی تیز رفتاری سے مشرق ومغرب میں پھیلے ہوئے آپ کے تلامذہ، محبین اور ہر اس شخص کے پاس جو (علمی مرکز جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند معروف بہ ''ازہر ہند'' شیخ کی عملی کارکردگی کا معترف تھا؛ پہونچ گئی۔ کتنے ہی شاگردوں نے آپ کے لئے غائبانہ دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دل کی گہرائی سے مغفرت مانگی اور بے شمار چاہنے والوں نے آپ کے حق میں استغفار کیا۔ اور اللہ غالب وبرتر سے دعا کی کہ آپ کو اپنی پسندیدہ جنت میں جگہ دے اور نہ جانے کتنی آنکھوں سے اللہ کی تقدیر اور فیصلہ پر لبیک کہتے ہوئے اس شفیق معلم کے فراق میں آنسو بہہ پڑے۔ جگہ جگہ آپ کی حیات پر روشنی ڈالنے اور ایصال ثواب کے لئے اجتماعات منعقد ہوئے اور یہ متقی پرہیز گار علماء کی نشانی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دیتے ہیں اس بنا پر لوگ ان کے لئے غائبانہ بھی دعائے مغفرت اور ان کا تذکرۂ خیر کرتے ہیں۔ حضرت شیخ کی وفات کی خبر سنتے ہی دیوبند اور اطراف اور دیہاتوں سے بڑی تعداد میں لوگ آنا شروع ہوگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس عظیم محدث کو رخصت کرنے کے لئے مجمع کا سیلاب امنڈ پڑا۔ آپ کی نماز جنازہ احاطۂ مولسری میں بعد ظہر حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند کی امامت میں ادا کی گئی۔ اور آپ کے جسد خاکی کو ہزاروں علماء اور طلبہ اور عامۃ المسلمین کے بیچ مزار قاسمی میں آپ کے بھائی مولانا بشیر احمد خان صاحب کے پڑوس میں دفن کیا گیا۔ یقیناً یہ آپ کی علوشان اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت کی نشانی کا منھ بولتا ثبوت تھا۔

آپ کی جائے پیدائش، نسب ونشو نما :

حضرت شیخ ۲۱ر ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۳ر دسمبر ۱۹۱۶ء میں ضلع بلند شہر اتر پردیش، انڈیا، کے ''بسی'' نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کی سن ولادت جو تاریخ دارالعلوم دیوبند اور جامعہ کے رجسٹر میں درج ہے وہ ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء ہے اور آپ کی سوانح نگاروں نے بھی یہی لکھا ہے یہاں تک کہ عربی ماہنامہ ''الداعی'' اور اردو رسالہ ''ماہنامہ دارالعلوم'' جو دارالعلوم سے نکلتے ہیں، اسمیں بھی یہی لکھا ہے۔ حالانکہ میں نے خود حضرت شیخؒ کو اپنی زندگی میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری پیدائش ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء ہے اور جو سن دارالعلوم کے رجسٹر اور تاریخ دارالعلوم میں لکھا ہے وہ غلط ہے۔ نیز میں نے یہ چند سطور لکھنے سے پہلے آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے ضمیر احمد صاحب سے (اللہ ان کی عمر دراز کرے) اس سلسلے میں رابطہ کر کے مزید پختگی چاہی تو آپ نے بھی (شیخ کی نسبت نقل کردہ بات کی) تصدیق کی اور کہا کہ میرے ابا حضور کا تاریخی سن ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء ہے۔ آپ کے والد محترم عبدالشکور خان برٹش فوج کے بڑے افسر تھے اور کافی زمین کے مالک تھے۔ دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم اور دینی غیرت رکھنے والے انسان تھے۔ حضرت شیخؒ افغانی قبیلہ 'بازید خیل' سے نسبت رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''حضرت مولانا نصیر احمد خان بن عبدالشکور خان بن حقداد خان بن بنیاد خان بن سردار خان بن عمر خان بن غیاث خان بن شہباز خان

بن سلیم خان بن دیوان دولت خان بن شیخ داؤد خان بن شیخ عیسیٰ خان افغانی بازید خیل داؤدزئی''

اور غالبًا آپ کے جد امجد شہباز خان ہی وہ پہلے شخص ہیں جو ہندوستان آئے اور موضع ''بسی' ضلع بلند شہر کو اپنا وطن بنایا۔ چنانچہ شیخ الہند علامہ محمود حسن صاحب دیوبندیؒ نے تحریک خلافت عثمانیہ کی داغ بیل ڈالی اور آپ نے اور دیگر علمائے کرام نے انگریز سے دوستی، تعاون اور انگریزی فوج میں بھرتی ہونا حرام قرار دیا تو عبدالشکور خان صاحب نے انگریزی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا اور کھیتی باڑی میں مشغول ہوگئے۔ آپ کے علماء اور صلحاء سے تعلقات تھے۔ آپ ان کا اکرام کرتے اور ان سے فیض یاب ہوتے۔ آپ کی والدۂ محترمہ بھی عالمہ تھیں، گھر پر ہی مسلمان بچوں اور بچیوں کو عقائد، مسائل اور دین کے ضروری احکام کی تعلیم دیتی تھیں۔ جبکہ آپ کے بھائی حضرت مولانا ضمیر احمد خان صاحبؒ ایک جید عالم تھے اور مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں فرائض تدریس انجام دے رہے تھے۔ پھر آپ دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس بھی اور نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند قرار پائے۔ اور تادم حیات آپ ایک استاذ کی حیثیت سے وہاں خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کی تاریخ وفات ۱۹۶۶ء ہے۔

تعلیم و تعلم:

آپ نے مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں (جہاں آپ کے بھائی درس و تدریس میں مشغول تھے) قرآن پاک حفظ کیا پھر فارسی کی ابتدائی کتابوں کے علاوہ مختلف فنون کی کچھ کتابیں اور مشکوٰۃ المصابیح بھی پڑھی۔ پھر جب آپ کے بڑے بھائی کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا تو آپ (حضرت شیخؒ) بھی اپنے بھائی کے ساتھ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند منتقل ہوکر جامعہ ہذا سے منسلک ہوگئے اور یہاں مشائخ احادیث سے حدیث کا درس لیا۔ چونکہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اس سال جیل میں تھے۔ اس لئے آپ کو (حضرت شیخ الاسلام) سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھنے کا موقع نہ ملا۔ حالانکہ آپ حضرت شیخ الاسلام سے پڑھنے کے بڑے مشتاق تھے، بریں بنا آپ ۱۳۶۳ھ میں جامعہ کے کبار اہل علم اساتذہ سے مختلف فنوں کی کتابیں پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ پھر جب حضرت شیخ الاسلام ۱۳۶۴ھ میں رہا ہوئے تو آپ نے مزید استفادہ اور آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کرنے کے لئے دوبارہ حضرت شیخ الاسلام سے بخاری و ترمذی پڑھی۔ آپ نے جامعہ یوبند میں جن اہم اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان میں سرفہرست حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ، حافظ و قاری عبد الرحمٰن صاحب امروہویؒ، آپ کے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹکؒ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالہؒ، حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب پرتاپ گڑھیؒ اور حکیم محمد عمر صاحب دیوبندیؒ ہیں

آپ کی تدریسی و دینی خدمات زندگی:

تعلیمی زندگی ختم ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات اور طلبۂ کرام کی تربیت کے لئے منتخب کیا۔ جس کے علم و عرفان سے آپ نے علمی سیرابی حاصل کی تھی اور آپ اس کے علمی میدان میں تربیت کے منازل طے کئے۔ آپ باقاعدہ ۱۳۶۵ھ میں جامعہ اسلامیہ کے مدرس منتخب ہوئے اور آپ نے میزان سے درس کا آغاز پورے اطمینان اور انہماک کے ساتھ کیا۔ یہاں تک کہ آپ شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس طرح آپ کی کل مدت تدریس ۶۵ رسال ہے، جامعہ اسلامیہ میں خدمات انجام دینے والے اساتذہ میں ایسے بہت کم ہیں جنہوں نے اتنی مدت تک خدمت انجام دی ہو۔ آپ نے اس طویل مدت تدریس میں علم صرف، علم نحو، علم معانی، علم ادب، علم فقہ، علم ہیئت، فلسفہ، منطق تفسیر و حدیث کی بڑی دقت نظر سے کامیاب درس دیا۔

۱۳۹۱ھ میں آپ کی انتظامی اور فطری صلاحیت کو دیکھتے ہوئے مجلس شوریٰ نے آپ کو نائب مہتمم مقرر کردیا۔ اور ۱۳۹۷ھ میں حضرت مولانا شریف الحسن صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کو شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز کیا گیا اور ۱۴۱۲ھ میں حضرت مولانا معراج الحق صاحب کی وفات کے بعد صدر المدرسین بھی آپ کو ہی کو بنایا گیا۔ پھر مستقل آخری حیات تک آپ ہی جامعہ کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین رہے یہاں تک کہ آپ نے اپنی وفات

سے دوسال قبل ۱۴۲۹ھ میں ضعف وکبرسنی کی وجہ سے معذرت فرمادی، جبکہ اس وقت آپ ۹۰/سال سے زیادہ کے ہو چکے تھے۔

میرا آپ کے ساتھ ربط وضبط:

جب ۱۴۰۱ھ میں میں نے دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا اس وقت آپ بخاری شریف جلد اول پڑھاتے تھے۔ داخلہ کی کاروائی مکمل ہوئی اور درسی سال کے آغاز کا اعلان ہوا۔ تو میں اور میرے ساتھی دارالحدیث میں بیٹھ کر بخاری کے افتتاح کا انتظار کرنے لگے۔ اچانک دو بزرگوں ''جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے تھے'' کو پروقار وطمانینت قلب کے ساتھ دارالحدیث کی طرف آتے ہوئے دیکھا، جوایک دوسرے کے پیچھے تھے۔ اول یہاں کے مہتمم حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ تھے اور دوسرے ہمارے شیخ حضرت مولانا نصیراحمد خان صاحب تھے. پہلے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ داخل ہوئے اور بتواضع طلبہ کے سامنے بچھے ہوئے تخت پر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت مولانا نصیراحمد خان صاحب داخل ہوئے اور وہ بھی آپ کے بازو میں بیٹھ گئے۔ کیا ہی خوشنما منظر تھا اور کیا ہی پرسکون مجلس تھی۔ ادارہ بھی دیوبند کا مرکزی ادارہ وہ دارالحدیث جس سے ہزاروں علماء وفضلاء فارغ ہوئے۔ اور جہاں یہ مجلس لگی ہوئی تھی یہ وہ جگہ ہے جہاں اس سے پہلے شیخ الہند علامہ محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور محدث کبیر علامہ محمد انورشاہ صاحب کشمیریؒ اور شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدنیؒ جیسے لوگ اس مسند کی زینت بن چکے تھے۔ پھر اس موقع پر'' **اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح البخاری** '' کا افتتاح نور علی نور اور افتتاح کرنے والی حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ جیسی شخصیت اور بعد افتتاح درس دینے والے حضرت مولانا شیخ نصیراحمد خان صاح جیسے لوگ۔ جو حکیم الاسلام کے بازو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے خطبۂ ما ثورہ کے بعد قدرے اہمیت حدیث اور کتب حدیث کے مابین صحیح بخاری کی خصوصیت کے ساتھ ساتھ علماء دیوبند کی طرز تدریس احادیث پر گفتگو فرمائی۔ اور طلبہ کوملت بیضاء کا دامن مضبوطی سے تھامنے، اسباق میں انتھک کوشش کرنے، صحیح بخاری کی سب سے پہلی حدیث '' **انما الاعمال بالنیات** '' کومدنظر رکھتے ہوئے اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی رغبت دلائی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت فرمائی کہ آپ کی بخاری نصف اول کے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا نصیراحمد خانصاحب ہیں پھر یہ مختصر سا اجتماع اللہ کی بارگاہ میں دعاء والحاح وزاری کے ساتھ اختتام کو پہونچا۔ حضرت شیخ نے ہم لوگوں کو اگلے دن سے سال کے آخیر تک صحیح بخاری کا درس دیا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اللہ نے مجھے حضرت شیخ کے سامنے عبارت خوانی کے لئے متعین کیا حضرت شیخ ایک کامیاب مدرس، سنجیدہ محدث، فصاحت وبلاغت کے پیکر، احادیث برزخ، قبروحشر، جنت وجہنم کی تشریح کرتے ہوئے اپنے اور جامعہ سے تعلق رکھنے والے مشائخ کے واقعات کے تذکرے کے وقت روپڑنے والے بالخصوص اس وقت جب کہ اپنے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اوران کے روشن کارناموں کا تذکرہ کرتے تو آپ پرایسا گریہ طاری ہوجاتا کہ طلبہ کے دل بھی کانپ جاتے۔ اور ذرا دیر کے لئے سب پرخاموشی چھاجاتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ سکینہ ان پر نازل ہورہا ہے اور رحمت ان کوڈھانپے ہوئی ہے۔ یہیں سے میرے دل میں آپ کی محبت گھر کرگئی اور میں ملاقات اور علم حکمت سے پر احادیث سننے، دشوار کن مسائل کے حل کے لئے بعد عصر آنے جانے لگا۔ جب بھی کبھی میں آپ کے صحن میں داخل ہوتا تو آپ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور خوش ہوتے اور مسکرا کر میرا استقبال کرتے، چونکہ میں ایک مسافر تھا اور والدین اور رشتہ داروں سے بہت دور تھا تو جب مجھے جدائی کا درد محسوس ہوتا اور والدین، بھائی بہن، رشتہ داروں کی یاد ستاتی تو آپ کی زیارت کرلیتا جس سے میرا رنج کافور ہوجاتا۔ کیونکہ آپ میں شفقت پدری کے آثار دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میں افرادخانہ، عزیز واقرباء، والدین گویا سب سے مل آیا ہوں۔

دارالحدیث سے فراغت کے بعد ۱۴۰۲ھ میں میں دارالافتاء سے وابستہ ہوگیا تو مجھے صبح کے وقت فرصت ہی فرصت رہتی اس لئے میں نے علم ہیئت میں استفادہ کا رادہ کیا۔ کیونکہ حضرت شیخ کواس فن میں بلا کی مہارت تھی۔ حضرت سے میں نے ادباً عرض کیا کہ علم ہیئت پڑھانے کے لئے کوئی وقت میرے لئے مقرر کردیں تو آپ نے اسے بخوشی شرف قبولیت سے نوازا اور آپ مجھے صبح کے وقت تنہا علم ہیئت کی کتاب ''التصریح'' پڑھانے لگے۔ اس طرح میں نے اس کے بیس ابواب اور ''شرح چغمینی'' پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد ماہ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ میں اللہ نے جامعہ اسلامیہ میں میری مدرسی کا

فیصلہ فرما دیا جس کی وجہ سے علم ہیئت پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ البتہ تعلقات استوار رہے اور برابر آنا جانا رہا۔ پھر جب میں جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند سے شہر کراچی پاکستان منتقل ہو گیا تو آپ سے ملاقات کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا، البتہ خط وکتابت کا سلسلہ چلتا رہا۔ اور کبھی کبھار فون وغیرہ سے بھی خیریت معلوم کرتا رہتا۔

آپ کی سند حدیث:

آپ نے صحیح بخاری سب سے پہلے شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ سے پڑھی اس لئے کہ شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدنیؒ جیل میں تھے۔ جب حضرت مدنی رہا ہوئے تو آپ نے دوبارہ صحیح بخاری اور جامع ترمذی حضرت شیخ الاسلام سے پڑھی، ان دونوں حضرات (حضرت شیخ الاسلام) اور (حضرت مولانا اعزاز علی صاحب) نے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی سے اور آپ نے حجۃ الاسلام مولانا قاسم صاحب صاحب نانوتویؒ سے اور آپ نے شیخ عبدالغنی مجددیؒ اور آپ نے شاہ محمد اسحاق دہلوی سے اور آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے اور آپ نے مسند الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے۔ یہ سند آپ کی بہت معروف ومشہور ہے اور ہر اس شخص کو یہ سند حاصل ہے جس نے سید حسین احمد صاحب مدنیؒ سے پڑھا ہے لیکن ہمارے حضرت شیخ کی ایک اور خصوصیت ہے اور آپ کی اس سے بھی عالی سند ہے کیونکہ آپ کو اجازت حاصل ہے حافظ وقاری عبدالرحیم صاحب امروہویؒ سے اور آپ روایت کرتے ہیں مولانا قاسم نانوتوی سے بھی اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے بھی، لیکن مو لانا قاسم نانوتویؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی مجددیؒ سے اور وہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ سے اسی طرح آگے تک جیسا کہ ابھی گذرا۔ مگر شیخ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کی سند عالی ہے کیونکہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب جس طرح روایت کرتے ہیں (شاہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ سے اور شاہ اسما عیل شہیدؒ سے اور یہ دونوں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ رفیع الدین دہلویؒ سے اور یہ دونوں اپنے باپ شاہ ولی اللہ سے) اسی طرح دوسری جانب حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب بلا واسطہ روایت کرتے ہیں شاہ عبدالعزیز محدثؒ سے اور وہ اپنے باپ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے۔ یہ آخری سند ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے آپ اپنے اکثر معاصرین سے ممتاز تھے۔ اور الحمد للہ میں نے بخاری جلد اول حضرت شیخ سے پڑھی اور آپ نے اپنی تمام مرویات کی اجازت دی۔ (خلاصہ سند عالی کا یہ ہے کہ حضرت شیخ روایت کرتے ہیں قاری عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ سے وہ شاہ فضل الرحمٰن صاحب سے وہ شاہ عبد العزیز سے اور وہ شاہ ولی اللہ سے) اس کے بعد کی تمام اسانید مشہور ومعروف ہیں اور چھپی ہوئی ہیں۔

آپ کے اخلاق وعادات، تقویٰ وپرہیزگاری:

آپ اعلیٰ اخلاق کے مالک، نہایت متواضع، بول چال میں سنجیدہ، آپ کی پیشانی پر تقویٰ وپرہیزگاری کی علامتیں ظاہر تھیں نیز آپکے چہرے پر عبادات اور مجاہدات کے انوارات روشن تھے۔ خوبصورت چہرہ، دراز قد فصاحت وبلاغت کے مالک، خوش پوشاک، پہناوا تکلف سے خالی، کبھی کبھی آپ افغانی طرز پر عمامہ باندھتے تو اور زیادہ پروقار اور بارعب معلوم ہوتے۔ مہمانوں اور آنے جانے والوں کا بہت اکرام کرتے ودیگر لوگوں سے شفقت بھرا معاملہ فرماتے، محنت کے عادی،

مطالعۂ کتب، ذکر وتلاوت میں مستغرق رہتے۔ آخری تہائی رات میں تہجد ادا کرتے اور قرآن کی تلاوت فرماتے، آپ قرآن کے بے مثال حافظ تھے، تلاوت سے بہت لگاؤ تھا، اسی طرح تمام کتب احادیث کتب سے بالخصوص بخاری شریف سے، جس کی وجہ سے آپ روزانہ اسکا ایک جز تلاوت کرتے۔ آپ نماز جمعہ کے لئے جلدی تشریف لے جاتے اور نماز جمعہ سے پہلے صلوٰۃ التسبیح پڑھتے۔ آپ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرتے اور سوائے دینی اور علمی گفتگو کے کوئی بات زبان سے نہ نکالتے۔ آپ کی مجالس دینی افادہ واستفادہ کی مجلسیں ہوتیں۔ آپ کثیر البکاء وصاحب گریہ وزاری والے انسان تھے۔

آپ کے بارے میں اہل علم کے تأثرات:

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری صدر المدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ سے تفسیر جلالین اور

اصول تفسیر میں ''فوز الکبیر'' پڑھی ہے۔آپ فصاحت وبلاغت کے مالک ،کامیاب مدرس، متقی وپرہیزگار اور طلبہ کے ساتھ محبت کرنے والے انسان تھے،اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے فرمایا: کہ مرحوم حقوق اللہ وحقوق العباد کی پاسداری میں نہایت چست ،ایذاء رسانی سے دور اور نہایت متواضع انسان تھے۔حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علمائے دیوبند نے فرمایا: کہ میں نے حضرت شیخ سے شرح عقائد، مسامرہ، مقامات حریریہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔آپ کا درس حشو وزوائد سے پاک ہوتا ،افہام وتفہیم میں کامل دسترس رکھتے تھے۔آپ کو وقت مقررہ پر درس ختم کرنے کا خاصہ ملکہ حاصل تھا۔علامہ قمرالدین صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے اصول وفقہ میں حسامی پڑھی ہے۔آپ اعلیٰ اخلاق وکردار، تواضع واعتدال وتقویٰ کے مالک تھے۔آپ کی تواضع میں سے یہ ہے کہ ایک بار مجھے بازار سے جھولے میں سبزی لاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: لائیے! سبزی میں آپ کے گھر تک پہونچادوں۔اور حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری دامت برکاتہم (جو قابلیت ولیاقت میں اپنی مثال آپ ہیں) نے پہلے بحوالۂ ترمذی ایک ''حدیث حسن'' پڑھی کہ ''لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جسکی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل اچھا ہو''پھر فرمایا کہ: حضرت شیخ اس حدیث کے حقیقی مصداق تھے کیونکہ آپ نے تقریباً ۶۵ /سال تک درس وتدریس اور دیگر اہم ذمہ داریوں کو نبھایا ہے ۔میں نے آپ سے علامہ عبدالرحمٰن صاحب جامی کی ''شرح جامی'' پڑھی ہے۔آپ اخلاق حسنہ اور اظہار رائے میں اعتدال کی وجہ سے ممتاز تھے۔اسی وجہ سے ہمیشہ آپ نے دارالعلوم میں ایسی میانہ روی اختیار فرمائی جو انصاف اور کامیابی کی ضامن ہوتی ،حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم استاذ حدیث ومدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ آپ میں ایک ایسی خصوصیت تھی کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند جو تقریباً ڈیڑھ سو صدی پر مشتمل ہے جسمیں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے، وہ یہ کہ آپ نے ایک چھوٹے سے رسالہ ''میزان ومنشعب'' سے درس کا آغاز کیا اور ترقی کرتے کرتے درس نظامی کی آخری کتاب یعنی صحیح بخاری تک پہنچ گئے۔جب میں آپ کو خوش پوشاک میں ملبوس دیکھتا تو خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی فرشتہ ہے جو آسمان سے اتر آیا ہے۔ اور دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ عربی ادب کے استاذ حضرت مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی فرماتے ہیں کہ:'' آپ کی سب سے بڑی خصوصیت میری نگاہ میں؛ وہ آپ کی قناعت، مال ومنال سے دوری اور لوگوں کی نگاہ میں برا بنادینے والی چیزوں سے کنارہ کشی ہے''اور اپنی روزمرہ زندگی کی ایسی نگہداشت کہ عمر بھر کسی انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملا۔'' اور پاکستان کے مشہور محدث وشیخ الاسلام مفتی محمد تقی صاحب عثمانی صاحب فرماتے ہیں جب میں زمانۂ طالب علمی میں اپنی والدۂ محترمہ کے ساتھ چند دنوں کے لئے دیوبند آیا تو میں نے فرصت کے لمحات حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کے درس میں حاضری دے کر قیمتی بنائے۔میں نے حضرتؒ سے مقامات حریریہ اور شرح جامی میں استفادہ کیا ہے۔آپ ایک کامیاب مدرس اور حسن اخلاق اور تواضع سے بہرہ ور انسان تھے، آسان طریقے سے سبق سمجھانے پر آپ بخوبی قادر تھے۔

پسماندگان:

آپ کے کل ۵ /صاحبزادے'' بھائی ضمیر احمد خان، بھائی عارف امان، بھائی عزیز احمد خان ، بھائی شکیل احمد خان، بھائی عقیل احمد خان اور ۲ / صاحبزادیاں، پوتے اور پوتیاں ہیں۔ساتھ ہی وہ حضرات بھی آپ کے پسماندگان میں ہیں جنھوں نے آپ سے استفادۂ علمی کیا ہے اور ہند وبیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں نیز آپ سے خالص اللہ کے لئے محبت رکھنے والے ہیں۔

دل غمزدہ ہے اور آنکھوں سے اشک رواں ہیں اب اللہ کی رضامندی کی باتیں کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔اے اللہ ہمارے شیخ کی بہترین مہمان نوازی فرما! اے اللہ ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنادے اور ان کے اعمال صالحہ قبول فرما! اور آپ کا حساب آسان فرما! اور اپنے مقرب بندوں میں شامل فرما! اور آپ کے اہل وعیال، محبین خصوصاً آپ کے بیٹے اور بیٹیوں کو صبر اور تسلی کا سامان عطا فرما!، آپ ہی قبولیت کی امید کئے جانے کے زیادہ لائق ہیں، بہترین مددگار اور بہترین کارساز ہیں۔

مقبول جو هوں ، شاذ هیں ، قابل تو بهت هیں

شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ اور ایک طالب علمانہ تأثر

از: محمد تبریز عالم قاسمی

معین مدرس دارالعلوم دیوبند

اس دنیا میں آنے جانے کا سلسلہ جاری ہے، لیکن کچھ آنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں، کہ ان کی زندگی انفرادو امتیاز سے عبارت ہوتی ہے۔ دنیا ان کی صلاحیت کو سلام کرتی ہے۔ دنیا والے اس کے ناقابل فراموش کارہائے نمایاں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اس کے علم وعمل کی دلکشی، واقعی سحر انگیز ہوتی ہے۔ مگر ایسی سعید اور قابل فخر شخصیات کم ہوا کرتی ہیں، ان کا وجود مسعود، دنیا میں جب تک ہوتا ہے، قلوب ان سے مستفیض ہوتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر دیکھتے رہنے کے مشتاق ہوتے ہیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اگر ایسی جماعت کا کوئی فرد کامل اپنی آخری اور حقیقی منزل کے لئے شدرحال کر لیتا ہے تو کچھ عجب سا سونا سونا سا لگتا ہے، کچھ بلکہ بہت کھو جانے کا شدید احساس ہوتا ہے۔ طبیعت اضطراب و بے چینی سے دوچار ہوتی ہے۔

گرامی قدر حضرت الاستاذ مولانا نصیر احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہ، سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند (پیدائش ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳ ردسمبر ۱۹۱۸ء) بھی انہیں مرد حقانی میں سے ایک تھے۔ جو ۱۹ صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴ رفروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات رحمت الٰہی کے سائے میں پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت الاستاذ اس دور کے اکابر دارالعلوم دیوبند کے سلسلے کی آخری کڑی تھے، راقم الحروف نے دارالعلوم دیوبند میں جن موقر اساتذہ سے پڑھا، انہیں دیکھا اور حد درجہ متأثر ہوا، حضرت ان میں سرفہرست تھے۔

۱۴۲۷ھ میں جب دورۂ حدیث شریف میں داخلہ کے بعد، پہلے یا دوسرے ہی دن حضرت کا دیدار ہوا، عجیب نورانی سماں تھا۔ دارالحدیث میں چاروں طرف طلبۂ حدیث اور انکے درمیان مسند حدیث پر ایک فرشتہ صفت اور روشن رخ، بزرگ وعظیم محدث واقعی بڑا ہی مسحور کن منظر تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ پر رونق ستاروں کی جھرمٹ میں کوئی روشن ماہ کامل طلوع ہو گیا ہے۔ ایسا نورانی چہرہ کہ دیکھ کر ایمان تازہ ہو جائے۔

حضرت الاستاذ ہی نہیں بلکہ استاذ الاساتذہ تھے، دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی مدرسین سے لیکر شیخ الحدیث تک سب آپ کے شاگرد ہیں۔ شاید ہی کوئی مستثنیٰ ہو بلکہ آج پوری دنیا میں قاسمی نسبت کے اساتذہ یا تو حضرت کے شاگرد ہیں یا شاگرد کے شاگرد۔ کچھ نہیں تو شاگرد کے درجے کے تو ضرور ہیں۔ حد درجہ متین، طبیعت نہایت سلیم وسادہ مگر لطیف ونظیف لباس کے عادی، آواز بلند، لیکن لب ولہجہ نہایت شیریں، علم نافع اور عمل صالح کا سنگم، کم گو، لیکن بولتے تو کلام نہایت مرتب اور جامع ہوتا تھا۔ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ہی کلام فرماتے۔ قلب تقوی واخلاص سے لبریز، ملنسار ی وخاکساری میں اپنی مثال آپ، صحابہ کی جیتی جاگتی تصویر، قد وقامت معتدل، آنکھوں پر ایک چشمہ، ہاتھ میں عصا، گردن اور نگاہیں نیچی، زندگی سادگی لئے ہوئے لیکن خیالات وافکار اونچے، مزاج سنجیدہ وفہمیدہ۔ مگر رعب غضب کا، سلف وخلف کی یادگار، جملہ علوم وفنون کے ماہر، علم حدیث میں ماہر ترین، چھوٹوں پر ایسے شفیق کہ کسی طالب علم کو جائز اور ضروری تنبیہ کے بعد دل جوئی کے کلمات کہنے میں ذرا بھی تأمل نہ کرتے مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کے ذہن میں حضرت کا یہی خاکہ مرتسم ہے۔

حضرت شیخ اولؒ اور بخاری شریف :

روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد اگر کوئی کتاب اصحیت کا درجہ رکھتی ہے تو وہ محمد بن اسماعیل بخاری کی ''جامع صحیح'' جسے ہم بخاری شریف کہتے ہیں، جس کے مقام ومرتبے سے علمی دنیا خوب واقف ہے۔ اس کے پڑھانے والے کو اپنے دیار میں ''شیخ الحدیث'' جیسے مرتبت لقب سے جانا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی صحیح ہے کہ ایسے خوش بخت حضرات منجانب اللہ منتخب ہوتے ہیں اور بہت کم ہوتے ہیں جو واقعی اس عظیم کتاب کو پڑھا سکیں اور اس کا حق

ادا کرسکیں۔ یہ خوش نصیبی ہمارے شیخ کے حصے میں بھی آئی اور خوب آئی۔ کہ کم وبیش ۳۳ سالوں تک یہ کتاب آپ سے متعلق رہی، چنانچہ ایک طرف آپ اپنی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے ۱۳۹۷ھ میں "مشیخیت" کے بڑے اعزاز سے سرفراز ہوئے۔ جس کا سلسلہ محض علالت، ضعف اور پیری کی وجہ سے ۱۴۲۹ھ میں موقوف ہوگیا۔ تو دوسری طرف ۱۴۱۲ھ میں صدارت تدریس کے پروقار عہدے پر بھی فائز کئے گئے اور ۱۴۲۹ھ تک پورے ۱۷ سال اس عہدے پر رونق افروز رہے۔

کچھ یادیں کچھ باتیں :

دارالحدیث میں مولسری کے راستے نازک چھڑی کے سہارے حضرت کا تشریف لانا، مائک کے سامنے آکر سلام کرنا پھر چہار زانو ایک ہی نشست پر بیٹھ کر درس میں مصروف رہنا ابھی بھی حافظہ کا حصہ ہے۔ اکثر اوقات پروقار رہتے اور کبھی مسکراتے بھی تھے، آپ کے مسکرانے سے پوری دارالحدیث عطر بیز ہوجاتی تھی۔ کبھی آخرت کے تذکرے یا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدے اور تکالیف کے ذکر پر آبدیدہ ہوجاتے، آپ کے رونے پر پوری مجلس رو پڑتی تھی، یہ تھا درس گاہ کا منظر۔ اختتام درس پر پروقار انداز میں اٹھنا، پیچھے پیچھے طلبہ کی بھیڑ اور "اہتمام میں جانے والی سیڑھی کے سہارے رکشے پر بیٹھنا اور بیٹھ کر موجود طلبہ کو ایسے مشفقانہ انداز میں سلام کرنا کہ دیر تک اس کی خوشبو محسوس ہوتی۔ آج اس منظر اور اس کی یادوں سے دل بیٹھ جاتا ہے۔ شوال کی گھما گھمی میں آغاز تعلیم کے موقع پر اولین کلیدی درس حضرت کا ہوتا۔ صبح سے ہی خوب رونق اور چہل پہل، طلبہ قدیم وجدید میں جوش وخروش، شیخ کی آمد اور پہلے دن کتاب بخاری اور صاحب کتاب پر دیر تک ٹھہرا ہوا اور دلکش بیان، حافظہ سے مٹانا بہت مشکل ہے۔ ایسے ہی ایک پررونق اور روحانی فضا آخر سال میں ختم بخاری کے وقت ہوتی اور وہ منظر تو بڑا ہی اندوہ گیں، دلسوز اور رلانے والا ہوتا۔ آخری درس میں مختصر الوداعی نصیحتیں فرماتے اور دعا فرماتے۔ جس میں طلبۂ دارالعلوم کے علاوہ اہالیان دیوبند اور دور دراز کے لوگ شریک ہوتے۔

۱۴۲۷ھ ایسا سال تھا کہ حضرت نے اس سال آخری بار پوری بخاری جلد اول پڑھائی اس کے بعد دو سالوں تک پڑھائی مگر بیچ بیچ میں طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے وقفہ ہوا اس سال ہمیں آخری نصیحت کی کہ:

"اب آپ کا سفر الی العلم ختم ہوا اور سفر فی العلم شروع ہورہا ہے اور دعا میں ایک جملہ فرمایا کہ بچوں! جب میری وفات کی اطلاع ملے تو ایصال ثواب کرنا جس پر کوئی بھی روئے بغیر نہ رہ سکا"

آج احاطۂ مولسری کا وہ راستہ جو آپ کی آمد ورفت کا گواہ ہے۔ دارالحدیث کا وہ مسند جس پر آپ ایک عرصہ تک جلوہ افروز رہے اور وہ طلبہ اور اساتذہ جو آپ کے دیدار کے متمنی رہا کرتے تھے، بزبان حال وہ بات کہنے پر مجبور ہیں جو کبھی کسی باذوق نے شیخ الاسلام مولانا مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد کہی تھی ؎

نہیں ہے پیر میخانہ مگر فیضان باقی ہے
ابھی تک میکدہ سے بوئے عرفانی نہیں جاتی

مدرسہ کی چہار دیواری میں ایک شعر بہت مشہور ہے کہ ؎

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

حضرت شیخ اس شعر کی مکمل تفسیر تھے۔ پڑھنے پڑھانے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں تھا، نہ اسفار نہ ہی جلسے جلوس میں شرکت۔

ایک واقعہ:

سال گذشتہ غالباً ربیع الاول میں کسی کام سے حضرت کے گھر گیا، حسن اتفاق حضرت ملاقاتی کمرے میں تشریف فرما تھے، نقاہت وکمزوری ظاہر تھی ۔لیکن خوش روی اور آواز حسب سابق تھی۔ راقم ناچیز نے سعادت سمجھ کر فوراً سلام ومصافحہ کیا۔ حضرت کے استفسار پر میں نے بتایا کہ امسال شعبۂ تدریب المعلمین (معین مدرسی) میں ہوں بہت خوش ہوئے اور چائے منگوائی۔ اور راقم کو استاذ کہہ کر مخاطب فرمایا جس کے ہم حقیقی طور سے ہم مستحق نہیں تھے۔ وہ بھی حضرت کی زبان سے لیکن کیا کیجئے شفقت ومحبت اور پدرانہ معاملہ تو اسی دنیا کی ایک چیز ہے۔ پھر نصیحت فرمائی کہ:

''بھائی! اب مارکاٹ کا زمانہ ختم ہوگیا، طلبہ پیار ومحبت سے پڑھا کرتے ہیں تو محنت سے پڑھائیں اور محبت سے پڑھائیں''

حضرت سے یہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ تصور میں بھی نہیں تھا کہ ایک سال بعد ہی حضرت ہم سے جدا ہوجائیں گے۔

حضرت بلا واسطہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے شاگرد تھے۔ کبھی دوران درس حضرت شیخ الاسلام کا تذکرہ آتا تو آب دیدہ ہوجاتے۔ واقعی حضرت کا وجود کبھی ہمیں احساس دلاتا تھا کہ ہم بھی ''اکابر واسلاف'' کے دور میں جی رہے ہیں۔ ہمیں اس پر فخر ہے کہ ہم نے حضرت کی ذات میں خیر القرون کے باکمال افراد کا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت کی اولاد سب وہ نہیں ہیں جو ان کی صلب سے پیدا ہوئیں بلکہ ان کے سارے شاگردان ان کی روحانی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت کی بال بال مغفرت فرمائے۔ اور درجات بلند فرمائے (آمین)

آپ نے اپنی روحانی اولاد کی اتنی کثیر تعداد چھوڑی ہے کہ حساب وشمار مشکل ہے۔ یہ سب یقیناً حضرت کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں۔ خدام حدیث کی جب بھی فہرست تیار ہوگی تو حضرت الاستاذ کا نام اولین لوگوں کے ساتھ سرفہرست ہوگا۔ آپ نے اپنی علمی زندگی سے جو مثالیں قائم کی ہیں انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا اور علمی سطح پر جو چھاپ چھوڑی ہے۔ اس کا نقش ہمیشہ علماء وطلبہ کی رہنمائی کا کام انجام دیتا رہے گا۔ اور آپ کی خدمات جلیلہ بالخصوص حدیث کے حوالے سے ہمیشہ یاد کی جائیں گی۔ مولانا دریا آبادی کی کسی کتاب میں کبھی ایک شعر نظر سے گذرا تھا۔ حضرت کی زندگی دیکھنے پر ایسا لگتا ہے کہ یہ شعر انہیں کے بارے میں کہا گیا ہے، جو واقعیت وحقیقت سے لبریز ہے ؎

مقبول جو ہوں شاذ ہیں قابل تو بہت ہیں
آئینہ کے مانند ہیں کم دل تو بہت ہیں

☆☆☆☆☆

جدّ من سلطان بود

عبیر قلم: محمد طارق خان
متعلم دار العلوم دیو بند

ہاتھ اللہ کا ہے، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں و کار ساز

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولیٰ صفات
ہر دو جہاں سے ہے غنی، ہے اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
بزم ہو یا رزم ہو پاک دل و پاک ساز

(اقبال مرحوم)

یہ حقیقت ہے کہ موت کی پر پیچ اور ہولناک وادیوں میں نہ جانے کتنے انسانی وجود شاہ و گدا، امیر و غریب، شیخ و شباب، مرد و زن اس طرح کھو گئے کہ آج صفحۂ عالم میں کوئی ان کا نشان قدم بھی نہیں ملتا، تاریخ کے کسی ستون پر ان کا نام کندہ نہیں، موت نے ان کے وجود کو اس طرح خاکستر کر دیا کہ کوئی ان کا نام لیوا بھی نہیں۔ لیکن انسانوں کی اس بھیڑ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کا چلا جانا صرف کسی عزیز کا بچھڑ جانا نہیں ہوتا بلکہ ان کی جدائیگی کا غم کانٹا بن کر ہمیشہ دل میں چبھا رہتا ہے، اور دل کو لہولہان کئے رہتا ہے، درحقیقت ایسے ہی لوگ جب ہماری نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو جاتے ہیں تب انکی باتیں سسکیاں بھرنے پر مجبور کرتی ہیں، تب پھر دھڑکتے دل، بھیگی پلکوں اور غمزدہ ماحول کی موجودگی میں یہ چند یادیں قید ذہن سے آزاد ہو کر کچھ اس طرح قرطاس پر منقش ہو جاتی ہیں۔

میرے دادا جی یعنی حضرت اقدس شیخ الحدیث وصدر مدرس مولانا قاری نصیر احمد صاحبؒ جو شریعت کے قطب مینار، انسانیت کا مجموعہ، فضائل وشمائل کا ہمالیہ، حلم و وقار کا کوہ شوالک، نیکیوں کا بیت المقدس، صلاح و تقوی کا کعبہ، اکابرین کے واقعات وقصص کی قاموس، باہوش منتظم، فہیم دانشور، زبان شکر قند کے ساتھ اس قدر بے شمار فضائل ومناقب کے حامل کہ ہر ہر وصف ان کی کلاہ افتخار میں چمکدار نگینہ بن کر جڑا ہوا تھا، رہگذر آخرت ہو گئے، ہونا ہی تھا، نہ کوئی نئی بات ہے نہ غیر متوقع حادثہ، مگر دلوں کی دنیا اور یادوں کی بستی سے ان کا نقش جمیل مٹ جانا ممکن نہیں۔ ؎

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

کیسے بھول جاؤں ان حسین یادوں کو کہ متناسب بدن، پیرانہ سالی میں نحیف جسم، تقدس مآب بارعب وپرنور چہرہ، جس پر بڑی بڑی چمکدار روشن آنکھیں جس سے معصومیت وشرافت ٹپکتی تھی، کشادہ و تابناک پیشانی جو علمی عظمت وجلالت کی نیر تاباں تھی، سفید داڑھی، جسم پر صوفیانہ رنگ وانداز کی سادہ شیروانی، سر پر دو پلی ٹوپی، ہاتھ میں عصا لئے دادا جی سبق پڑھانے جانے کے لئے تیار برآمدے میں کرسی پر جلوہ افروز ہیں، تھوڑی دیر بعد رکشہ پر سوار دار العلوم تشریف لے جاتے ہیں، کس قدر شان وعظمت کے ساتھ، مانو! کوئی فرمانروا اپنی قلم رو کا دورہ کر رہا ہو، اب بھی وہ منظر یاد آتا ہے تو دل دھک سے ہو

کررہ جاتا ہے کہ عظمت ووقار کا وہ تاج محل ان کے چلے جانے سے شب گزیدہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت مشکل سے انسان بنتا ہے لیکن جب وہ ایک کامل انسان بنجا تا ہے تو پھر اس کامل انسان سے خدا تعالی انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتی کو شادابی بخشتے ہیں، اس کی ضیاء پاشیوں سے انسانوں کے قلوب منور رہتے ہیں، اس کے ارد گرد کی ہر ہر چیز ایک روحانی کیف سے سرشار رہتی ہے۔ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہیں، وہ روحانیت، دادا جی کا وہ کمرہ جس میں وہ مطالعہ میں مصروف رہتے تھے یا باہر برآمدہ میں تخت پر جلوہ افروز یا عصر کے بعد کی مجلس میں علوم ومعارف کے موتی برساتے ہوئے کیسا ڈر اور رعب رہتا تھا لیکن اس رعب میں ایسی خوشی پنہاں تھی جسے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا ، چونکہ ہم بچے ان کے چھوٹے چھوٹے خادم تھے اور پھر اوروں کی بنسبت مجھ سے اور میرے ہم عمر بھائی ''سعد'' سے کہ اسوقت ہم دونوں ہی گھر میں سب سے چھوٹے تھے، والہانہ محبت کرتے تھے، باہر سے وہ غصہ والے معلوم ہوتے تھے لیکن اندر سے وہ کس قدر نرم مزاج، نرم گفتار تھے اور نرم روی اور نرم گفتاری کے کیسے حسین وجمیل پیکر تھے یہ ہم ہی جانتے ہیں، آج بھی ان کی وہ شفقتیں اور محبتیں یاد آتی ہیں تو آنسو بہہ پڑتے ہیں، سب کچھ ہونے کے بعد بھی زندگی سونی معلوم ہونے لگتی ہے، کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ وہ مجھے اب بھی آواز دے رہے ہوں ''ارے بھائی طارق'' اور میں دوڑ کر چلا جاؤں پھر وہ مجھے اپنی خوش اخلاقی وخوش گفتاری کی لطیف شبنم میں بھگودیں لیکن ع ''یاد ماضی عذاب ہے یارب''

علمائے دیو بند کے یہاں یہ وصف ہمیشہ روح جان رہا ہے کہ وہ سب کچھ ہو کر بھی اپنے آپ کو ہیچ گردانتے تھے، وہ علم وعمل کے بادشاہ تھے لیکن پھر بھی سادگی کا چولہ ان کے بدنوں پر زیب تن رہتا تھا، بالکل یہی خصلت دادا جی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اپنے بڑوں کے در سے انہوں نے اس وصف کو اپنے دامن دل میں سمیٹا اور آخر عمر تک اس کی حفاظت کی، وہ بے غرض تھے، بے نفس تھے، بے ریاء تھے، انہوں نے اپنے آپ کو سونے کی طرح مجاہدوں کے ہتھوڑوں سے کوٹنے اور عاجزی وانکساری، فروتنی وبے نفسی کی بھٹی میں تپا کر کندن بنا دیا تھا، وہ نہایت سادگی پسند انسان تھے، مزاج میں سادہ لوحی کا عنصر غالب تھا، ریاکاری، نام ونمود تو گویا انہوں نے سیکھا ہی نہ تھا یقیناً ان کی زندگی مانند ایک لالہ کے تھی جس کا ہر غنچۂ خوبی ایک عالم کو مہکا رہا تھا لیکن وہ گلشن خزاں رسیدہ ہے اب صرف ان کی یادیں ہیں دل ودماغ میں محفوظ ان کی کچھ دھندلی، کچھ پختہ رنگ تصویریں مگر صفحہ کا دامن اس قدر وسیع نہیں کہ ان کی تمام تصویروں کا احاطہ کیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بحر وکمال کی چھوٹی سی لہر بھی اتنی وسیع، خوش رنگ، پر کیف ہے جسے اس مختصر سے مضمون میں نہیں سمویا جا سکتا، بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ سلطنت علم وفضل کا بے تاج بادشاہ کہ علوم فقہیہ کا تنہا امام، آبروئے ہند دار العلوم دیو بند کا خادم، وفا کیش، ایک آفتاب جہاں تاب غروب ہو چکا ہے۔

مقدر ہوا تو خاک سے پوچھونگا اے نسیم

تو نے وہ غنچہائے گراں مایہ کیا کیئے؟

زندگی کی گاڑی وقت کی پٹری پر دوڑی چلی جارہی ہے، شاید دادا جی کے پختہ نقوش آہستہ آہستہ دھندلے ہو جائیں لیکن ابھی یہ حال ہے کہ ان کی یادیں سوہان روح بنی ہوئی ہیں اور رونے پر مجبور کرتی رہتی ہیں اس وقت جبکہ میں کروٹیں بدلتا رہتا ہوں اور تنہائیاں مجھے ڈسنے کو دوڑتی ہیں، تب غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوتا ہے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک ماں اپنے پیارے ننھے بچے کو تھپکیاں دیکر سلا رہی ہو، ابھی وہ ہاتھ غائب بھی نہیں ہو پاتا کہ میں اپنے آپ کو نیند کی راہوں میں مست خرام پاتا ہوں۔

درس حدیث کا ایک ستون اور گرا......

از: مفتی اصغر علی قاسمی

امام وخطیب مسجد نورانی پادرائن پورہ، بنگلور

نمونۂ سیرت، مومنانہ فراست، عالمانہ بصیرت، فاضلانہ فقاہت، معصوم طبیعت، بارعب صورت، کلام فصاحت، زبان حلاوت، ماہر شریعت، صاحب استقامت، پیکر عشق رسالت مآب ﷺ......ان تمام اوصاف حمیدہ کو کسی پیکر محسوس میں رکھا جائے تو بنے گا:

’’نصیر احمد خان‘‘

۴؍فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات صبح سات بجے راقم السطور مدرسہ میں مصروف تھا جونپور یوپی سے راقم کے ایک استاذ جناب قاری نیاز احمد صاحب خیرآبادی مدظلہ کا فون آیا، علیک سلیک کے بعد دفعۃً آں محترم نے پوچھا کہ دارالعلوم کی کوئی بات معلوم ہوئی؟ راقم نے چونکتے ہوئے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو آں استاذ نے اپنے تھرتھراتے ہونٹوں اور کپکپاتی زبان سے ایک ایسی اندوہناک، جانگسل اور روح فرسا خبر سنائی کہ جسے راقم کی سماعت قبول کرنے کو تیار تھی نہ دل ہی یقین کرنے کو مگر وہ خبر ایسی بھی نہیں تھی کہ جس کے صدق میں کوئی احتمال ہو بلکہ اس مرحلہ سے تو ہر ذی روح کو گذرنا ہے۔اور ہر نفس کو اس کا مزہ چکھنا ہے اور وہ خبر تھی کہ دارالعلوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب اب ہمارے درمیان نہ رہے، اور اس طرح سے درس حدیث کا ایک ستون اور گر گیا۔

ابھی علامہ انظر شاہ کشمیریؒ کے داغ فراق کو بھلا بھی نہ پائے تھے کہ ایک اور ’’ **صدمۂ جانکاہ** ‘‘امت مسلمہ کو پہونچ گیا۔راقم نے ’’انا للّٰہ وانا الیہ راجعون‘‘ پڑھا یہی حکم قرآن ہے اور تسلی کا سامان بھی، پھر وہ تمام تصویریں جو شعور کے آئینۂ خانہ میں آویزاں تھیں احساسات کے پردہ میں نظر آنے لگیں اور کچھ آنکھوں کے راہ سے بہہ پڑیں اس لئے کہ ؎

قضا کس کو نہیں آتی یوں تو سب کو آتی ہے
مگر مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور کہتی تھی

بعدہٗ مدرسہ کے اساتذۂ کرام مع طلبۂ عزیز نے قرآن خوانی کی اور حضرت والا کے رفع درجات کے لئے دعائے مغفرت کی، یہ سانحۂ ارتحال جمعرات کو رات دو بجے پیش آیا تھا اس لئے جمعرات کے اخبارات میں یہ خبر شائع نہ ہوسکی تھی مگر اس کے باوجود آناً فاناً جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پورے ملک میں پھیل چکی تھی چنانچہ ملک بھر سے فونوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور جس نے بھی اس حادثۂ فاجعہ کی خبر سنی اپنی نمناک آنکھوں اور کپکپاتی زبانوں سے حضرت والا کو خراج عقیدت پیش کیا اور ایسا کیوں نہ ہو کہ قرآن کریم میں ہے کہ ’’**فما بکت علیھم السماء والأرض**‘‘ کہ نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین یعنی بعض گنہگار بندے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے مرنے پر کوئی آنسو نہیں بہاتا۔

ترجمۂ شیخ الہند میں اسی آیت کے فوائد کے تحت لکھا ہے کہ جب مرد مومن انتقال کرجاتا ہے تو آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جہاں سے اس کی نیکیاں اوپر چڑھتی تھیں، وہ زمین روتی ہے جہاں پر وہ نماز پڑھتا تھا بلکہ دنیا سے جانے والے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن پر صرف انسان ہی نہیں جنات اور دیگر مخلوقات بھی روتی ہے، جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا انتقال ہوا تو جنات بھی روئے تھے (تاریخ الخلفاء ص:۱۳۶)

اس لئے بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج وہ مصلّٰے جس پر حضرت شیخ نماز پڑھا کرتے تھے، وہ مسند جس پر آپ براجمان ہوکر درس دیا کرتے تھے اور وہ راستے جن سے گذر کر آپ مسجد، دارالحدیث اور دفتر وگھر آیا جایا کرتے تھے یقیناً تمام بلک بلک کر رو رہے ہوں گے۔

آپ ۲۱؍ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء کو ضلع بلند شہر، موضع ’’بسی‘‘ میں پیدا ہوئے، حفظ قرآن مجید اور عربی فارسی کی جملہ کتابیں شروع سے

آخیر تک ''مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی، ضلع بلند شہر'' میں پڑھیں، پھر ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں دار العلوم کے دورۂ حدیث میں داخلہ لیکر کامیابی حاصل کی اور ۱۳۶۳ھ میں دیگر فنون ہیئت وتجوید میں حفظ سبعہ کی تکمیل کی، حق جل مجدہٗ نے حضرت شیخ کو گوناں گوں خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ بیک وقت محدث بھی تھے اور صدر مدرس بھی، شیخ الحدیث بھی تھے اور نائب مہتمم بھی، آپ کی ان خداداد صلاحیتوں سے مخلوق خدا نے بھرپور فائدہ بھی اٹھایا چنانچہ دار العلوم سے فراغت کے بعد ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء کے آخیر میں آپ بحیثیت مدرس دار العلوم دیو بند مقرر ہوئے، اور چونکہ دار العلوم کے ارباب حل وعقد نے آپ کی انتظامی صلاحیتوں کو بھانپ لیا تھا اس لئے ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ آپ نائب مہتمم بھی مقرر کردئے گئے، اور ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے، پھر ۱۴۱۲ھ منصب صدارت بھی آپ کے سپرد کردیا گیا اور بحمد اللہ آپ ان تمام ذمہ داریوں کو اخیر تک بحسن خوبی انجام دیتے رہے۔

آپ کو جو کتابیں دی جاتیں آپ ان کا حق ادا کردیتے، آپ رات کے قلندر تو دن کے مجاہد تھے، کثرت مطالعہ اور تحقیق وتدقیق آپ کی عادت بن گئی تھی آپ کی صلاحیت وقابلیت کا اعتراف آپ کے اساتذۂ کرام بھی کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''فن ہیئت'' میں بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا، ہیئت کے رسالہ ''فتحیه'' کے حواشی اس بات کے شاہد عدل ہیں، آپ صرف مدرس ہی نہیں، رجال ساز بھی تھے، سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے تلامذہ پورے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں، دار العلوم دیو بند کے موجودہ شیخ الحدیث اور آپ کے جانشین حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، علامہ قمر الدین صاحب مولانا عبد الخالق صاحب مدراسی محدث ونائب مہتمم دار العلوم دیو بند، مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ صاحب ''قاموس الجدید'' جیسے جبال العلم اور کبار علماء آپ کے تلامذہ میں سے ہیں کم از کم ۶۵ ر سال تک آپ نے دار العلوم دیو بند میں تدریسی فریضہ کو انجام دیا اور ۴۰ ر سال درس حدیث آپ سے متعلق رہا جبکہ خاص ''أصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری''، یعنی بخاری شریف کا درس ۳۲ ر سال آپ سے متعلق رہا، **ذلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء .**

جب آپ کی نقاہت وضعیفی دار الحدیث آنے جانے سے مانع بننے لگی تو بادل ناخواستہ تدریس سے سبکدوش ہوکر آپ اپنے دولت کدہ پر تشریف رکھنے لگے مگر علم کے پروانے وہاں بھی پہونچ جایا کرتے تھے اور اُن کا گھر بھی ایک چھوٹا سا ''دار الحدیث'' بن جایا کرتا تھا اس طرح سے آپ نے گزشتہ دو سال یعنی ۱۴۲۹ھ تک تدریسی حدیث کا فریضہ انجام دیا یعنی مسلسل ۳۲ ر سال۔

حضرت والا صدر المدرسین ہوتے ہوئے بھی بڑوں کے ساتھ انتہائی تواضع اور انکساری اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت پدری سے ملا کرتے تھے۔ انتظامی امور میں حد درجہ صفائی اور سلیقہ مندی کا مظاہرہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث کا درس حدیث:

علم وفن کا یہ بحر بے کراں اور رمز ومعانی کا یہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر جب مسند درس پر براجمان ہو جاتا تو طلبۂ کرام کے ظروف کے مطابق علوم ومعارف کے موتی بہاتا، تاکہ مہمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بار گراں نہ ہو چنانچہ حضرت شیخ درس میں نفس مسئلہ اور تحت العبارت کلام فرمایا کرتے تھے جس سے طلبۂ کرام کو فہم متن اور مسائل وعبارت میں ذرا بھی دقت پیش نہیں آتی تھی اور سونے پے سہاگہ یہ کہ اللہ غنی نے اپنے خزانۂ قدرت سے آپ کو فصیح وبلیغ اور ''شیریں زبان'' سے نوازا تھا، کہ کوثر وتسنیم سے دھلی زبان اور بھاری بھرکم آواز سے دار العلوم کے در ودیوار اور آس پاس کے علاقے گونج اٹھتے تھے، درس میں کسی طالبعلم کو تشنہ لبی کی شکایت قطعاً نہ رہتی تھی، طلبہ میں یہ بات مشہور تھی کہ

''لوگ قرآن کے ''قاری'' ہوتے ہیں مگر حضرت شیخ اردو کے بھی قاری ہیں''

یعنی آپ اردو میں بھی مخارج وادائیگی کا اس قدر خیال فرماتے تھے، اس بات کا اندازہ اس سے لگائیں کہ آپکی عمر طبعی ۹۲ ر سال تھی مگر آپ اخیر زمانۂ درس تک انتہائی ادیبانہ، چست جملے اور مربوط گفتگو فرمایا کرتے رہے آپ کی تقریر کا کوئی جملہ سامعین کی سماعت سے ضائع نہیں ہوتا تھا، آپ کی درسی

تقریر اگر نوٹ کر لی جائے تو وہ ایک ایسی مکمل کتاب جو دلائل سے مدلل، براہین سے مستحکم، اقوال سلف سے مزین اور حشو وزوائد سے مبرا تیار ہو جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص حفاظت حدیث کا کام کرتا ہے، یعنی اچھی طرح سنتا ہے پھر اچھی طرح محفوظ رکھتا ہے اور پھر اسے دوسروں تک من وعن نقل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو ہمیشہ تر وتازہ رکھتا ہے، چنانچہ دیکھنے والوں نے دیکھا ہوگا کہ آپ ہمیشہ ہشاش بشاش اور تر وتازہ نظر آتے تھے، آپ کا چہرہ ایسا روشن اور چمکدار تھا کہ گویا کہ ''عکس قمر'' ہے، آپ کے انہیں اوصاف وکمالات کے پیش نظر احقر نے دار العلوم کے آخری سال میں جو الوداعی ترانہ پیش کیا تھا اس میں حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی شان میں یہ بند جوڑا تھا

شیخ اول تری عمدہ شیریں زباں

راہ رو بھی سنے رک کر تیرا بیاں

رفق دل میں نہیں تیرا ثانی یہاں

تیری ناموس عزت پے مر جائیں گے

یاد کر کے تجھے ہم مچل جائیں گے

(اصغر علی)

سراپا عشق و محبت:

حضرت شیخ کے اندر عشق نبی اور محبت رسول ﷺ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جب کبھی دوران درس آقائے مدنی ﷺ کی امت کے تئیں شفقت ومحبت اور آپ ﷺ کے ساتھ کفار ومشرکین کی طرف سے مصائب وآلام اور ابتلاء وآزمائش کا ذکر آ جاتا تو حضرت شیخ کی آواز بھرّا جاتی، آنکھیں اشک بار اور زبان رک جاتی، منھ سے الفاظ نہ نکل پاتے جس سے طلبۂ کرام پر سکتہ وگریہ طاری ہو جایا کرتا تھا۔

دوسری اہم بات جس کا ہم طلبہ نے بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت شیخ درس حدیث کے لئے شروع میں جس ہیئت پر بیٹھتے اسی ہیئت پر درس کا اختتام فرمادیتے، بار بار اپنے زانوؤں کو نہیں بدلتے اور یہی ہے حدیث رسول کا ادب واحترام، طلبۂ کرام تھک جاتے تھے، مگر یہ عاشق رسول اور حدیث کا دیوانہ ایک جگہ سے ہلتا ڈولتا بھی نہیں تھا، آپ کے ادب واحترام اور اہتمام درس حدیث کو دیکھ کر ہم طلبہ کو حضرت امام بخاریؒ کی اور امام مالکؒ کی یاد تازہ ہو جایا کرتی تھی۔

تواتر سے یہ ثابت ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے ترتیب بخاری کے لئے بڑی مشقتیں اٹھائیں اور حد درجہ کا اہتمام فرمایا تھا۔ حضرت شیخ بھی باوضو اور مؤدب ہو کر انتہائی اہتمام اور احترام کے ساتھ دار الحدیث میں تشریف لایا کرتے تھے، اسی طرح حضرت امام مالکؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپؒ ایک مرتبہ طلبۂ کرام کو حدیث کا درس دے رہے تھے، طلبہ نے آپ کے چہرہ میں تکلیف کے آثار محسوس کئے مگر کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی، جب درس دے چکے تو آپؒ نے طلبہ سے کہا کہ میری پیٹھ سے قمیص کو ہٹاؤ، طلبہ نے کپڑے کو ہٹایا تو دیکھا کہ آپ کی پیٹھ پر بچھو نے سترہ جگہ پر ڈنک مارا ہوا ہے، شاگردوں نے کہا حضرت آپ نے اشارہ کیوں نہ فرمادیا؟ ہم اسے ماردیتے، تو حضرت امام مالکؒ نے ایک بات کہی جو ہم علماء وطلبہ کے لئے نصیحت وسبق آموز ہے، آپؒ نے فرمایا ''صبرت بجلال حديث رسول الله ﷺ''، یعنی میں نے بچھو کی تکلیف پر جو صبر کیا وہ حدیث رسول ﷺ کی عظمت شان کی وجہ سے۔

(تحفۃ العلماء والطلبہ)

غور کریں! کہ آپ نے بچھو کے ڈنک کو برداشت کر لیا مگر حدیث رسول کی بے ادبی ولا پرواہی کو گوارہ نہ فرمایا۔ اسی طرح حضرت شیخ بھی اپنے پیروں کے ورم کو، تکلیف کو برداشت کر لیتے تھے مگر حدیث رسول کی بے ادبی ولا پرواہی کو ہرگز گوارہ نہ فرماتے تھے، گویا آپؒ اپنے اکابر واسلاف کے عکس جمیل تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت شیخ کے تلامذہ کے لئے مژدۂ مسرت :

حضرت شیخ کو متعدد سلسلوں سے سند حدیث اور اجازت حاصل ہے، مگر ایک سند اتنی مختصر ہے کہ صرف تین واسطوں سے حضرت شیخ کے تلامذہ مرکز الاسانید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک پہونچ جاتے ہیں جو قابل صد افتخار بات ہے، مثلاً حضرت شیخ کے تلامذہ کی سند یوں ترتیب پائے گی۔

"یقول جمیع الطلاب حدثنا شیخنا مولانا نصیر أحمد خان، حدثنا الشیخ عبد الرحمن الأمروهوي ، حدثنا الشیخ مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی ، حدثناالشیخ عبد العزیز بن الشیخ ولی اللہ احمد الدهلوي ، والسند تمامه الیٰ المؤلف.

(نوٹ: یہ سند حدیث حضرت شیخ نے ملیشیاء سے آئے طلبہ کو اپنی طرف سے بطور خاص عطا کی تھی جس کی کتابت راقم کے ایک دوست مولانا منیر احمد بلیاوی نے کی ہے، حضرت شیخ اس قیمتی سلسلۂ سند کو وقتاً فوقتاً دوران درس بھی تحدیث بالنعمت کے طور پر ذکر فرمایا کرتے تھے۔

☆☆☆☆☆

الوداع :ائے دانائے راز

ازقلم: سعد شکیل خان

متعلم دارالعلوم دیوبند

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جس نے ہمیں پریشان کن حالات میں ''**استعینوا بالصبر** ''کا حکم دیا اور'' **ان اللہ مع الصابرین**'' کی بشارت سنا کر ہماری ڈھارس باندھی۔

درود وسلام نازل ہو ہمارے پیغمبر انسانیت ﷺ پر کہ اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کے انتقال پر ملال پر''**أنا بفراقك لمحزونون یاابراھیم**' ' فرما کر قلب کا نسخہ کیمیا عطا فرمایا۔

ہم اس عظیم حادثہ پر جو بتاریخ ۱۸رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴رفروری ۲۰۱۰ء جمعرات کی رات کے تیسرے پہر میں حقائق اسلام کی حکمت آفرینیوں کے مخزن، کتاب اللہ کے ظاہر و باطن کے، انسانیت نواز، علوم سے آراستہ، علم حدیث پر مثالی وسعت نظر رکھنے والے شیخ الحدیث، زہد واتقاء اور فضل وکمال کے پیکر جمیل، صدر مدرس حضرت اقدس الامام، علامہ مولانا قاری نصیر احمد خان صاحبؒ کی وفات حسرت آیات کی خبر معرض وجود میں آئی۔ ہم خدائے رحمٰن ورحیم سے توفیق صبر مانگتے ہیں اور اسوۂ حسنہ کا اتباع کرتے ہوئے حضرت اقدس ہی سے اپنا صدمۂ فراق بیان کرتے ہیں۔

حضرت والا کیسے یقین کرلیں کہ آپ نے ہم نیازمندوں سے منھ پھیرلیا، نور معرفت سے روشن اور تابناک آنکھیں بند فرمالیں، علم وحکمت کے موتی برسانے والی زبان پر مہر سکوت ثبت فرمادی، ہمارے سروں سے اپنا دست شفقت اٹھالیا، اپنے الطاف وعنایات کا وسیع دامن سمیٹ لیا، ہم سے کنارہ کشی اختیار فرمالی، گوشۂ تنہائی آپ کو پسند آگیا، اور بڑی خاموشی کے ساتھ آپ ہماری مشتاق اور بے چین نگاہوں سے مستور ہو گئے ''**انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، أنتم سلفنا ونحن لکم خلف وانا ان شاء اللہ بکم لا حقون**''

حضور والا آپ علم وحکمت کا چمکتا ہوا چاند تھے جس کی خنک اور ٹھنڈی چاندنی ہزاروں کے لئے وجہ سکون اور سامان قرار تھی، کسی بھی محفل میں آپ قدم رنجہ فرماتے تو واقعی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ماہتاب علم وحکمت طلوع ہو رہا ہے، چادر ماہتاب پھیلتی جارہی ہے اور دل ودماغ سکون وطمانینت کی ایسی لطیف کیفیات سے آسودہ ہوئے چلتے رہے ہیں جن کو الفاظ سے بیان نہیں کیا جاسکتا، اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ عظیم المرتبت تھے، رفیع المنزلت میر کارواں تھے، پیر رہرواں تھے، سالار قافلہ تھے، سرخیل طائفہ تھے، یادگار سلف تھے، تاجدار خلف تھے، بزرگوں کی آرزو تھے، خردوں کی آرزو تھے، گل سرسبد چمنستان مدنی تھے، ملت اسلامیہ کی شان تھے، جماعت علمائے دیوبند کی آن تھے۔

بطل جلیل آپ سے زیادہ کون اس حقیقت کو جان سکتا ہے کہ علم کا راستہ کتنا کٹھن اور دشوار ہوتا ہے، اس میں ایسی خطرناک گھاٹیاں آتی ہیں، کیسے بھیانک موڑ ملتے ہیں، اور کیسے خوفناک مرحلے درپیش ہوتے ہیں قدم قدم پر مشکلات ومصائب سرراہ بنتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم کا راستہ طے کرتے ہوئے فرمایا تھا''**لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا**'' سفر کی یہی دشواریاں اور راستے کے یہی پیچ وخم ہیں، جن سے گھبرا کر بہت سے عازمین سفر پہلے ہی قدم پر ارادۂ سفر ترک کردیتے ہیں، بعض کچھ آگے بڑھتے ہیں لیکن تھوڑا ہی فاصلہ طے کرکے ہمت ہار جاتے ہیں، بہت کم ہی جیالے اور سورما ایسے ہوتے ہیں جو مشکلات راہ سے بے پرواہ آگے اور آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں، لیلائے علم کی دھن انہیں مسلسل سراپا اضطراب بنے رہنے پر مجبور کئے رہتی ہے تا آں کہ وہ عروس علم سے ہم کنار ہو جاتے ہیں۔

زعیم العلم! آپ انہیں جیالوں میں سے تھے، آپ نے اپنے لئے اسی دشوار گذار مرحلہ اور صبر آزما راستے کا انتخاب فرمایا آپ کوہ علم پر چڑھے تو پھر چڑھتے ہی چلے گئے، آپ زندگی بھر جادۂ علم کے نشیب وفراز کو ہموار کرنے اور اس کے جھاڑ وجھنکار کو گل وگلزار بنانے میں لگے رہے، آپ نے اسی سنگلاخ راہ

پر ایسے لالہ وسوسن اگائے اور نسرین ونسترن کھلائے جو فردوس نظر بنے ، ایسی دل نواز لے چھیڑی جو جنت گوش بنی اور علم کے متوالوں کو ایسی شراب طہور پلائی کہ دل ودماغ عجیب دلآویز کیفیت سے دوچار ہوئے۔

عزیمت پناہ! آپ بیماریوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلوں کے بموجب نحیف ونزار ذات بن چکے تھے، پیرانہ سالی نے آپ کے قُوٰی کو بالکل مضمحل کر دیا تھا، آخر آپ نے عین میدان علم میں جام شہادت نوش فرمایا۔

پیارے دادا جی! اپنے نالائق پوتے کی جانب سے ہدیۂ مبارک قبول فرمائیں، آپ شہید علم بنے، بے شک شہید علم ۔

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر☆ عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گی

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا☆ ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

میرے عظیم دادا جی! آپ کیا تشریف لے گئے پوری محفل بے نور و بے رونق ہوگئی ،علم وعرفان کا قصر درخشاں شب گزیدہ ہے اور اندھیروں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، وہ عزت وآبرو داستان پارینہ بن گئی جو آپ کی رہین منت تھی اور حال یہ ہے کہ علوم معارف کا لہلہا تا چمن خزاں رسیدہ ہے اور اپنے بوڑھے مالی کو رورہا ہے، پتہ پتہ سوگوار اور ڈالی ڈالی بے قرار ہے، ہر غنچہ گریاں اور ہر پھول ماتم کناں ہے، گوشہ گوشہ سے سسکیوں کی آوازیں آرہی ہیں، آہو ں کا دھنواں اٹھ رہا ہے اور پوری فضا پر غبارالم چھا تا چلا جارہا ہے۔

آہ!!! آپ ہم سے بہت دور چلے گئے ہیں، بہت دور، اب آپ اطمینان وسکون کے ساتھ سورہے ہیں اور دائمی راحت وآرام کے مزے لوٹ رہے ہیں، مبارک ہو آپ کو بستر گل اور پھولوں کی سیج ،لیکن خدارا یہ تو بتائیے کہ آپ کے چلے جانے سے آپ کے اس نالائق پوتے کے دل میں حسرت ویاس کا جو کاری زخم لگا ہے وہ کیسے بھرے گا؟ کیسے بھرے گا؟ کیسے بھرے گا؟

اے رحمٰن ورحیم حضرت اقدس کو پوری ملت اسلامیہ کی جانب سے بہترین جزا عطا فرما! ان کے درجات کو بلند فرما، ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرما(آمین)ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆☆☆

پیکر اخلاق و شرافت

مولانا فاروق اعظم عاجز قاسمی

اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی

نحیف الجُثہّ ، بلند قامت ، کشادہ جبیں ، سفید بشرہ ، نورانی داڑھی ، آنکھوں پر موٹا چشمہ ، سفید کرتا ، سفید پاجامہ ، سر پر دوپلّی روایتی ٹوپی ، ہاتھ میں عصائے پیری ، کالی جوتی پہنے ہوئے سر نیچے کر کے صدر دروازے سے ہوکر احاطۂ مولسری کی طرف اس شان وشوکت کے ساتھ آرہے ہیں کہ سیکڑوں پروانے آپ پر نچھاور ہیں ، یہ تھے ہم سب کے دل وجان سے عزیز استاذ محترم ، بلکہ استاذ الاساتذہ بہت سے زندہ کرداروں کے عنوان ، نمونۂ اسلاف ، معلّم ، مصلح مخلص ، شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب جو ۱۹؍صفر ۱۴۳۱ھ بروز جمعرات ہم سب کو داغ مفارقت دے کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے ۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔

حضرت شیخ علم وعمل کا پیکر اور اخلاق وکردار کا مجسّمہ تھے ، اپنے ہزاروں شاگردوں میں بدرِ کامل ، صلاح وتقوی میں نمایاں ، عادات واطوار میں منفرد اور بے شمار اوصاف وکمالات اپنے اندر سموئے ہوئے تھے ۔

انگریزی فوج کے اعلی منصب پر فائز ، علماء نواز اور مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ کے مرید جناب عبد الشکور خاں صاحب کے گھر ۱۳۳۵ھ میں حضرت نے آنکھیں کھولیں ، حضرت کے والد ماجد کے دینی جذبہ کا یہ عالم تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے "ترکِ موالات" کے اعلان کے بعد انگریزی ملازمت کو خیر آباد کہہ کر کاشت کاری میں لگ گئے ، حضرت شیخ کا آبائی وطن قصبہ ''بسی'' ضلع بلند شہر (یوپی) ہے لیکن موجودہ رہائش دیوبند میں تھی ۔

والدہ بھی انتہائی پارسا اور عبادت گزار تھیں ، بچیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا اور اخلاقی تربیت کی فکر ان کے شب وروز کا مشغلہ تھا ، تلاوتِ قران سے شغف کا یہ حال تھا کہ حافظہ نہ ہونے کے باوجود بچیوں کو غلطیوں پر بے ساختہ ٹوکتیں ۔

حضرت شیخ کے بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ چوں کہ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مدرس تھے ، اس لئے حضرت کی تعلیم کا آغاز یہیں سے ہوا ، حفظِ قرآن اس کے بعد عربی وفارسی کی ابتدائی کتابوں کے ساتھ ساتھ بخاری تک کی مکمل تعلیم اپنے بڑے بھائی سے اسی گہوارۂ علم میں حاصل کی ، درمیان میں کچھ خانگی الجھنوں کی وجہ سے ایک مرتبہ حضرت شیخ کا تعلیمی سلسلہ موقوف ہوگیا ، لیکن حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی نظرِ عنایت اور دعاؤں کے خاص اثر سے رکاوٹ ختم ہوئی اور تعلیمی مرحلہ پایۂ تکمیل کو پہنچا ۔

۱۳۶۲ھ میں جب مولانا بشیر احمد خاں صاحب بحیثیتِ مدرس دار العلوم دیوبند تشریف لائے تو حضرت شیخ بھی برادرِ محترم کے ہمراہ آئے اور مولانا حسین احمد مدنیؒ ، مولانا اعزاز علیؒ ، مولانا بشیر احمد خاںؒ اور مولانا عبد الحقؒ اکوڑہ خٹک (پاکستان) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے ۱۳۶۳ھ میں از سرِ نو دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی اور ۱۳۶۵ھ تک حضرت نے تفسیر ، قرأت ، فقہ واصول فقہ ، منطق وفلسفہ اور طب وحکمت جیسے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں ، اور ان میں تخصص پیدا کیا ۔ فن قرأت میں تو ایسی مہارت پیدا کی کہ فراغت کے بعد ہی ملتان کے ایک بڑے مدرسہ میں صدر القراء کی حیثیت سے ان کا انتخاب ہوگیا ، لیکن اہل خانہ کی عدم رضا مندی کی بنا پر وہاں نہیں جا سکے ، البتہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ دار العلوم دیوبند میں خدمت مقدر تھی ۔

چوں کہ حضرت مدنیؒ کی خاص توجہ حضرت شیخ پر مرکوز تھی ، اس لئے انہیں کی کوشش سے ۱۳۶۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں آپ کا بحیثیتِ مدرس تقرر ہوا ، میزان سے اس سلسلہ کا آغاز ہوا اور تدریس کے مختلف مراحل طے کرتے ہوئے وہ متوسط درجہ سے علیا اولی پھر علیا ثانیہ کے استاذ مقرر ہوئے ، اس دوران درس نظامی کے ہر فن کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھائیں صرف ونحو ہو یا ادب ولغت یا پھر تفسیر وفقہ ۔

۱۳۹۱ھ سے درسِ حدیث کا آغاز ہوا اور ۱۳۹۷ھ تک حدیث کی معروف کتابیں : مؤطا امام مالک ، طحاوی ، ترمذی اور مسلم شریف وغیرہ آپ کے

زیرِ درس رہیں۔ ۱۳۹۷ھ میں خدائے عزوجل نے حضرت شیخ کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف پڑھانے کی صورت میں شیخ الحدیث کا بلند مقام عطا کیا اور یہ سنہرا سلسلہ انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ وفات سے دو سال پہلے تک جاری رہا، اپنی پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کی بنا پر صفر ۱۴۲۹ھ کو دار العلوم دیوبند سے سبک دوش ہو گئے تھے۔

ویسے تو حضرت شیخ نے اپنے تدریسی دور میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں اور پڑھانے بلکہ درس کی مقبولیت میں صلاحیت واستعداد کی کس قدر ضرورت ہوتی اور اس کا کیا رول رہتا ہے اہل نظر جانتے ہیں۔فن میں ان کی حذاقت ہی کی بات ہے کہ دیگر درس گاہوں کے مقابلے میں آپ کی درس گاہ طالبانِ علوم سے بھری رہتی۔

حضرت کو معقول ومنقول دونوں میں کامل دسترس حاصل ہے۔مولانا نور عالم خلیل امینی لکھتے ہیں "(وہ) معقول ومنقول دونوں میں کامل دست گاہ رکھتے ہیں، بلکہ دار العلوم میں علوم عقلیہ کے ماہرین کی اس وقت آخری کڑی ہیں"۔(وہ کوہ کن کی بات ۳۳۶)

صرف ونحو، ادب و بلاغت اور تفسیر و حدیث کے ساتھ ساتھ علمِ ہیئت بھی حضرت شیخ کی دل چسپی کا خاص موضوع رہا ہے، اس فن کی ''التصریح'' نامی کتاب مستقل آپ کے زیرِ درس رہتی، اس فن میں حضرت کو بڑا کمال حاصل تھا، پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو طلبہ کے ذہن میں اتار دیتے اور طلبہ بھی بڑے ذوق وشوق کا مظاہرہ کرتے اور بڑی تعداد میں شریک درس ہوتے۔

دار العلوم کے تدریسی عہد میں درس وتدریس کے علاوہ کئی اہم ذمہ داریاں بھی حضرت کے سپرد رہیں۔حضرت شیخ کی علمی استعداد اور انتظامی صلاحیت کے پیش نظر ۱۳۹۱ھ میں اہتمام کی نیابت سپرد ہوئی، ۱۳۹۷ھ میں شیخ الحدیث کے عظیم منصب پر فائز ہوئے، ۱۴۰۰ھ میں قائم مقام صدر مدرس منتخب ہوئے، اور ۱۴۱۲ھ میں تدریس کی صدارت تفویض ہوئی۔اس طرح سے دار العلوم دیوبند میں حضرت شیخ کی ۶۵ ر سالہ علمی خدمات کا سنہرا دور پوری طرح سامنے آجاتا ہے۔ ۱۶ ر سال تک مسندِ صدارت پر رونق افروز رہے، اور ۳۲ ر سال تک بخاری شریف کا مقدس درس دیا۔ایک مرتبہ حضرت نے خود فرمایا کہ ''میں تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ۶۵ ر سال دار العلوم دیوبند میں خدمت کا موقع دیا، ۳۲ ر سال بخاری پڑھائی، بھائی! دعا کرو کہ بس ایمان پر خاتمہ ہوجائے''۔

حضرت شیخ حسنِ صورت وحسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صوت بھی رکھتے تھے، کلام انتہائی عام فہم اور سادہ ہونے کے ساتھ فصاحت و بلاغت سے بھرپور ہوتا۔گفتگو انتہائی صاف ستھری، واضح اور نکھری ہوئی ہوتی، خوش آوازی میں بھی دور دور تک ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، انداز نہایت شیریں، مثبت، متین اور سنجیدہ ہوتا، لہجہ عالمانہ اور رفتار گفتگو معتدل کہ نہ تو کسی پر بار گزرے اور نہ الجھن محسوس ہو اور نہ ہی کسی کی زبان پر سمجھ میں نہ آنے کا شکوہ بلکہ جوں جوں درس شباب پر آتا، طالبانِ علوم کی اضطرابی کیفیت میں اضافہ اور تشنگی مزید بڑھتی چلی جاتی۔ بلندئ آواز کا یہ عالم کہ بلا مبالغہ بغیر مائک کے بآسانی پوری دار الحدیث ان کی صدائے بازگشت سے گونج اٹھتی۔

حضرت شیخ کے طریقۂ درس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔سال کے ابتدائی ایام میں حدیث پر تفصیلی گفتگو کرتے، کلام انتہائی جامع مانع ہوتا، امام بخاری حدیث کے عناوین جو باب کی شکل میں قائم کرتے ہیں اس کو انتہائی پیچیدہ سمجھا جاتا ہے۔حضرت شیخ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ امام بخاری کے مقصد کو بھی سمجھاتے چلے جاتے، اس سلسلہ میں بخاری کا اسلوب کیا ہے؟ اس کی بھی وضاحت فرماتے اور مکمل ہنر مندی کے ساتھ حدیث، اس کا مفہوم، اس سے ملنے والا پیغام، اس پر عمل کرنے کی تاکید اور اس پر ملنے والے ثمرات کو تشنہ گان علوم کے ذہن ودماغ میں پیوست کردیتے۔تقریباً دو مہینہ کے بعد کلام مختصر کردیتے انداز وہی رہتا، لیکن ششماہی بعد سے کلام کا سلسلہ انتہائی مختصر ہوجاتا اور حدیث خوانی ہوتی۔

حضرت شیخ کی ہمت کہیے یا حدیث پاک کی برکت کہ دورانِ درس حضرت بسا اوقات تین تین چار چار گھنٹے درس دیتے رہتے۔لیکن نہ ہلنا ہے نہ جھکنا اور نہ ہی کسی قسم کا تکیہ، بس پالتی مار کر پورے جاہ وجلال کے ساتھ مسند حدیث پر جلوہ افروز پشت بالکل سیدھی اور داہنا ہاتھ کتاب پر، از اول تا آخر ایک

ہی نشست ہوتی۔ بیچ بیچ میں بھئی ''امام بخاری فرماتے ہیں'' عبارت خواندہ کو'' پڑھیے'' وغیرہ وغیرہ اور اختلافی روایات کے وقت'' عند البعض'' کے بار بار دہرانے کا انوکھا انداز اپنے اندر بڑی دل آویزی رکھتا اور حضرت شیخ کی یہ ادا ہم شاگردوں کے دلوں کو موہ لیتی اور ہم جھوم جھوم اٹھتے۔

ایک طرف جہاں خواص نے باضابطہ طور پر ان سے حدیث وتفسیر کے علوم سے اپنی پیاس بجھائی تو دوسری طرف حضرت نے عوام کو بھی اپنے فیوض سے محروم نہیں رکھا۔ چنانچہ تملناڈو کے'' کوئمبتور'' علاقہ کی اول'' ناگہ'' محلّہ کی مسجد پھر ٹیپو'' سلطان مسجد'' میں تقریباً چالیس سال تک تفسیری خدمات انجام دیں، جس سے بہت سے بے راہوں کو راہ اور منزل کا پتہ چلا اور دین داری کی فضا قائم ہوئی، خرابی صحت اور ضعف کی وجہ سے چند سال قبل یہ سلسلہ منقطع ہوا۔

تصنیف وتالیف بھی ایک مستقل چیز ہے، ہر کسی کا یہ مقدر بن جائے ضروری نہیں، لہذا حضرت شیخ کی کوئی تصنیف تو نہیں ہے۔لیکن حضرت والا کے دامن فیض سے فیضیاب ہونے والے صرف حدیث کے کم وبیش پچیس ہزار شاگرد ہیں، ان میں سے بے شمار ایسے ہیں جنہوں نے علمی، اصلاحی، تحقیقی اور تصنیفی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے اور دے رہے ہیں، موجود اساتذۂ دار العلوم بھی تقریباً ان کے شاگرد ہیں، اس طرح سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر بے شمار مدارس اور دینی اداروں میں حضرت کا فیض جاری وساری ہے۔

چوں کہ حضرت شیخ کو فنِ ہیئت سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔اس لئے اس حوالہ سے بھی ان کے بہت سے شاگرد ہیں۔ابھی چند سالوں پہلے حضرت کے ایک خاص شاگرد مولانا ثمیر الدین قاسمی (مقیم حال لندن) نے طلوع وغروب کے متعلق ایک عمدہ کتاب تصنیف کی ہے، جس سے دنیا بھر کے طلوع و غروب کے اوقات کی تعیین ہوتی ہے۔اور ساتھ ہی رؤیت ہلال کے چند قابل ذکر مسائل کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ اہل تحقیق وجستجو کے لئے خاصے کی چیز اور نادر تحفہ ہے۔

حضرت شیخ کے کل دس اولاد ہوئیں۔تین اللہ کو پیارے ہو چکے اور سات بفضل اللہ بقید حیات ہیں۔ ماشاء اللہ اولاد کی اولاد سے گھر ہرا بھرا ہے۔ ان میں سے کئی برسرِ روزگار ہیں اور بعض زیرِ تعلیم ہیں جنہوں نے اپنے دادا محترم کی خدمت کر کے خوب خوب آخرت کمائی ہے۔

حضرت شیخ کو اپنے استاذ وشیخ حضرت مدنیؒ سے کس قدر دلی لگاؤ اور سچی عقیدت تھی اس کا صحیح اندازہ حضرت کا کوئی شاگرد ہی کر سکتا ہے۔ دار الحدیث کے در و دیوار اس منظر کے گواہ ہیں کہ جب بھی وہ حضرت مدنیؒ کا تذکرہ کرتے تو آب دیدہ ہو جاتے، بلکہ کبھی کبھی بولتے بولتے زبان بند ہو جاتی۔ اس تعلق خاطر کی بنا پر مولانا نصیر احمد خاں صاحب کا اصلاحی تعلق بھی حضرت مدنی ہی سے رہا اور انہیں سے بیعت بھی تھے۔ان کی وفات کے بعد حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا یہاں تک کہ بیعت کے ساتھ ساتھ خلعتِ خلافت سے بھی نوازے گئے۔لیکن خود کبھی کسی کو انہوں نے بیعت نہیں کیا اور ہمیشہ بے نفسی اور گمنامی والی زندگی کو ترجیح دی، اور خود فرماتے کہ۔" بھئی میرا مزاج نہیں، یہ تو بڑے حضرات کی چیزیں ہیں۔"

علم وعمل کے ساتھ ساتھ خدا نے حضرت کو بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا۔ان کی رفتار وگفتار سے سنت کے عملی نمونہ کا اظہار ہوتا۔صلاح وتقوی کے ساتھ نرم مزاجی، خوش اخلاقی اور تواضع ان کا طرۂ امتیاز تھا، ہر کسی سے خندہ پیشانی سے ملتے اور اپنے عزیزوں اور شاگردوں سے بطورِ خاص محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔یہی وہ خوبیاں تھیں جو حضرت کو مقبولیت ومحبوبیت کا اعلی مقام عطا کرتی ہیں۔

معروف ادیب مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب رقم طراز ہیں۔" تواضع، حلم وبردباری، نرم خوئی، خوش اخلاقی، صلاح وتقوی وغیرہ صفات کی وجہ سے آپ طلبہ، اساتذہ، ملازمین اور تمام متعلقین دار العلوم میں محبوب شخصیت کے مالک ہیں۔ (وہ کوہ کن کی بات ۳۳۶)

ان کی تواضع کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان سے کبھی کوئی چوک یا غلطی ہو جاتی اور اس پر ان کو واقفیت بھی ہو جاتی تو برملا حضرت اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے تھے۔ بلکہ بعض مرتبہ کبھی کسی بات پر اپنے کسی شاگرد کو ڈانٹ دیتے تو دوسرے وقت میں بلا تأمل معذرت خواہی بھی کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔اسی کے ساتھ ساتھ ان کا دل اہل علم کی عظمتوں سے بھی لبریز دکھائی دیتا، اساتذہ کو بھی برابر اپنی عقیدت ومحبت کا خراج پیش کرتے اور

بلک اٹھتے۔اسی طرح جب بھی دعا کا کوئی موقع آتا تو ''آپا جی'' (والدہ حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب) کی صحت وعافیت کے لئے ضرور دعا کرتے۔

بھیڑ بھاڑ اور جلسہ جلوس میں بہت کم شریک ہوتے، گوشہ نشینی اور گم نامی ان کا امتیاز تھا۔رات سویرے سونا اور سویرے بیدار ہونا ان کے مستقل معمول میں داخل تھا۔ پچاسوں سال سے تہجد کا سلسلہ اور جہری ذکر کا معمول، روزانہ بعد نماز فجر ایک پارہ تلاوتِ قران، اس کے بعد ناشتہ کر کے تدریسی مشغلہ، دوپہر کھانے کے بعد قیلولہ، بعد عصر اپنی بیٹھک میں لوگوں سے ملاقات اور وعظ ونصیحت، صحت کے زمانے تک یہ معمولات زندگی کا اہم حصہ بنے رہے اور ایک حد تک اس کی پابندی بھی لیکن جب حضرت کی صحت گرگئی اور ضعف ونقاہت بڑھتی چلی گئی، تو اب اول وقت میں بیدار ہوکر اشارے سے نماز فجر ادا کرتے تھے، اس کے بعد تلاوت، اکثر اوقات آرام فرماتے تھے، لیکن ذکر الٰہی سے زبان ہر دم تر وتازہ رہتی، روزانہ بعد نماز ظہر بخاری شریف کے دو صفحات کی تلاوت کا معمول اخیر تک جاری تھا۔اللہ تعالی حضرت کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور حضرت کی مغفرت فرمائے۔آمین۔

☆☆☆☆☆

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

سلیم احمد خان بلند شہری

بڑا ہی دل گداز اور صبر آزما تھا وہ لمحہ جب ۱۹ر صفر المظفر ۱۴۳۱ھ شب پنجشنبہ کو موبائل کی گھنٹی بجی، اچانک رات میں آنے والے فون سے مجھے تشویش ہوئی اور فون اٹھانے کے بعد وہ تشویش ہی نہیں بلکہ ایسی دلسوز جان لیوا اور ہوش اڑانے والی خبر ثابت ہوئی، جس سے میں دم بخود ہو گیا اور مجھ پر سکتہ ساطاری ہو گیا اور اولاً تو مجھے یقین نہ ہوا اور میں نے اس خبر کو متنبّی کے اس شعر کا مصداق گردانا، ''جزعت فيه مالي الى الكذب ''لیکن پھر ذہن میں یہ آیا کہ شاید مخبر صادق ہو، اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں سرپٹ گھر کی طرف دوڑ پڑا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بارونق برآمدہ جس میں حضرت شیخؒ جلوہ افروز رہا کرتے تھے، آج اس میں سکوت اور افسردگی چھائی ہوئی ہے اور گردوپیش اہل خانہ و دیگر متعلقین بے حد رنجیدہ و افسردہ کھڑے حضرتؒ کو تک رہے ہیں گویا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ حضرت کچھ فرمائیں اور وہ فیضیاب ہوں لیکن حضرت کچھ بولنے والے نہ تھے، کیونکہ وہ اس عالم ناسوت سے کوچ کر چکے تھے، کچھ ہی دیر بعد طلبہ اساتذہ اور شہر کے لوگ جوق در جوق حضرت کے مکان پر پہونچنا شروع ہو گئے، ایک انبوہ کثیر نے حضرتؒ کا آخری دیدار کیا جو شخص بھی دیکھ کر آتا رنج والم کی ایک تصویر دکھائی دیتا تھا، کتنی ہی آنکھوں میں آنسو تھے، کتنے ہی دلوں کا درد آہوں میں تبدیل ہو گیا تھا، اہل خانہ و اعزہ پر سراسیمگی اور درد والم کی بڑی کربناک کیفیت طاری تھی، ہر شخص بقدر تعلق اس حادثہ کی چوٹ محسوس کر رہا تھا، کوئی نہ تھا جس نے اس حادثہ کی خبر سن کر دل نہ تھام لیا ہو۔

ولادت با سعادت:

بلند شہر سے شمالی جانب تقریباً ۴۵ کلومیٹر کی دوری پر پٹھان برادری پر مشتمل چند آبادیاں ''بارہ بستی'' کے نام سے موسوم ہیں انہیں میں ''بسی'' نامی ایک گاؤں میں حضرت کے بقول ۲۱ر ربیع الاول ۱۳۳۵ھ بمطابق ۲۳ر دسمبر ۱۹۱۶ء بروز دوشنبہ حافظ عبدالشکور خان صاحب کے گھر میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم و تربیت:

والد محترم کی ایام طفولیت میں انتقال فرمانے کی وجہ سے آپ کی تربیت آپ کی والدہ اور برادر اکبر مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ نے فرمائی، حضرت نے ''مدرسہ منبع العلوم، قصبہ گلاؤٹھی، ضلع بلند شہر'' میں تعلیم کا آغاز فرمایا اور حفظ قرآن اور فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس نظامی کی تمام کتب برادر اکبرؒ سے پڑھیں۔

دار العلوم میں داخلہ:

۱۳۶۱-۶۲ میں جب برادر اکبر کو بحیثیت مدرس دار العلوم دیوبند میں بلا لیا گیا تو حضرت شیخ بھی برادر محترم کے ہمراہ تشریف لے آئے اور دوبارہ دورۂ حدیث شریف کیا اور فراغت کے بعد مزید تین سال ۱۳۶۳ھ سے ۱۳۶۵ھ تک دیگر فنون تجوید و قرأت اور حفظ، سبعۂ عشرہ نیز فن طب میں مہارت حاصل کی، حضرت نے دورۂ حدیث شریف کے سال بخاری و ترمذی شریفین کو شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ سے پڑھا تھا، چونکہ حضرت مدنی اس سال محبوس تھے لیکن حضرت کی خواہش حضرت مدنیؒ سے پڑھنے کی تھی، اس لئے آئندہ سال دیگر کتب پڑھنے کے ساتھ ساتھ حضرت مدنیؒ سے بخاری و ترمذی کی بھی تکمیل کی نیز حضرت والا کو حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی سے بھی اجازت حدیث حاصل تھی۔

دار العلوم میں تقرری:

چونکہ حضرت مدنیؒ سے خاص تعلق تھا اس لئے انہیں کی کاوشوں کے نتیجے میں یکم ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ میں دار العلوم میں درجۂ ابتدائی میں تقرر عمل میں آیا۔

۲۴ر ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ میں درجۂ وسطیٰ (ب) میں ترقی ہوئی۔ ۲۴ر شعبان ۱۳۸۶ھ میں درجۂ وسطیٰ (الف) میں ترقی ہوئی ۶ر صفر المظفر ۱۳۹۱ھ میں درجۂ علیا میں ترقی اور منصب ''نیابت اہتمام'' سپرد کیا گیا، صفر ۱۴۰۰ھ میں مجلس شوریٰ نے قائم مقام صدر مدرس مقرر کیا (بارہ سال تک اس عہدہ پر

رہے) ربیع الاول ۱۴۱۲ھ میں مجلس شوریٰ نے صدر مدرس مقرر کیا (سترہ سال تک صدر مدرس رہے) ابتدائی کتب سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک ہر فن کی کتب زیر درس رہیں۔

مسند درس حدیث :

۱۳۱۹ھ میں موطا امام مالکؒ، طحاوی شریف، مسلم شریف جلد ثانی ۱۳۹۷ھ تک پڑھائیں، ۱۳۹۷ھ خدائے عز وجل نے حضرت شیخؒ کو "أصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ" بخاری شریف کی صورت میں شیخ الحدیث کا بلند مقام عطا کیا اور یہ سنہرا سلسلہ انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ صفر ۱۴۲۹ھ تک جاری رہا کیونکہ آپ اپنی پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کی بنا پر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ میں دارالعلوم سے سبکدوش ہو گئے تھے۔

اوصاف و کمالات:

حضرت کو معقول ومنقول درس میں کامل دسترس حاصل تھی بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ آپ دارالعلوم میں علوم عقلیہ کے ماہرین کی آخری کڑی تھے اور" علم ہیئت" کے عظیم شہسوار اور بلا شرکت غیر، بے تاج بادشاہ تھے بریں بنا اس فن کی مشہور کتاب "التصریح" ہمیشہ زیر درس رہی اور آپ نے "علم ہیئت" کی مشہور کتاب "چغمینی" پر عربی حاشیہ بھی رقم کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار کمالات اور اوصاف سے نوازا تھا آپ فطرتاً انتہائی نیک اور صالح انسان تھے آپ کا خصوصی وصف یہ تھا کہ آپ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے، تواضع وشفقت، رحم دلی، خیر خواہی، محبت واخلاص جیسے اوصاف آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرے تھے، نماز باجماعت کے انتہائی پابند، جمعہ کو ہمیشہ کافی پہلے مسجد پہونچنے کا معمول تھا اور صلاۃ التسبیح بھی ہر جمعہ کو پڑھتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت بے شمار اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔

بیعت وسلوک :

حضرت نے سلوک کے مراحل اولاً حضرت مدنی کے زیر نگرانی طے کئے اور ان کے وصال کے بعد حضرت حکیم الاسلام سے رجوع فرمایا اور خلعت خلافت سے نوازے گئے۔

پسماندگان:

حضرت شیخؒ کا نکاح ۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ بمطابق ۲۳؍ جولائی ۱۹۲۷ء بروز جمعہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دس اولاد عطا فرمائیں، جن میں چھ لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں، جن میں سے سات بحمد اللہ بقید حیات ہیں ایک صاحبزادے زمانۂ طفولیت اور دو صاحبزادیاں چند سال قبل حضرت کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئیں نیز حضرت کے فی الوقت نو پوتے اور آٹھ پوتیاں، تین نواسے اور آٹھ نواسیاں ہیں، حضرتؒ دو سال قبل آنت اترنے کی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے دن بدن صحت گر رہی تھی اور ضعف ونقاہت بڑھ رہی تھی تا آنکہ وفات سے دس روز قبل بیماری نے شدت اختیار کر لی تھی ،جس کے سبب ۲۵؍ جنوری ۲۰۱۰ء کو بغرض معالجہ میرٹھ لیجایا گیا، تین دن تک وہاں زیر علاج رہے، مختلف جانچیں کرائیں جو صحیح نکلیں، چنانچہ آپ کو گھر واپس لے آیا گیا مگر دن بدن ضعف بڑھتا ہی رہا، یہاں تک کہ آپ نے وفات سے ایک ہفتہ قبل خورد ونوش کا سلسلہ بند فرما دیا تھا، سوائے انگور کے چند دانے سنترہ کی ایک کاش اور چند وقتوں میں نصف فنجان چائے ہی آپ کی غذا رہ گئی تھی، حتیٰ کہ سہ روز قبل اس کو بھی ترک فرما دیا ۱۸؍ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ بمطابق ۴؍ فروری ۲۰۱۰ء تقریباً دو بجے آپؒ محبوب حقیقی سے جا ملے اور امید وبیم کے درمیان زندگی گذارنے والا فرشتہ صفت انسان، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اب ہم سے جدا ہو گیا" انا للّٰہ وانا الیہ راجعون"

زندگی ایسی جیو تم ، دشمنوں کو رشک ہو
اور موت ہو ایسی کہ دنیا دیر تک ماتم کرے

☆☆☆☆☆